پہلی مرتبہ تقریباً 350 نادر و نایاب رسائل و کتب کی یکجا اشاعت

مقالاتِ حکیم الامت

حکیم الامت مجدد الملت

حضرت مولانا محمد اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

۱۲۸۰ - ۱۳۶۲ھ ۱۸۶۳ - ۱۹۴۳ء

زیر سرپرستی

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہم

(شیخ الحدیث جامعہ دار العلوم کراچی)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان 0322-6180738

بسلسلہ مقالات حکیم الامت جلد 84
تصوف وطریقت کی مستند ترین 2 نایاب کتب

1

مقالاتِ صوفیہ

رسالہ قشیریہ اور طبقاتِ کبریٰ سے انتخاب

از حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

ترجمہ

مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

2

معارفُ العوارف

ترجمہ

عوارفِ المعارف

ترجمہ

حکیم الامت مجدد الملت حضرۃ مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ

مرتب وناشر

قاری محمد اسحاق

(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

ادارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان (0322-6180738)

پہلے مجھے پڑھئے!

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْحَمْدُ لِحَضْرَۃِ الْجَلَالَۃِ وَالنِّعْمَۃُ لِخَاتَمِ الرِّسَالَۃِ

امابعد! حکیم الامت مجدد الملت حضرت اقدس تھانوی قدس سرہ کے نادر و نایاب کتب و رسائل پر مشتمل ''مقالات حکیم الامت'' کی 84 ویں جلد آپ کے سامنے ہے جو کہ ''مقالات صوفیہ'' اور ''معارف العوارف'' پر مشتمل ہے اور یہ دونوں تصوف وطریقت کی بلند پایہ کتب میں سے ہیں۔ ''مقالات صوفیہ'' طریقت کی مستند عظیم کتاب ''رسالہ قشیریہ'' اور ''طبقات کبریٰ'' سے بہترین انتخاب ہے۔ اس مبارک انتخاب پر سونے کا سہاگہ یہ ہوا کہ مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ نے اسے ترجمہ کر کے اُردو داں طبقہ کیلئے نعمت عظمیٰ بنا دیا۔

''معارف العوارف'' طریقت و ولایت کے معروف شیخ حضرت شہاب الدین سہروردی رحمہ اللہ کی تالیف ''عوارف المعارف'' کا ترجمہ ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے دست مبارک سے کیا ہوا ترجمہ اور حسب ضرورت حاشیہ و وضاحت نے اس مبارک کتاب سے استفادہ نہایت آسان کر دیا ہے۔ یہ کتاب ماہنامہ ''القاسم'' اور ''الرشید'' کے علاوہ ماہنامہ ''الامداد'' تھانہ بھون سے بھی قسط وار شائع ہوئی۔ زیر نظر نسخہ ''الامداد'' کے ۱۳۳۶ھ اور اس کے لگ بھگ کے شماروں سے ماخوذ ہے۔

الحمد للہ! یہ دونوں نایاب علمی و اصلاحی تحفے یکجا شائع ہو گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کاوش کو ہم سب کی اِصلاح کا ذریعہ بنائے اور ہمیں تادم آخر اپنے اکابر کے مسلک معتدل پر کاربند رکھے اور ہر قسم کے شرور وفتن سے محفوظ فرمائیں آمین۔

والسلام　محمد اسحٰق غفرلہٗ

عشرہ آخر محرم الحرام ۱۴۴۲ھ بمطابق ستمبر 2020ء

فہرست عنوانات

باب: دنیا سے رخصت ہونے کے وقت بزرگوں کے احوال کے بیان میں

باب: قلوبِ مشائخ کے تحفظ کے بیان میں

حصہ دوم..... مقالات صوفیہ

مقالاتِ صوفیہ

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ، واقف الاسرار الفرقانیۃ،
راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی

نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

مترجم: مفتی اعظم حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ

تصوف کی دو مشہور کتابوں رسالہ قشیریہ اور طبقات کبریٰ
کی نہایت عمدہ تلخیص جس میں صوفیاء و سلف کے
احوال و مقالات حکمت درج ہیں۔

مقدمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علٰی عبادہِ الذین الصطفٰی

اما بعد! بزرگانِ سلف کے حالات ومقالات اور ملفوظات ومعمولات بلاشبہ علم وعمل کی رُوح، دنیاوآخرت کیلئے رہبر، خلوت کدہ کے مونس، غمزدہ کے انیس، ہر دینی ودنیوی مشکلات کا حل، نورِ ایمان کو بڑھانے والے، قلب میں قوت پیدا کرنے والے ہیں۔

حرف از زبان دوست شنیدن چہ خوش بود
یا از زبان آنکہ شنید از زبان درست

لیکن ان میں معتبر وغیر معتبر کی تمیز پھر عارفین کے اقوال کے صحیح معنی کا سمجھنا ہر شخص کا کام نہیں، اسی لئے بقیۃ السلف حجۃ الخلف آیۃ من آیات اللّٰہ مجدد الملت حکیم الامت سیدی وسندی حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی دامت برکاتہم نے تصوف وتاریخ کی نہایت مستند ومنتخب کتابوں سے بزرگانِ سلف کے چیدہ چیدہ واقعات وحالات اور مقالات کو ایک مستقل مجموعہ میں جمع فرما دیا ہے جس میں رسالہ قشیریہ اور طبقات شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب باستیعاب مطالعہ فرما کر کیا گیا ہے۔ توضیح مقصود اور تفہیم کیلئے ہر واقعہ یا ملفوظ پر

ایک عنوان بھی قائم فرما دیا ہے اور مزید توضیح کیلئے کہیں کہیں فوائد کا اضافہ بھی ہے اس مجموعہ کو اگر اخلاق و تصوف کی رُوح کہا جائے تو بجا ہے۔

لیکن یہ مجموعہ چونکہ عربی زبان میں ہے حضرت والا دامت برکاتہم نے اس ناکارۂ خلائق کو اس واسطے عطا فرمایا کہ اس کا اُردو ترجمہ کر کے شائع کر دیا جائے۔ الحمدللہ کہ آج اس کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

ترجمہ میں بغرض افادۂ عوام احقر نے تحت اللفظ ترجمہ کو چھوڑ کر خلاصہ مطلب پر اکتفاء کیا ہے اور بفضلہٖ تعالیٰ اس کتاب کی اُردو شرح ہدیۂ ناظرین ہے۔ حق تعالیٰ اس کو اس ناکارہ اور سب مسلمانوں کیلئے نافع و مفید بنائے اور حضرت مصنف دامت برکاتہم کے علم و عمل سے حظ وافر عطا فرمائے۔ آمین

والله المستعان و عليه التكلان

ناکارۂ خلائق بدنام کنندۂ نکونامے چند۔

احقر محمد شفیع عفا عنہ

خادم دارالعلوم دیوبند

۲۰ محرم ۱۳۵۹ھ

ابتدائیہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

امابعد! یہ ایک حصہ ہے بزرگانِ طریق کے احوال و اقوال کا جس کے الفاظ کم اور معانی بہت ہیں۔ ہم نے مختلف کتابوں سے انتخاب کیا ہے تاکہ لوگوں کے قلوب اس سے مانوس ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ ہی ہر شخص کو توفیق دینے والا ہے خواہ کوئی کسی کا متبع اور مقلد ہو یا اپنے اجتہاد و تحقیق پر عمل کرنے والا ہو۔

اشرف علی تھانوی عفی عنہ الخفی والجلی

باب ذکر مشائخ الطریقۃ از رسالہ قشیریہ

رُوحِ تصوف

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے احمد بن محمد سے سنا ہے اور انہوں نے سعید بن عثمان سے، وہ کہتے ہیں کہ میں حضرت ذوالنون مصری سے جو تیسری صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ طریق میں سارے کلام کا مدار چار چیزیں ہیں۔ اوّل سب سے بڑے (یعنی اللہ تعالیٰ) کی محبت، دوسرے سب سے کم (یعنی دنیا) سے بغض، تیسرے قرآن، وحی الٰہی کا اتباع، چوتھے حالت بدل جانے کا خوف۔

دقیق ریاء

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی ہجری کے اکابر اولیاء میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ لوگوں کے خیال سے عمل چھوڑ دینا یہی ریاء ہے اور ان کے دِکھانے کے لئے عمل کرنا تو شرک ہے۔

(**ف**): مراد یہ ہے کہ بعض لوگ اس خیال سے کہ لوگ ہمارے عمل کو دیکھ رہے ہیں اور اس میں ریاء کا خطرہ ہے اس عمل کو چھوڑ بیٹھتے ہیں۔ حضرت فضیل رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ریاء ہی کا ایک شعبہ ہے اور اصل یہ ہے کہ آدمی کو عمل کرنے کے وقت لوگوں کو دیکھنے نہ دیکھنے کی طرف التفات وتوجہ ہی نہ ہونا چاہئے۔

گناہ کی خاصیت

حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب مجھ سے گناہ سرزد

ہوتا ہے تو میں اس کا اثر اپنے گدھے اور خادم کے اخلاق میں محسوس کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے سرکشی کرنے لگتے ہیں۔

اپنے آپ کو محتاج دُعا کا سمجھنا

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ جو دوسری صدی ہجری کے مشاہیر اولیاء میں سے ہیں ایک مرتبہ ایک پانی پلانے والے کے پاس ان کا گذر ہوا، وہ یہ کہہ رہا تھا کہ اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم کرے جو ہمارا پانی پیئے۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ اُس وقت روزے سے تھے، جب یہ آواز حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے کانوں میں پڑی تو آگے بڑھے اور پانی پی لیا۔ لوگوں نے عرض کیا، کیا آپ کا روزہ نہ تھا۔ تو فرمایا ہاں روزہ تو تھا مگر مجھے یہ توقع ہوئی کہ اس کی دُعا سے مجھ پر رحمت ہو جاوے گی (اس لئے روزہ افطار کر دیا) انتہیٰ۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ روزہ نفلی تھا ،اور شاید کہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب روزہ نفلی کے بارے میں یہ ہوگا کہ بلا عذر بھی اس کا افطار کر دینا جائز ہے جیسے امام شافعی اور احمد بن حنبل اور امام اسحٰق رحمۃ اللہ علیہم کا یہی مذہب ہے جس کو امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل کیا ہے۔ ہاں مذہب ان حضرات کا بھی یہ ہے کہ نفلی روزہ کا افطار کرنا اگرچہ بلا عذر بھی جائز ضرور ہے مگر اولیٰ یہی ہے کہ پورا کیا جاوے لیکن اس موقع پر حضرت معروف کرخی کے نزدیک اس شخص کی دُعاء لینا زیادہ اولیٰ تھا اس لئے افطار کر دیا۔

گمنامی کی فضیلت

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ جو تیسری صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ وہ آدمی آخرت کی حلاوت نہیں پا سکتا جو اس کا خواہش مند ہو کہ لوگ مجھے پہچانیں۔

ہمنشین کی رعایت

میں نے اُستاد ابوعلی دقاق سے سنا ہے وہ فرماتے تھے کہ حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ (جو تیسری صدی ہجری کے مشہور بزرگوں میں سے ہیں) ان کے پاس ایک عورت آئی اور ایک مسئلہ دریافت کرنے لگی، اس وقت اتفاقاً آواز کے ساتھ اس کی ریح خارج ہوگئی جس سے اس کو سخت شرمندگی ہوئی۔ حضرت حاتم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو محسوس کیا تو ایسا ظاہر کیا کہ وہ بہرے ہیں سنتے نہیں۔ اس سے کہا ذرا آواز سے کہو کیا کہتی ہو۔ عورت نے جب سمجھا کہ یہ بہرے ہیں تو اس کی شرمندگی زائل ہوگئی کہ انہوں نے آواز نہ سُنی ہوگی۔ اس وقت سے ان کا نام حاتم اصم مشہور ہوگیا۔

سماع کی محبت

حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ جو تیسری صدی ہجری کے مشاہیر صوفیاء میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ جب تم کسی مرید کو یہ دیکھو کہ وہ سماع کو پسند کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس میں بطالت و جہالت کا حصہ باقی ہے۔

غم اور خوشی کے صحیح اسباب

حضرت ابن خبیق جو حضرت یوسف ابن اسباط کے متعلقین میں سے ہیں فرماتے ہیں کہ جو چیز تمہیں کل (یعنی روزِ قیامت میں) نقصان پہنچانے والی ہے اس کے سوا کسی چیز سے خوش نہ ہو (کیونکہ دراصل راحت و تکلیف رنج و خوشی وہ ہی قابل توجہ ہے جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہے۔ دنیا کی نہ راحت قابلِ اعتبار ہے نہ مصیبت کہ۔

چناں نماند چنیں نیز ہم نہ خواہد ماند

اسی لئے اولیاء اللہ کا رنج و سرور صرف آخرت کے لئے ہوتا ہے۔

گریۂ و خندۂ عشاق زجاء دِگراست
می سرانید شب و وقتِ سحر میمونید

مرید کی حالت

حضرت ابوالحسن ابن الصائغ رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۳۰ھ میں ہوئی ہے) ان سے کسی نے دریافت کیا کہ مرید کی کیا حالت ہونی چاہئے۔ انہوں نے فرمایا کہ اس کی وہ حالت ہونی چاہئے جو حق تعالیٰ نے متخلفینِ تبوک کی ارشاد فرمائی ہے کہ ان پر زمین باوجود اپنی وسعت کے تنگ ہوگئی تھی اور ان پر خود ان کا نفس بھی تنگ ہوگیا تھا۔ (مراد یہ ہے کہ آخرت کے اندیشہ میں کسی وقت اس کو قرار نہ ہو، ہر وقت بے چین رہے۔ اس کو نہ بیرونی چین ہو نہ اندرونی۔

مشائخ سے فیض لینے کا طریقہ

حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۲۹۹ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ میں اپنے کسی شیخ کے پاس کبھی بجز اس حالت کے نہیں گیا کہ قلب کو تمام حالات و کیفیات سے خالی کر کے ان برکات کا منتظر رہا جو شیخ کی زیارت اور ان کے کلام سے میرے قلب پر وارد ہو سکتی تھیں۔ اس لئے کہ جو شخص کسی شیخ کے پاس اپنی ذاتی کیفیات و حالات کو لے کر جاتا ہے تو شیخ کی زیارت اور مجالست اور برکات اس سے منقطع ہو جاتی ہیں یعنی اس وقت اپنے کسی کمال وصفت کی طرف نظر نہ ہونا چاہئے کیونکہ یہ نظر ایک قسم کا دعویٰ ہے اور اس دعویٰ کا یہ اثر ہے کہ ؎

انائیکہ پُر شدد گر چوں پُرد

شیخ کی ضرورت

حضرت عبدالوہاب ثقفی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ کوئی شخص اگرچہ تمام علوم کو جمع کرلے اور مختلف طبقات کے لوگوں کی صحبت میں رہے مگر اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے درجہ کو اس کے بغیر نہیں پہنچ سکتا کہ کسی شیخ کامل یا امام مصلح مشفق کی تربیت میں رہ کر مجاہدہ کرے۔ اور جو شخص کسی

ایسے استاذ کی خدمت میں رہ کر ادب (وتعلیم) حاصل نہ کرے جو اس کے اعمال کے عیوب اور نفس کی رعونت اس کو محسوس کرادے تصحیح معاملات کے لئے اس کی اقتداء جائز نہیں (کیونکہ وہ اس طریق کے باب میں اس کا مصداق ہوگا۔

خویشتن گم است کرا رہبری کند

کمالِ تواضع

حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۲۷۱ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ خیال کرے کہ میرا نفس فرعون کے نفس سے بہتر ہے اس نے اپنا تکبر ظاہر کردیا (احقر مترجم کہتا ہے کہ اس کی عام فہم توجیہ یہ ہے کہ جب تک اس عالم سے گذر نہ جائے اس کا اطمینان نہیں ہوسکتا کہ وہ فرعون سے بہتر ہے کیونکہ انجام کا حال معلوم نہیں تو بلا دلیل اپنے کو اُس سے بہتر سمجھنا تکبر ہے۔ اور اہلِ حال حضرات اس اَمر کو وجداناً محسوس کرتے ہیں انہیں توجیہ کی حاجت نہیں۔ باقی نفس کے بدتر ہونے سے افعال کا بدتر ہونا لازم نہیں آتا۔ چنانچہ اس کے ساتھ ہی اپنے اعمالِ ایمانیہ کو فرعون کے ایمانِ کفریہ سے یقیناً بہتر سمجھا جائے گا۔ (کما افادہ شیخنا اشرف المشائخ دامت برکاتہ)

تواضع حاصل کرنے کا طریقہ

حضرت حمدون (مذکور الصدر) فرماتے ہیں کہ جو شخص بزرگانِ سلف کے حالات پر نظر ڈالے گا اس کو اپنی کوتاہی اور اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں کے درجات سے پیچھے رہ جانا محسوس ہوجائے گا۔

اَمرد لڑکوں کی طرف دیکھنے کا انجامِ بد

حضرت ابنِ جلاء (جو حضرت ذوالنون مصری اور دوسرے اکابر کی خدمت میں رہے ہیں) فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ اپنے اُستاد (یعنی شیخ) کے ساتھ جارہا تھا کہ اچانک ایک خوب صورت لڑکے کو دیکھا۔ میں نے اُستاد سے عرض کیا کہ حضرت کیا

آپ یہ خیال کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس حسین صورت کو عذاب دے گا۔ استاذ نے فرمایا کہ کیا تم نے اس کی طرف دیکھ لیا ہے (جب یہ ہے) تو تم اس کا انجام بد بھگتو گے۔ ابن جلاء کہتے ہیں کہ اس واقعہ سے بیس سال بعد (اس کا اثر ظاہر ہوا) کہ میں قرآن مجید بالکل بھول گیا۔ (ف) یہ وبال قصداً دیکھنے پر مرتب ہوا۔

عمل میں آسانی اور تنگی کا جمع کرنا

حضرت رویم ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۰۳ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ محقق کی حکمت کا مقتضی یہ ہے کہ احکام و معاملات میں اپنے بھائیوں کے لئے تو وسعت اور آسانی سے کام لے اور اپنے نفس پر تنگی سے۔ کیونکہ دوسرے لوگوں کیلئے وسعت دینا علمِ شریعت کا اتباع ہے اور اپنے نفس کو سخت پکڑنا تقویٰ کا حکم ہے۔

گناہ اور اطاعت کا اثر

حضرت ابوالحسن علی محمد مزین رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۲۸ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ ایک گناہ کے بعد جو دوسرا گناہ انسان سے سرزد ہوتا ہے وہ پہلے گناہ کی (عاجل) سزا ہے اسی طرح ایک نیکی کے بعد دوسری نیکی کی انسان کو توفیق ہوئی ہے وہ پہلی نیکی کا (عاجل) ثواب ہے۔

مشاہدہ اور لذت میں منافات

حضرت ابوالعباس سیاری رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۴۳ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ کسی عاقل کو مشاہدۂ حق کے وقت لذت محسوس نہیں ہوئی کیونکہ مشاہدۂ حق کا وقت فناء نفس کا وقت ہے اور اس وقت کسی قسم کی لذت باقی نہیں رہ سکتی (مراد لذت طبعیہ نفسانیہ ہے جو تلبس بالعناصر پر موقوف ہے لذت روحانیہ مراد نہیں جو اس حدیث میں مراد ہے جعلت قرۃ عینی فی الصلوٰۃ مقصود شیخ کا تنبیہ کرنا ہے طالبان لذت کو کہ ایسی چیزوں کے درپے نہ ہوں کہ انہیں مقصود سے بُعد ہے۔

اپنے نفس کے لئے جھگڑنے کی مذمت

حضرت ابوالحسین بندا ابن الحسین شیرازی رحمۃ اللہ علیہ (جن کی وفات ۳۵۳ھ میں ہوئی ہے) فرماتے ہیں کہ تم خود اپنے نفس کے لئے جھگڑا مت کیا کرو کیونکہ در حقیقت تمہارا نفس تمہاری ملک نہیں (بلکہ حق تعالیٰ اس کا مالک ہے) تو تمہیں چاہئے کہ یہ جھگڑا خود اس کے مالک کے لئے چھوڑ دو (اس میں بحث مباحثہ بھی آ گیا جو اپنی نصرت کے لئے کیا جاتا ہے نصرت دین کی ہمیں ممانعت نہیں ہے۔)

حقوق وقت کے بارے میں

کہا گیا ہے کہ فقیر کو اپنے گذشتہ اور آئندہ زمانہ کی فکر نہیں ہوتی بلکہ موجودہ وقت یعنی حال کی فکر رہتی ہے کہ مجھے اس وقت کیا کرنا چاہیے اور کہا گیا ہے کہ گذشتہ زمانہ کے فوت ہونے کی فکر میں لگنا ایک دوسرے وقت کا ضائع کرنا ہے (فکر اس کی چاہئے کہ اب کیا کروں) وقد ترجمۃ بالنظم الہندی ؎

گما مت حال کو ماضی و مستقبل کی فکروں میں
درستی حال ہی کی ہے تلافی عمر ماضی کی
وہو محل قول العارف الرومیؒ
ماضی و مستقبلت پردۂ خدا است

مراد اس سے غیر ضروری سوچ ہے اور جو فکر توبہ کی ضرورت سے ہو وہ مستثنیٰ ہے۔

مشائخ کی چشم پوشی اور شفقت جہاں اس میں مصلحت وحکمت ہو

نقل کیا جاتا ہے کہ حضرت ابوعمر بن نجید (جن کی وفات ۳۳۶ھ میں ہوئی) اپنے سلوک کے ابتدائی زمانہ میں حضرت ابوعثمان رحمۃ اللہ علیہ کی مجلس میں جایا کرتے تھے (حضرت مصنف رسالہ فرماتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ یہ ابوعثمان وہ ہیں جن کا نام نجید ابن اسمٰعیل ہے جن کی وفات ۲۹۸ھ میں ہوئی) حضرت ابوعثمان کے کلماتِ طیبہ نے

حضرت عمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ کے قلب میں اثر کیا اور وہ غفلت سے تائب ہو کر ذکر، عبادت میں مشغول ہو گئے۔ پھر اتفاقاً ایک مرتبہ ان کو فترت پیش آئی (یعنی حالت بدلی کہ اسباب بُعد میں گرفتار یا ذکر و اطاعت سے سُست ہو گئے) تو بوجہ حیا کے حضرت عثمان رحمۃ اللہ علیہ سے چُھپتے اور بھاگتے پھرتے تھے اور ان کی مجلس میں جانا چھوڑ دیا۔ ایک روز راستہ میں حضرت ابوعثمان کا سامنا ہو گیا تو ابوعمر راستہ کاٹ کر دوسری طرف کو چل دیئے (شیخ وقت ابوعثمان کی شفقت وعنایت دیکھنے کے قابل ہے) کہ وہ بھی یہ راستہ چھوڑ کر ابوعمر رحمۃ اللہ علیہ کے پیچھے ہو لئے۔ ابوعمر نے پھر دوسرا راستہ اختیار کر لیا تو ابوعثمان بھی پیچھے ہوئے اسی طرح ان کے پیچھے لگے رہے یہاں تک کہ ان کو پکڑ لیا اور فرمایا۔ پیارے بیٹے تم اس شخص کی محبت ہرگز اختیار مت کرو جو تم سے صرف اس حالت میں محبت کرے جب کہ تم گناہ سے معصوم ہو۔ خوب سمجھ لو کہ ابوعثمان کی صحبت کا نفع تو اس ہی حالت میں ظاہر ہو سکتا ہے۔ ابوعمرو بن نجید (پر اس شفقت کا یہ اثر ہوا کہ دوبارہ) توبہ کی تجدید کی اور پھر سلوک اور ذکر و طاعت کی طرف لوٹ آئے اور اس میں چلنے لگے۔

صحتِ توبہ کی علامت

بوشنجی رحمۃ اللہ علیہ سے (جن کی وفات ۳۴۸ھ میں ہوئی ہے) توبہ کے متعلق پوچھا گیا انہوں نے فرمایا جب تم کو وہ گناہ یاد آوے مگر یاد آنے پر اس کی لذت محسوس نہ ہو۔ پس یہ ہے توبہ (صحیح) یعنی اکثر اَمر طبعی ہے کہ گناہ کے تصور سے بھی نفس میں ایک گونہ لذت محسوس ہوتی ہے پس توبہ کے کامل اور مقبول ہونے کے بعد عادۃ اللہ یہ ہے کہ اس کے تصور سے یہ لذت بھی محسوس نہیں ہوتی۔

تائب کے دنیا سے متنفر ہونے کی علت مع جواب شبہ

حضرت ابوحفص رحمہ اللہ (جن کی وفات ۲۶۰ھ کے کچھ بعد ہوئی) ان سے دریافت کیا گیا کہ توبہ کر لینے والا آدمی دنیا کو مکروہ ومبغوض کیوں سمجھتا ہے تو آپ نے

جواب دیا، اس لئے کہ دنیا ہی وہ مقام ہے جس میں اس سے گناہ صادر ہوئے تھے اس پر کسی نے پھر سوال کیا کہ دنیا (جیسے صدورِ گناہ کا مقام ہے) ایسے ہی وہ مقام بھی ہے جس میں اس کو اللہ تعالیٰ نے توبہ سے مشرف فرمایا تو جواب دیا ہاں یہ صحیح ہے مگر اس کو اپنے گناہ کا تو یقین ہے اور قبول توبہ محض محتمل غیر یقینی ہے۔

عزت وذلت کی حقیقت

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵ھ) نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس سے بڑی عزت نہیں دی۔ کہ اس کو اپنے نفس کی حقارت وذلت پر مطلع فرما دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے کسی شخص کو اس سے زیادہ ذلت نہیں چکھائی کہ اس کو اپنے نفس کی ذلت وحقارت سے غافل کر دیا۔

لوگوں سے ممتاز حیثیت میں نہ رہنا

حضرت ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے (جو امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ کے اساتذہ میں سے تھے اور امام قشیری کی وفات ۴۶۵ھ میں ہوئی ہے) فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ وہی کپڑے تم بھی پہنتے رہو جو وہ پہنتے ہیں اور وہی چیز تم بھی کھاتے رہو جو وہ کھاتے ہیں البتہ باطنی حالت (یعنی خدا تعالیٰ کی خشیت ومحبت) میں عام لوگوں سے ممتاز نہ رہو۔

انس بالخلوت اور انس مع اللہ فی الخلوۃ میں فرق

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ (متوفی ۲۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ اس میں غور کرو کہ تمہارا انس خلوت کے ساتھ ہے یا بحالتِ خلوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور پہچان اس کی یہ ہے) کہ اگر تمہارا انس خلوت کے ساتھ ہے تب تو جس وقت تم خلوۃ سے باہر آؤ گے تمہارا انس جاتا رہے گا اور اگر تمہارا انس بحالتِ خلوت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے تو تمہارے لئے دنیا کے سارے مکان جنگل وآبادی برابر ہوں گے (اور یہ درجہ انتہا میں حاصل ہوتا ہے، ابتداء میں اس کی توقع نہ رکھے)

بعضوں کے لئے بہ نسبت خلوت کے اجتماع کا افضل ہونا

ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ (جو اسحٰق بن محمد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۳۰ھ کے شاگرد ہیں) فرماتے ہیں کہ خلوت پر تو اُنہی لوگوں کو قدرت ہو سکتی ہے جو (علم وعمل میں) قوی ہیں لیکن ہم جیسوں کے لئے تو اجتماع ہی افضل ہے جس کی وجہ سے ایک کو دوسرے کا عمل دیکھ کر نفع ہوتا ہے (مگر یہ اجتماع اہلِ دین اور اہلِ اخلاص کے ساتھ ہونا چاہئے)

تقویٰ کی حد

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۵۸ھ فرماتے ہیں کہ تقویٰ یہ ہے کہ علم کی حد پر بغیر کسی تاویل کے ٹھہر جاوے۔ (ف) یعنی جس چیز کے متعلق حلال یا حرام اور جائز یا ناجائز کا علم ہو جاوے، فوراً اس کے مقتضیٰ پر عمل کرے۔ ناجائز کے جائز ہونے کی تاویلیں ڈھونڈنے کی فکر میں نہ پڑے

تقویٰ پر عمل یا ترکِ عمل کا انجام

حضرت یحییٰ بن معاذ (موصوف الصدر) فرماتے ہیں کہ جو شخص تقویٰ کی دقیق چیزوں پر نظر کرے گا وہ بڑی بڑی عطاؤں تک نہ پہنچے گا۔ اور کہا گیا ہے کہ جس شخص کی نظر دین کے بارہ میں گہری ہوگی قیامت میں اس کی عزت بڑی ہوگی (یہ تفسیر اس سے اچھی ہے کہ دقیق النظر کا خطرہ بھی زیادہ ہے اس سے اس کی دقتِ نظر کے مناسب باز پُرس بھی ہوگی)

زہد کی حقیقت

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۹۷ھ محتاجِ تعارف نہیں) فرماتے ہیں کہ زہد کی حقیقت یہ ہے کہ جس چیز سے آدمی کا ہاتھ خالی ہو اس سے اس کا دل بھی خالی ہو۔

معنوی سکوت

حضرت ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ (ان کا سنِ وفات ہمیں معلوم نہیں ہو سکا) سے

پوچھا گیا کہ باطنی اور معنوی خاموشی کسے کہتے ہیں۔ فرمایا کہ گذشتہ اور آئندہ کی فکروں میں مشغول نہ ہونا۔ نیز ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب تک آدمی (دینی یا دنیوی) ضروریات کے متعلق کلام کرتا رہے اس وقت تک وہ (حکماً) سکوت ہی کی حد میں ہے۔ حضرت مصنف (دامت برکاتہم) فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ ان اہلِ افادہ بزرگوں پر اعتراض نہیں کیا جاسکتا جو بغرض افادہ) کلام کرتے ہیں (مقصود ابوبکر فارسی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ہے کہ سکوت ظاہری سے زیادہ اہتمام سکوت باطنی کا ضروری ہے)

خوف کا اثر

اُستاد ابوعلی دقاق (ان کا سنِ وفات معلوم نہیں ہوسکا) فرماتے ہیں کہ خوف کی حقیقت یہ ہے کہ تم اپنے نفس کو اُمیدیں دِلا کر نہ بہلاؤ (ف) کہ شاید حق تعالیٰ معاف فرمادیں یا کوئی شفاعت کردے یا عنقریب توبہ کرلوں گا۔ بلکہ ہر معصیت سے بچتے رہو اور ہر غلطی پر فوراً توبہ کرلو۔ اور حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵ھ) سے دریافت کیا گیا کہ بندہ کو خوفِ خدا تعالیٰ کا راستہ کس وقت آسان ہوسکتا ہے۔ فرمایا کہ اُس وقت کہ وہ اپنے آپ کو ایک مریض سمجھے کہ ہر چیز سے (جس میں ضرر کا احتمال ہو) پرہیز کرے کہ کہیں بیماری تک قائم نہ رہے اور حضرت ابوعثمان (ان کا سنِ وفات معلوم نہ ہوسکا) فرماتے ہیں کہ خوف کی علامت یہ ہے کہ آدمی دنیوی اُمیدیں زیادہ نہ باندھے۔ یعنی خوف کی خاصیت سے طول امل خود قطع ہوجاتا ہے۔

موت کا خوف

ایک شخص نے بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۲۷ھ) سے عرض کیا کہ میں محسوس کرتا ہوں کہ آپ موت سے ڈرتے ہیں۔ فرمایا (ہاں) اللہ تعالیٰ کے سامنے جانا بڑا بھاری معاملہ ہے۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ موت فی نفسہٖ خوف کی چیز نہیں (بلکہ اس کا خوف اس بنا پر ہے کہ حق تعالیٰ کے سامنے جانا ہے۔)

خوف کو اُمید پر غالب رکھنا

حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۱۵ھ فرماتے ہیں کہ قلب کے لئے مناسب یہ ہے کہ اس پر خوف ہی غالب رہے کیونکہ جب اُمید غالب ہو جاتی ہے تو قلب فاسد ہو جاتا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ ارشاد اکثر احوال و اکثر لوگوں کے اعتبار سے ہے ورنہ بعض حالات میں اور بعض لوگوں کے لئے غلبۂ اُمید ہی میں سلامتی منحصر ہو جاتی ہے (یعنی غلبۂ خوف سے ان کا قلب ایسا ضعیف ہو جاتا ہے کہ قریب قریب معطل ہو جاتا ہے۔)

خوف و اُمید دونوں کو جمع رکھنا

حضرت ابوعثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۷۲ھ) فرماتے ہیں کہ جو شخص اپنے نفس کو اُمیدیں ہی دِلاتا رہے وہ بیکار ہو جاتا ہے۔

اور جو شخص ہمیشہ اپنے نفس کو خوف ہی دِلاتا رہے وہ مایوس ہو جاتا ہے اس لئے یوں چاہئے کہ کبھی اُمید دِلائے اور کبھی خوف۔ (یہ تفصیل درجۂ اکتساب میں ہے اور درجۂ حال میں کسی ایک کا غالب ہو جانا ہر حال میں خیر ہے۔)

غم کا نفع

غم کے بارے میں علماء طریق میں اختلاف ہے۔ عام علماء کا یہ قول ہے کہ دین کا غم انسان کے لئے نافع ہے لیکن دنیا کا غم سود مند (ونافع) نہیں ہے۔ مگر حضرت عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۹۸ھ) فرماتے ہیں کہ غم خواہ کسی چیز کا ہو ہر طرح مؤمن کے لئے فضیلت اور زیادتیٔ اجر و ثواب کا سبب ہے۔ جب تک کہ یہ غم کسی معصیت کے فوت ہو جانے پر نہ ہو (اگرچہ معاش کے فوت ہو جانے پر ہو) کیونکہ غم دنیا اگر تخصیص (یعنی تقرب الی اللہ) کا سبب نہ ہو تو کم از کم تمحیص کا (یعنی گناہوں اور رذائل سے پاک کرنے کا) ذریعہ یقیناً ہے (جیسے دوسرے مصائب اور تکالیف کا حکم ہے)

غم کی بعض خاصیتیں

حضرت ابوالحسین وراق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

میں نے ابو عثمان حیری رحمۃ اللہ علیہ سے غم کے بارے میں سوال (یعنی کس قدر مفید ہے) کیا تو فرمایا کہ غمگین آدمی کو غم کے متعلق سوال کرنے کی فرصت نہیں ہوا کرتی پہلے کوشش کرو کہ غم حاصل ہو جاوے پھر (اگر ضرورت ہوگی) دریافت کرنا) یعنی پھر اس کی فرصت بھی نہ ہوگی۔

بھوک کا ادب

ابن سالم (متوفی ....) سے دو واسطے کے ساتھ یہ روایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ بھوک کا ادب یہ ہے کہ اپنی عادت (خوراک) سے صرف اتنا کم کھاوے جتنا بلی کا کان (یعنی بہت ہی کم ہے) حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ جو لوگ ضعیف البدن یا ضعیف الہمۃ ہیں ان کے لئے یہی مناسب ہے ورنہ اس باب میں قوی لوگوں کے مناسب دوسرے اقوال بھی ہیں۔

محلِ تواضع

حضرت ابنِ مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ اغنیاء متکبرین کے مقابلہ میں تکبر کرنا چاہئے (یعنی صورتاً معاملہ تکبر کا کیا جاوے) اور فقراء کے ساتھ تواضع کرنا چاہئے۔ یہ سب تواضع میں داخل ہے۔

تواضع اور بعض دوسرے اعمال کی خاصیت

حضرت ابراہیم بن شیبان رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ......) فرماتے ہیں کہ رفعتِ شان تواضع میں ہے (کما فی الحدیث مَنْ تَوَاضَعَ لِلّٰہِ رَفَعَهُ اللّٰهُ) اور عزت تقویٰ میں اور آزادی قناعت میں۔

وساوس آنا توکل کے منافی نہیں

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ......) سے دریافت کیا گیا کہ کیا متوکل کو طمع بھی پیدا ہو سکتی ہے؟ فرمایا ہاں! طبعی طور پر کچھ وسوسے طمع کے پیدا ہو سکتے ہیں مگر وہ اس کے لئے مضر نہیں اور ان خطراتِ طمع کو ساقط کرنے میں اس کو اس بات سے مدد ملتی ہے کہ جو کچھ لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے مایوس ہو جاوے۔

صبر کی حد

حضرت ابو دقاق رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ......) فرماتے ہیں کہ صبر کی حد یہ ہے کہ تقدیر پر اعتراض نہ کرے لیکن محض اظہارِ مصیبت جو شکایت کے طور پر نہ ہو، صبر کے منافی نہیں (دیکھئے) حق تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے قصہ میں فرمایا ہے کہ (ہم نے انہیں صابر پایا وہ اچھے بندے ہیں) باوجود اس کے حق تعالیٰ ہی نے ہمیں یہ خبر بھی دی ہے کہ انہوں نے (اپنی مصیبت کو ان لفظوں سے) ظاہر کیا تھا کہ مجھے تکلیف پہنچ گئی۔ حضرت ابو دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ یہ کلمہ (یعنی مَسَّنِیَ الضُّرُّ) حق تعالیٰ نے ان کی زبان سے اس لئے نکالا تاکہ اس اُمت کے ضعفاء کو دَم مارنے کی جگہ ہو جاوے (ضبط محض سے تنگی نہ ہو)

رضا کی تعریف

ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رضا کے لئے یہ لازم نہیں کہ بلا کی تکلیف محسوس نہ ہو۔ رضا صرف یہ ہے کہ حکم وقضاءِ الٰہی پر اعتراض نہ کرو نہ ظاہراً نہ باطناً۔

رضا کا محل

امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بندہ پر واجب ہے کہ اس قضاء پر راضی ہو جس پر راضی ہونے کا اس کو حکم دیا گیا ہے کیونکہ یہ بات نہیں کہ جو کچھ قضاء الٰہی ہو بندہ

کو اس پر راضی ہونا جائز یا واجب ہو۔ مثلاً معاصی اور مسلمانوں کے مصائب کہ قضاء الٰہی ان سے بھی متعلق ہوتی ہے (حالانکہ بندہ کے لئے اُن پر رضا جائز نہیں۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ کلام افہام عوام کے اعتبار سے ہے ورنہ افہام خواص کے اعتبار سے تو حقیقت وہ ہے جو عارف رومی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمائی ہے کہ اس جگہ دو چیزیں ہیں ایک تو معصیت اور مسلمانوں کی مصیبت، سو یہ مقضی ہے قضا نہیں اس لئے اس پر رضا بھی جائز نہیں اور دوسری چیز اس معصیت یا مصیبت کے ساتھ قضائے الٰہی کا متعلق ہونا سو اس پر رضا واجب ہے۔ معلوم ہوا کہ قضا اور مقضی دو چیزیں جدا جدا ہیں (اور دونوں کے احکام جدا جدا)

وقت رضا

حضرت ابوعثمان (متوفی ۲۹۸ھ) سے دریافت کیا گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس اِرشاد کا مطلب کیا ہے کہ ''میں آپ سے طلب کرتا ہوں رضا بعد قضا کے'' فرمایا کہ (حدیث میں بعد قضاء کی اس لئے تخصیص فرمائی ہے کہ) قضاء سے پہلے تو رضا کا صرف قصد ہو سکتا ہے (خود رضا کا تحقق نہیں ہوتا) رضا تو وہی ہے جو بعد قضاء کے ہو۔

اپنے نفس کے ساتھ اور لوگوں کے ساتھ معاملہ میں فرق

حضرت عمرو بن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۹۱ھ) امام مزنی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ......) کے بارے میں فرماتے ہیں کہ مَیں نے کسی کو نہیں دیکھا جو اپنے نفس پر سب سے زیادہ سخت اور دوسرے لوگوں کے معاملہ میں سب سے زیادہ نرم اور سہولت دینے والا ہو بجز مزنی کے رحمۃ اللہ علیہ۔

متعلقاتِ عبودیّت

حضرت ابوعلی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ......) فرماتے ہیں کہ رضا عبودیت کا گھر ہے اور صبر اُس کا دروازہ ہے اور تفویض اُس گھر کا ایک کمرہ۔

پس دروازہ پر آواز دی جاتی ہے اور گھر میں پہنچ کر فراغت واطمینان ہوتا ہے اور کمرہ میں داخل ہوکر راحت ملتی ہے۔ (ف) مراد یہ ہے کہ جس طرح گھر کے تین درجے عادۃً ہوتے ہیں اوّل دروازہ جو مکان کا ابتدائی افتتاحی درجہ ہے پھر گھر کا صحن وغیرہ جو گھر کا گویا متوسط درجہ ہے پھر گھر کے وہ کمرے جن میں آدمی راحت پاتا ہے جو مکان کا گویا انتہائی درجہ ہے اسی طرح عبدیت کے تین درجے ہیں، اوّل صبر، جب کوئی حادثہ پیش آتا ہے حق تعالیٰ اوّل صبر عطا فرماتا ہے اس کے بعد رضا بالقضاء جو ذریعۂ اطمینان ہے اور اس کے بعد تفویض جس میں راحتِ کاملہ عطا ہو جاتی ہے (اس سے صبر اور رضا اور تفویض کی ترکیب اور آثار ظاہر ہوگئے۔)

مُرید اور مُراد کے احکام

رسالہ قشیریہ کے باب الارادہ میں مُرید اور مُراد کے احکام بیان کرنے کے بعد کہا ہے کہ باقی رہا فرق مرید اور مراد میں تو اصل یہ ہے کہ درحقیقت ہر مُرید مُراد بھی ہوتا ہے کیونکہ اگر وہ حق تعالیٰ کا مُراد نہ ہوتا یعنی حق تعالیٰ اس کے حال پر توجہ وعنایت نہ فرماتے تو وہ مرید ہی نہیں ہوسکتا تھا۔ کیونکہ عالَم میں کوئی چیز بغیر ارادہ حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے واقع نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح ہر مراد مرید بھی ہوتا ہے کیونکہ جب حق تعالیٰ اس کو مُراد بناتے ہیں تو اس کی بھی توفیق اس کو دے دیتے ہیں کہ وہ مرید بن جائے لیکن قوم (یعنی صوفیائے کرام) نے مُرید اور مُراد میں فرق کیا ہے اُن کے نزدیک مرید بلندی ہے اور مراد منتہی۔ مرید وہ شخص ہے جس کو مجاہدات اور ریاضات کی مشقتوں میں ڈالا گیا ہو اور مراد وہ شخص ہے جو بغیر مشقت کے مقصد تک پہنچ گیا ہو۔ پس مُرید مشقت میں پڑنے والا ہے اور مراد وہ جس کے ساتھ مہربانی وآسانی کی گئی ہے اور عادت اللہ سالکینِ طریق کے ساتھ مختلف ہے۔ بہت سے آدمیوں کو اوّل مجاہدات کی توفیق دی جاتی ہے پھر طرح طرح کی مشقتیں اُٹھانے کے بعد بلند مقاصد تک پہنچتے ہیں اور

بہت سے لوگوں کو اوّل ہی سے اعلیٰ معانی کا کشف ہونے لگتا ہے اور اس درجہ تک پہنچ جاتے ہیں جہاں تک اصحاب مجاہدہ بھی نہیں پہنچتے۔ مگر اُن میں سے اکثر حضرات اس آسانی کے بعد پھر مجاہدہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ تا کہ وہ فضائل بھی اُن کو حاصل ہو جاویں جو عدمِ مجاہدہ کی وجہ سے فوت ہو رہے تھے۔

ذکر اگرچہ فقط زبان سے ہو نعمت ہے

حضرت ابوعثمان (جو غالبًا ابوعثمان حیری متوفی ۲۹۸ھ) سے کہا گیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں مگر اپنے دِلوں میں حلاوت نہیں پاتے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا اس پر شکر کرو کہ اس نے تمہارے اعضاء میں سے ایک عضو (یعنی زبان) کو تو اپنی اطاعت وعبادت سے آراستہ فرمادیا ہے۔

بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی رحمت بندہ پر اس طرح ہوتی ہے کہ اس کو اپنے ذکر پر مجبور کر دیا جاتا ہے

بعض صوفیائے کرام نے بیان کیا ہے کہ مجھ سے لوگوں نے بیان کیا کہ فلاں بَن میں ایک ذاکر شاغل آدمی ہے۔ مَیں اس کی زیارت کے لئے گیا وہ بیٹھا ہی تھا کہ اچانک ایک بہت بڑا درندہ سامنے آیا اور ایک سخت ضرب اس ذاکر پر لگائی جس میں اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اُتار لیا۔ وہ بھی بے ہوش ہو گیا اور میں بھی۔ جب ہوش آیا تو میں نے اُس سے کہا کہ یہ کیا تھا۔ فرمایا کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر اس درندہ کو مسلط کر رکھا ہے جب مجھے ذکر اللہ میں کچھ سستی پیدا ہوتی ہے تو یہ مجھے اسی طرح کاٹتا ہے جیسا تم نے مشاہدہ کیا۔

فتوت یعنی عالی ظرفی کا بیان

حضرت حارث محاسبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فتوۃ (یعنی عالی ظرفی) یہ ہے کہ تم لوگوں کے معاملہ میں انصاف کرو اور اپنے لئے اُن سے انصاف کے منتظر نہ رہو۔

بعض دقائق فتوت کے بیان میں

نقل کیا جاتا ہے کہ ارباب فتوۃ کی ایک جماعت ایک ایسے شخص کی زیارت کو گئی جو فتوت میں مشہور تھا۔ اس شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ دستر خوان لاؤ، وہ نہ لایا۔ اُس نے مکرّر سہ کرّر کہا مگر وہ نہ لایا۔ یہ لوگ آپس میں ایک دوسرے کو دیکھنے لگے کہ یہ بات تو فتوت کے خلاف ہے کہ ایسے شخص کو خادم بنایا جائے جو اتنی مرتبہ کہنے پر بھی دستر خوان نہ لائے (کیونکہ) ایسے شخص سے بعض دفعہ ایسے لوگوں کو اذیت ہوگی جن کو راحت پہنچانا ضرور ہے) اس شخص نے غلام سے پوچھا کہ تم نے دستر خوان لانے میں دیر کیوں کی۔ اُس نے کہا کہ دستر خوان پر ایک چیونٹی تھی میں نے یہ بات تو ان حضرات کے ادب کے خلاف سمجھی کہ چیونٹی سمیت دستر خوان ان کے سامنے لاؤں اور یہ بات فتوت کے خلاف تھی کہ چیونٹی کو دستر خوان سے پھینک دوں اس لئے ٹھہرا رہا یہاں تک کہ چیونٹی خود ہی اس پر سے چلی گئی۔ اُن لوگوں نے کہا اے غلام تو نے تو بہت تدقیق سے کام لیا ہے۔ اربابِ فتوت کی خدمت کے لئے تجھ سا ہی آدمی چاہئے۔

فراست اور اس کی حد

حضرت ابو حفص نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۷۰ھ) فرماتے ہیں کہ کسی کو یہ حق حاصل نہیں کہ فراست کا دعویٰ کرے۔ البتہ دوسرے کی فراست سے ڈرنا چاہئے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مؤمن کی فراست سے ڈرو اور یہ نہیں فرمایا کہ تم فراست سے کام لو۔ اور جو فراست سے ڈرنے کا خود مامور ہے اُس کو فراست کا دعویٰ کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔

حُسنِ خلق کا خلاصہ

حضرت واسطی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۲۰ھ) فرماتے ہیں کہ خلقِ عظیم کی علامت یہ ہے کہ نہ وہ کسی سے جھگڑے اور نہ لوگ اس سے جھگڑنے پائیں جن کی وجہ حق تعالیٰ کی

غایت معرفت ہے (کہ اُس معرفت سے ان قصوں کی اُس کو فرصت ہی نہیں ہوتی)

حُسنِ خلق کے لئے مشق کا طریقہ

حضرت وہب رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۱۰ھ فرماتے ہیں کہ جو شخص چالیس دن کسی خصلت و عادت کی پابندی کرے تو اللہ تعالیٰ اس خصلت کو اُس کے لئے مثل طبعی عادت کے بنا دیتا ہے۔

اعلیٰ درجہ کی سخاوت

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۱ھ) فرماتے ہیں کہ جو چیز لوگوں کے ہاتھوں میں ہے اُس سے سخی (اور مستغنی) رہنا اس سخاوۃ سے افضل ہے کہ اپنی موجودہ چیز خرچ کرے۔ (مطلب یہ ہے کہ لوگوں کی چیزوں سے نظرِ طمع قطع کرے اور اُن کی مملوکہ اشیاء کی حرص نہ کرے تو یہ بھی ایک سخاوت ہے اور اپنا مال خرچ کرنے سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی سخاوت ہے۔

غیرت کی حقیقت

استاد (ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ) فرماتے ہیں کہ مطلق غیرت کے معنے ہیں کہ کسی کام میں اپنے غیر کی شرکت کو اس چیز میں مکروہ سمجھے (یہ تو مطلق غیرت کی تفسیر ہے) اور جب غیرت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف کی جاوے تو اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ وہ اپنے ساتھ غیر کی شرکت کو پسند نہیں فرماتے جو ان کا خالص حق ہے یعنی عبادت و طاعت۔ اور جب غیرت کے ساتھ بندہ کو موصوف کیا جاوے تو اُس کی دو قسمیں ہوسکتی ہیں۔ ایک یہ کہ کسی شے کے لئے غیرت کرے اور یہ قسم بندہ کی جانب سے باری تعالیٰ کے حق میں صادر ہوسکتی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ بندہ سے یہ چاہے کہ اپنے حالات میں سے کوئی حال اور اوقاتِ زندگی میں سے کوئی سانس حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور کے لئے خرچ نہ کرے تو اس صورت میں مشارک (جو غیرت کی

تفسیر میں ماخوذ ہے اُس) سے مُراد یہ ہوگی کہ غیر اللہ کو اپنے حالات و معاملات میں شریک نہ ہونے دے (اور ظاہر ہے کہ یہ صفت محمود ہے کیونکہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی غیر کو کسی درجہ میں بھی شریک کرنا مذموم ہے۔

اور دوسری قسم غیرت عبد کی یہ ہے کہ کسی شے پر غیرت کرے اور وہ بندہ کی جانب سے حق تعالیٰ کی شان میں صادر نہ ہونی چاہئے اور صورت اُس کی یہ ہے کہ کوئی بندہ اس میں بخل اور غیرت کرے کہ حق تعالیٰ کسی دوسرے پر کیوں مہربان ہو۔ اور اس صورت میں مشارکت (جو تفسیر غیرت میں ماخوذ ہے) یہ ہوگی کہ کسی غیر کی شرکت بندہ کے ساتھ قرب خداوندی میں ہو (اور غیرت کی یہ دوسری قسم) جہالت ہے کیونکہ اس کا مقتضٰی تو یہ ہے کہ حق تعالیٰ کو اس کے سوا نہ کوئی پہچانے اور نہ اس کا کوئی ذکر کرے اور بعض اہل حال سے جو اس قسم کی غیرت منقول ہے وہ حالتِ سُکر (از خود رفتگی) پر محمول ہے۔ جیسا کہ حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ آپ کو راحت کس وقت نصیب ہو سکتی ہے۔ فرمایا کہ جب میں یہ دیکھوں کہ (میرے سوا) کوئی اُس کا ذکر کرنے والا نہیں، یہ سب مضمون رسالہ قشیریہ سے تغیر الفاظ کے ساتھ ماخوذ ہے۔

استقامت کے بیان میں

حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا جاتا ہے کہ استقامت یہ ہے کہ وقت (حاضرہ) کو قیامت سمجھو۔ یعنی ایسا سمجھنے سے تمام احوال و اعمال میں استقامت پیدا ہو جائے گی۔

اخلاص اور صدق کا بیان

میں نے اُستاذ ابو علی دقاق سے یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ اخلاص اس کا نام ہے کہ (اپنے اعمال میں) مخلوق پر نظر کرنے سے بچے (یعنی نہ اُن کی وجہ سے کوئی عمل اختیار کرے نہ چھوڑے۔ جو کچھ کرے خدا کے لئے کرے) اور صدق یہ ہے کہ نفس کے مطالعہ سے پاک رہے (یعنی اپنے عمل میں نفسانی خواہشات اور اتباع ہویٰ سے باز رہے) پس مخلص میں ریاء نہیں ہو سکتی اور صادق کو خود بینی تکبر نہیں ہو سکتا اور حضرت

ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۲۴۵) فرماتے ہیں کہ اخلاص اس کے بغیر مکمل نہیں ہوسکتا کہ اپنے اخلاص میں سچا ہو اور اخلاص پر ہمیشہ قائم رہے۔

اسی طرح صدق بغیر اس کے مکمل نہیں ہوسکتا کہ اپنی سچائی میں مخلص ہو اور اُس پر مداومت کرے اور حضرت یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ (جو حضرت جنید بغدادی کے ہم عصر ہیں) فرماتے ہیں کہ جب لوگ اپنے اخلاص کو خود بھی مشاہدہ کرنے لگیں (یعنی اس پر نظر ہونے لگے کہ ہم مخلص ہیں) تو اُن کا اخلاص اس کا محتاج ہوگیا کہ اس سے بھی اخلاص پیدا کردیں، حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ اپنے اخلاص پر خود نظر ہونا اس کی دلیل ہے کہ وہ اپنے اخلاص میں سچے نہیں۔

جیسا کہ حضرت ابوعلی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل ہو چکا ہے اور اخلاص بدوں صدق کے مکمل نہیں ہوتا جیسا کہ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشاد مذکور سے معلوم ہوا۔ پس اپنے اخلاص پر خود نظر ہونا علامت اخلاص کے غیر مکمل ہونے کی ہے اس لئے یہ اخلاص محتاجِ اخلاص ہوگیا۔

اور حضرت فضیل ابن عیاض رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۸۷ھ) فرماتے ہیں کہ لوگوں کی وجہ سے عمل کا چھوڑ دینا ریاء ہے۔ اور اُن کی وجہ سے کوئی عمل اختیار کرنا شرک ہے اور اخلاص یہ ہے کہ حق تعالیٰ تمہیں دونوں آفتوں سے محفوظ رکھے۔

حقیقتِ حیاء

حضرت ذوالنون مصری ۲۴۵ھ فرماتے ہیں کہ حیاء کی حقیقت یہ ہے کہ قلب میں ہیبت ہو اور اس کے ساتھ رہنے گذشتہ گناہوں کی وحشت ہو۔

حیا کا اثر

حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ محبت (کا خاصہ یہ ہے کہ وہ) گویا ترقی کرتی ہے (یعنی جب اس کا جوش ہوتا ہے تو زبان نہیں رُکتی) اور حیاء خاموش کرتی ہے اور خوف بے چین کرتا ہے۔

حیاء کی حقیقت دوسرے عنوان سے

اُستاذ ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ حیاء دل کو پگھلاتی ہے۔ پھر فرمایا کہ حیاء اس کا نام ہے کہ آدمی کا باطن اپنے گناہوں پر مولا کی اطلاع کے خوف سے پگھلنے لگے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ حیاء اس کا نام ہے کہ خداوند سبحانہ وتعالیٰ کی تعظیم و ہیبت کی وجہ سے قلب سمٹنے لگے۔

حیاء کا منشاء وسبب

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے حیاء کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ جب آدمی حق تعالیٰ کی نعمتوں کا مشاہدہ کرتا ہے اور اس کیساتھ اپنی تقصیرات کا استحضار کرتا ہے تو ان دونوں کے ملانے سے ایک حالت پیدا ہوتی ہے اسی کا نام حیاء ہے۔

حریت کے بیان میں

استاذ ابو علی دقاق فرماتے ہیں کہ خوب سمجھ لو کہ حریۃ (یعنی آزادی) حقیقی غلامی کے کمال میں ہے۔ پس جب انسان کی غلامی عبودیت حق تعالیٰ کے لئے خاص ہو جاتی ہے تو اغیار کی غلامی سے اُس کی آزادی خالص ہو جاتی ہے لیکن جو شخص (حریت کے متعلق) یہ وہم کرے کہ بندہ کسی وقت اس درجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ عبودیت کی باگ اُتار دے اور اَمر و نہی اور حدودِ شرعیہ سے باوجود درستی ہوش وحواس آزاد ہو جائے تو ایسا خیال بالکلیہ دین سے نکل جانے کا ہم معنی ہے اور قوم (صوفیاء) نے جس حریّت کی طرف اشارہ کیا ہے وہ صرف یہ ہے کہ بندہ مخلوقات میں سے کسی چیز کا مقید و پابند نہ ہو بلکہ سب سے یکسو اور مطمئن نہ ہو نہ اس کی موجودہ دنیوی حاجات اپنا غلام بنائیں اور نہ نفسانی خواہشات اور نہ آئندہ کی تمنائیں اور نہ کسی حاجت اور مقصد کی طلب نہ دنیا کے متاع کی نہ آخرت کے متاع کی۔

ذکر کے بیان میں

بیان کیا جاتا ہے کہ اللہ کو دل سے یاد کرنا مریدین کی ایک تلوار ہے جس کے

ذریعہ وہ اپنے دشمنوں سے مقاتلہ کرتے ہیں (اور) آفتوں کو جو اُن پر آنا چاہتی ہیں دفع کرتے ہیں اور یہ کہ جو کوئی بلاء بندہ کے قریب آتی ہے تو جب وہ اپنے دل سے اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے تو تمام ناگوار چیزیں اس سے ہٹ جاتی ہیں۔

ولایت کے بعض خواص

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ ❶ فرماتے ہیں کہ ولی (میں دو خصلتیں ہوتی ہیں) وہ ریاء نہیں کرتا اور نفاق نہیں کرتا۔ اور جس کی یہ عادت ہو (ظاہر ہے کہ) اُس کے کس قدر تھوڑے دوست ہوں گے۔

ولی کی دشمنی میں مبتلا ہونے کے بعض اسباب

حضرت ابو تراب بخشی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب قلب اللہ تعالیٰ سے (معاذ اللہ) اعراض کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی اس میں پیدا ہو جاتی ہے کہ اولیاء اللہ کی برائی اور دشمنی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

دُعاء کے بیان میں

اہل طریق کا اس میں اختلاف ہے کہ دُعا کرنا افضل ہے یا ساکت اور راضی برضا رہنا (اور علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے متعلق مختلف اقوال نقل فرمائے ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ) ایک جماعت نے فرمایا کہ بندہ پر یہ واجب ہے کہ زبان سے تو صاحبِ دعا ہو اور دل سے صاحبِ رضا، تا کہ دُعاء رضاء کی دونوں فضیلتوں کا جامع ہو جاوے۔ (حضرت جامعِ رسالہ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ زبان سے صاحبِ دُعاء ہونے کے معنی یہ ہیں کہ زبان اور دِل دونوں سے صاحبِ

❶ ﴿حضرت مصنفِ رسالہ دامت برکاتہم نے جن حضرات صوفیہ کے حالات ومقالات اس رسالہ میں تحریر فرمائے ہیں اُن کے ناموں کے ساتھ اس کا بھی التزام فرمایا ہے کہ ان کا سنِ وفات ذکر کر دیا جاوے تا کہ ناظرین معلوم کر سکیں کہ یہ سب اقوال و احوال متقدمینِ اسلام اور ائمۂ اُمت کے ہیں جس سے اعتماد واطمینان بڑھ جائے لیکن چونکہ ایک ہی نام بار بار آتا ہے اور ہر مرتبہ سنِ وفات کا تذکرہ زائد معلوم ہوتا ہے مگر گذشتہ پر حوالہ کرنا بھی دُشواری سے خالی نہیں اس لئے یہ اختیار کیا گیا کہ ان حضرات کے سنین وفات مع مختصر حال کے ختم پر ایک جگہ لکھ دیئے جائیں تا کہ دونوں فائدے حاصل ہو جائیں۔۱۲۔ محمد شفیع عفی عنہ﴾

دُعا ہو (نہ یہ کہ صرف زبان سے دُعا کرے اور دل اس سے غافل ہو) کیونکہ غافل دل کے ساتھ دُعاء کرنے کی حدیث میں مذمت آئی ہے۔

اجابتِ دعاء کی تاخیر کی ایک حکمت

حکایت ہے کہ یحییٰ بن سعید قطان رحمۃ اللہ علیہ نے حق سبحانہ وتعالیٰ کی خواب میں زیارت کی تو عرض کیا یا اللہ میں بہت مرتبہ آپ سے دُعا کرتا ہوں اور آپ قبول نہیں فرماتے۔ ارشاد فرمایا کہ اے یحییٰ میں تمہاری (دُعاء کی) آواز سننا چاہتا ہوں (اس لئے تاخیر کرتا ہوں تا کہ یہ آواز کا سلسلہ طویل ہو۔)

فقر کے حقوق

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اے جماعتِ فقراء (اولیاء اللہ) تم کو لوگ اللہ ہی کے نام سے پہچانتے ہیں اور اُسی کی وجہ سے تمہاری تعظیم کرتے ہیں، تو (تم بھی) اس کا خیال رکھو کہ جب تم خلوت میں حق تعالیٰ کے سامنے ہو تو تمہارا معاملہ اس کے ساتھ کیا ہونا چاہئے۔

فقیری کی بعض خصوصیات

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم نے فقیری طلب کی تو (خود بخود) غنیٰ ہمارے سامنے آ گیا اور لوگوں نے غناء طلب کیا تو فقیری (محتاجی) اُن کے سامنے آئی۔

فضیلتِ فقر کا راز

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے لوگوں نے فقر وغناء کا تذکرہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (عزیزو) کل (روزِ قیامت میں) نہ غنا کا کوئی وزن ہوگا نہ فقیری کا بلکہ درحقیقت وزن صبر وشکر کا ہے (یعنی اگر غنا پر شکر اور فقر پر صبر کیا جاوے تو دونوں محمود ہیں۔ ورنہ جس طرح شکر نہ کرنے کی صورت میں غناء مذموم ہے ایسے ہی صبر نہ کرنے کی صورت میں فقر بھی سودمند نہیں، پس فضیلتِ فقر کا راز صبر ہے۔

تصوف کی حقیقت

حضرت عمر ابن عثمان مکی رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ تصوف کی حقیقت کیا ہے۔ فرمایا یہ کہ بندہ ہر وقت میں ایسی حالت میں رہے جو اُس وقت کے مناسب ہو اور شیخ ابوالحسن شیروانی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ مقولہ بھی اسی معنی پر محمول ہے کہ صوفی وہ ہے جو واردات کا تابع ہونہ کہ اوراد و وظائف کا۔

ادب ظاہر و باطن کا جمع کرنا

اور جب حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ بغداد میں تشریف لے گئے تو حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے فرمایا کہ آپ نے تو اپنے مریدین کو بادشاہوں کے سے آداب سکھلائے ہیں۔ حضرت ابوحفص رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ظاہری ادب و تہذیب باطنی ادب وتہذیب کی علامت ہے۔ اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ سے عرض و معروض کرنے میں بے تکلفی کے الفاظ کہنا خلاف ادب ہے۔

محبت کا مقتضا ادب ہے یا سقوط ادب۔ ان دونوں میں تطبیق

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو شرائطِ ادب ساقط ہو جاتی ہیں۔ اور حضرت ابوعثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب محبت کامل ہو جاتی ہے تو محب کے ذمہ ادب کی رعایت زیادہ مؤکد اور ضروری ہو جاتی ہے۔ حضرت مصنفِ رسالہ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اوّل (یعنی سقوطِ ادب) محبت کا اثر اُس وقت ہے جبکہ محبت معرفت پر غالب ہو اور دوسری حالت (یعنی ادب کا اور زیادہ مؤکد ہونا) اُس وقت ہے جبکہ معرفت محبت پر غالب ہو۔ اور ان دونوں حالتوں کی تطبیق میں اور بھی مختلف اقوال ہیں اور میں نے جو کچھ لکھا ہے وہ میرا ذوق ہے۔

سفر کے بعض احکام اور آداب کے بیان میں

حضرت استاذ علی خواص فرماتے ہیں کہ طائفہ صوفیہ اس بارہ میں مختلف ہیں۔ بعض

حضر کو سفر پر ترجیح دیتے ہیں اور ساری عمر سوائے فرض کے جیسے حج ہے کوئی سفر نہیں کیا اور
اکثر عمر اُن کی اقامت و حضر ہی میں گذری جیسے حضرت جنید اور سہل بن عبداللہ اور ابو یزید
بسطامی اور ابو حفص وغیرہم اور بعض حضرات نے سفر کو حضر پر ترجیح دی ہے اور اکثر عمر سفر
میں ہی گذری، یہاں تک کہ دنیا سے رخصت ہو گئے مثل ابو عبداللہ مغربی رحمہ اللہ اور
ابراہیم بن ادھم رحمہ اللہ وغیرہم کے اور بہت سے مشائخ نے زمانۂ شباب اور اوائل عمر میں
سفر اختیار کیا پھر آخر میں سفر ترک کر کے ایک جگہ قیام کر لیا۔ جیسے حضرت ابو عثمان حیری
رحمہ اللہ اور شبلی رحمہ اللہ وغیرہ۔ اور ان میں سے ہر ایک کے کچھ اُصول ہیں جن پر انہوں
نے اپنے طریقہ کی بناء کی ہے۔ حضرت مصنف دامت فواضلہم فرماتے ہیں کہ اصل شرط
اس طریق کی اجتماعِ خواطر ہے (یعنی خیالات کو ایک مرکز پر جمع کرنا اور قلب کو مشوش کر
نے والے اُمور سے پرہیز کرنا) اور یہ اجتماعِ خواطر کسی کو سفر میں حاصل ہوتا ہے کسی کو حضر
میں) پس جس کو حضر میں حاصل ہوا اُس نے حضر کو اختیار کیا اور جس کو سفر میں حاصل ہوا
اس نے سفر کو اختیار کر لیا۔ اور جس کو یہ جمعیت کبھی سفر میں اور کبھی حضر میں حاصل ہوئی
اُس نے ہر وقت کے مناسب سفر یا حضر اختیار کیا۔ اور حضرت یعقوب سوسی رحمہ اللہ
فرماتے ہیں کہ مسافر سفر میں چار چیزوں کا محتاج ہے۔ (۱) ایک علم جو اُس کی اصلاح کرتا
رہے (یعنی اس کو سیدھے راستے سے چلائے اور کجروی سے بچائے) (۲) دوسرے
تقویٰ جو اس کو ناجائز چیزوں میں مبتلا ہونے سے محفوظ رکھے۔ (۳) تیسرے شوق جو
اُس کو اعمالِ صالحہ پر آمادہ کرے (یعنی انبساط و انشراح جو اس کو اوراد و معمولات کے پورا
کرنے پر آمادہ رکھے اور بوجہ سفر کے اس کے اندر سُستی اور کسل نہ آنے دے۔ اور (۴)
چوتھے خُلق جو اس کی حفاظت کرے یعنی جس کے سبب اُن لوگوں سے تنگ دِل اور
پریشان نہ ہو جن سے اُس کو ایذاء پہنچے) حضرت مصنف دامت فضائلہم فرماتے ہیں کہ
جو شخص ان چاروں کا جامع نہ ہو اُس کی حالت کے مناسب یہی ہے کہ وہ سفر چھوڑ دے
اور کسی شیخ کی خدمت کو لازم پکڑے جو اُس کی تادیب و اصلاح کرے۔

صحبت کے بعض آداب

صحبت تین قسم پر ہے (۱) اوّل اُس شخص کے ساتھ جو رتبہ میں تم سے بڑا ہے۔ اور اس شخص کے ساتھ صحبت درحقیقت خدمت ہے۔

(۲) دوسرے صحبت اس شخص کے ساتھ جو مرتبہ میں تم سے چھوٹا ہے اور یہ قسم صحبت کی متبوع (یعنی بڑے) پر شفقت و رحمت کو لازم قرار دیتی ہے اور تابع (یعنی چھوٹے) پر موافقت اور تعظیم و احترام کو واجب کرتی ہے۔

(۳) تیسرے برابر کے درجہ کے لوگوں کی صحبت ہے اور اس کا مبنی ایثار اور عالی ظرفی پر ہے (یعنی مناسب یہ ہے کہ اپنے رفقاء کے ساتھ ایثار اور عالی ظرفی کا معاملہ کرے) پس جو شخص کسی ایسے شخص کی صحبت میں رہے جو مرتبہ میں اس سے بڑا ہے تو لائق اس کے لئے یہ ہے کہ (اُس کے افعال و اقوال پر اعتراض نہ کرے (بلکہ) جو کچھ اُس سے ظاہر ہو اس کو کسی اچھے عمل پر محمول کرے اور اس کے احوال کی تصدیق کرے۔ میں نے منصور بن خلف مغربی سے سنا جبکہ اُن سے ہمارے بعض رفقاء نے دریافت کیا کہ آپ ابوعثمان مغربی کی صحبت میں کتنا عرصہ رہے تو اُنہوں نے اس کو تیز نظر سے دیکھا اور فرمایا کہ مَیں اُن کا مصاحب نہیں رہا بلکہ ایک مدت تک اُن کی خدمت میں رہا ہوں۔

اور جبکہ تمہاری صحبت میں کوئی ایسا شخص رہے جو مرتبہ میں تم سے کم ہے تو اُس کے حقوق صحبت میں خیانت تمہاری جانب سے یہ ہے کہ اُس کی حالت میں جو نقصان ہو اُس پر اُس کو متنبہ نہ کرو۔

ابو خیر بیتناتی نے جعفر بن محمد بن نصیر کے پاس لکھ کر بھیجا کہ فقراء (یعنی مریدین) کے جاہل رہنے کا وبال تم لوگوں پر ہے کیونکہ تم لوگوں نے اپنے نفوس کے ساتھ مشغول ہو کر اُن کی اصلاح کو چھوڑ دیا جس سے وہ جاہل رہ گئے اور جب تم کسی ایسے شخص کی صحبت میں ہو جو درجہ میں تمہارے برابر ہے تو

(صحیح) راستہ تمہارے لئے یہ ہے کہ اُس کے عیوب سے چشم پوشی کرو اور جب تک ممکن ہو اُن کے ہر فعل وقول کو تاویل کر کے کسی اچھے محمل پر محمول کرو اور اگر کوئی تاویل نہ ہو سکے تب بھی اپنے نفس کا قصور سمجھو اور اس کے ساتھ نرمی اور موافقت کا معاملہ کرتے رہو۔

میں نے اُستاذ ابوعلی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے وہ فرماتے تھے کہ احمد بن ابی الحواری نے فرمایا کہ میں نے ابوسلیمان دارانی سے ذکر کیا کہ فلاں شخص کو میرا دل قبول نہیں کرتا۔ حضرت سلیمان نے فرمایا کہ دل میرا بھی اُس کو قبول نہیں کرتا لیکن اے احمد شاید یہ آفت خود ہمارے نفس کی ہو کہ ہم چونکہ زمرۂ صالحین سے نہیں ہیں اس لئے صالحین سے ہمیں محبت بھی نہیں۔ (مطلب یہ تھا کہ شاید وہ شخص صالح ہو اور ہمارا دِل اُس کو اس لئے قبول نہ کرتا ہو کہ ہم صالح نہیں ہیں)

اور یوسف بن حسین فرماتے ہیں کہ میں نے ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ میں کیسے شخص کی صحبت میں رہوں۔ فرمایا اس کی صحبت میں رہو جس سے تم اپنا کوئی مخفی سے مخفی بھید جس کی خداوند تعالیٰ کو خبر ہے، نہ چھپاؤ۔

باب: دنیا سے رخصت ہونے کے وقت بزرگوں کے احوال کے بیان میں

استاذ ابوعلی فرماتے ہیں کہ صوفیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کے حالات بوقت نزع مختلف ہوئے ہیں۔ بعض پر ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے بعض پر رجاء کا اور بعض پر اس حالت میں ایسی چیزیں (نعماء آخرت یا بشارات) منکشف کر دی جاتی ہیں جو اس کے لئے سکون واطمینان کا سبب ہو جاتی ہیں۔

نزع کے وقت بجائے ذکر کے مذکور (حق تعالیٰ) کی طرف متوجہ ہونا

بعض بزرگوں سے حالت نزع میں کہا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو۔ تو فرمایا کہ تم کب تک مجھ سے یہ کہتے رہو گے حالانکہ میں حق تعالیٰ ہی کی محبت میں جل بھن رہا ہوں۔ اور بعض لوگوں نے بیان کیا کہ میں حضرت ممشاد دینوری رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ان کی وفات کے وقت حاضر تھا اُن سے کہا گیا کہ تم بیماری کو کیسا پاتے ہو۔ فرمایا کہ بیماری سے پوچھو کہ وہ مجھے کیسا پاتی ہے۔ پھر اُن سے کہا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہئے۔ تو دیوار کی طرف چہرہ پھیر لیا اور فرمایا کہ میں نے اپنی پوری ہستی کو تیری ہستی پوری کے لئے فنا کر دیا۔ یہی جزاء ہے اس شخص کی جو آپ سے محبت کرے۔

اور ابومحمد دبیلی رحمۃ اللہ علیہ سے وفات کے وقت کہا گیا کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہو تو فرمایا کہ یہ وہ چیز ہے جس کو ہم (خوب) سمجھ چکے ہیں اور اُسی پر فنا ہو رہے ہیں اس

کے بعد یہ شعر پڑھا (ترجمہ شعر) جب میں اُس کا عاشق ہو گیا تو اُس نے ناز کا لباس پہن لیا اور مجھ سے اعراض کرنے لگا اور اس پر راضی نہیں ہوا کہ میں اس کا غلام بنوں۔ یعنی اس کو ادائے حق کے لئے کافی نہیں سمجھا) اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ سے اُن کی وفات کے وقت کہا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو تو یہ شعر پڑھا (ترجمہ شعر) اس کی سلطانی محبت نے کہا کہ میں رشوت قبول نہیں کیا کرتا۔ تم اُس سے اُسی کی قسم دے کر پوچھو کہ پھر وہ کیوں میرے قتل کے در پے ہے۔ (مطلب شاید یہ ہے کہ عدالتِ عشق میں رشوت سے تو کام نہیں چلتا کہ اس کے ذریعہ جان بچ سکے اب تم خود سلطانِ محبت ہی سے دریافت کرو کہ مجھے کس گناہ میں قتل کیا جاتا ہے۔

اور یہ عنوان عاشقانہ ہے اس پر شبہ سوءِ ادب کا نہ کیا جائے) حکایت ہے کہ اُن سے یعنی (حضرت ابوالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ سے بوقتِ وفات) کہا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو۔ انہوں نے فرمایا کہ کیا میں اُسی کے پاس نہیں جا رہا ہوں اور ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں جنگل میں ایک جوان سے ملا اس نے جب مجھے دیکھا تو کہنے لگا کہ کیا (میرے) محبوب کے لئے یہ کافی نہ تھا کہ مجھے اپنی محبت میں مشغول و مشغوف کر لیا تھا۔ یہاں تک کہ مجھے (ظاہری طور پر بھی) بیمار کر دیا اس کے بعد میں نے دیکھا کہ فوراً ہی اُس کا نزع شروع ہو گیا۔ میں نے اس سے کہا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه کہو اس نے یہ اشعار پڑھے (ترجمہ اشعار) اے وہ ذات کہ میرا بدون اس کے نباہ نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ مجھے عذاب و تکلیف پہنچائے اور اے وہ ذات کہ جس نے میرے قلب پر ایسا قبضہ کیا ہے کہ اُس کی کوئی حد نہیں ہے۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے (بوقت وفات) کہا گیا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو، فرمایا کہ میں اُسے بھولا ہوا نہیں ہوں کہ (از سرِ نو) یاد کروں۔ اس کے بعد یہ اشعار پڑھے (ترجمۂ اشعار) وہ (ہر وقت) میرے دل میں حاضر اور اُس کی آبادی و رونق کا سبب ہے۔ میں اُسے بھول نہیں گیا کہ (از سرِ نو) یاد کروں وہی میرا آقا اور معتمد ہے

اور میرا اُس سے تعلق کا حصہ کامل ہے۔ (قشیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ) میں نے عبداللہ بن یوسف اصبہانی سے یہ کہتے ہوئے سنا کہ میں نے ابوالحسن بن عبداللہ طرطوسی سے سُنا وہ بواسطہ علوش دینوری رحمۃ اللہ علیہ حضرت مزین ❶ کبیر رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے تھے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں مکہ مکرمہ میں تھا کہ اچانک مجھے (باطن میں) ایک اضطراب پیش آیا۔ میں مدینہ طیبہ کا اِرادہ کر کے شہر سے نکلا۔

جب بیر معونہ کے پاس پہنچا اچانک ایک جوان کو زمین پر پڑا ہوا دیکھا۔ میں اس کے پاس گیا، دیکھا تو وہ نزع کی حالت میں تھا۔ میں نے اس کو لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کی۔ اس نے آنکھیں کھول دیں اور یہ شعر پڑھا (ترجمہ) ''اگر مَیں مر رہا ہوں تو کیا حرج ہے کیونکہ عشقِ الٰہی میرے دل میں بھرا ہوا ہے اور شریف لوگ عشق ہی کی بیماری سے مَرا کرتے ہیں۔'' اس کے بعد ایک نعرہ مارا اور انتقال کر گئے۔ میں نے غسل وکفن دے کر نماز جنازہ پڑھی۔ جب دفن سے فارغ ہوا تو میرے قلب کا اضطراب اور سفر کا اِرادہ سب ختم ہو گئے۔ میں واپس مکہ معظمہ آ گیا۔

(ف) گویا اللہ تعالیٰ نے وہ تقاضا سفر کا اس نوجوان کی خدمت کیلئے پیدا کیا تھا۔

اور میں نے محمد بن عبداللہ صوفی سے سنا وہ بواسطہ ابوعبداللہ بن خفیف نقل کرتے تھے کہ میں نے ابوالحسن مزیّن رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ جب حضرت ابو یعقوب نہر جوریؒ مرض وفات میں تھے تو میں نے اُن سے کہا کہ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کہو۔ وہ مسکرائے اور فرمایا ''کہ مجھ سے کہہ رہے ہو۔ قسم ہے اس ذات کی جو ذائقہ موت چکھنے سے بری ہے کہ میرے اور اُس کے درمیان بجز حجاب کبریائی کے اور کوئی حجاب نہیں ہے۔''

اس کے بعد ہی فوراً انتقال فرما گئے۔ ابوالحسن مزیّن جب اس حکایت کو ذکر کرتے تو رویا کرتے تھے اور اپنی داڑھی پکڑ کر کہا کرتے تھے کہ بڑے شرم کی بات ہے کہ مجھ جیسا ایک حجام اولیاء اللہ کو کلمہ شہادت کی تلقین کرے۔

❶ ﴿مزین محاورۂ عربیہ میں خط بنانے والے حجام کو کہا جاتا ہے۔ یہ بزرگ یہی کام کرتے تھے۔ ۱۲ محمد شفیع﴾

حضرت جامع رسالہ دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ شاید ان حکایات سے کسی کو یہ وہم ہو کہ ان حضرات اکابر نے ذکر اللہ سے اعراض کیا حاشا و کلا۔ بلکہ حقیقت اس کی یہ ہے کہ یہ حضرات بجائے ذکر الفاظ کے خود ذات مذکور کی طرف متوجہ اور اُس میں محو تھے اور یہ بڑی عالی شان حالت ہے۔ مگر اس سے زیادہ اعلیٰ درجہ کی حالت یہ ہے کہ دونوں (یعنی ذکر اور توجہ الیٰ ذات المذکور) کو جمع کرے جیسا کہ اکثر اصحاب مقامات کا یہی حال تھا۔ اور میں نے یہ حکایات متعدد اس لئے ذکر کر دی ہیں کہ متاخرین میں سے بعض بزرگوں کو اس قسم کا واقعہ پیش آیا جیسا کہ ہمارے شیخ الشیخ کے ایک مرید حضرت شیر خاں رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ مجھے پہنچا ہے کہ جب اُن کی وفات قریب آئی اور اُن کو ذکر کی تلقین کی گئی تو اُنہوں نے موافقت نہ کی۔ لوگوں نے حضرت شیخ کو اطلاع دی وہ تشریف لائے اور پوچھا کیا حال ہے، کہا الحمد للہ خیریت سے ہوں لیکن لوگ مجھے ذاتِ مسمّٰی کے شغل سے شغلِ اسم میں لگانا چاہتے ہیں آپ ان کو منع فرما دیجئے (انتہیٰ) میں نے حضرات سلف کے یہ نظائر اس لئے جمع کر دیئے ہیں تا کہ متاخرین پر بدگمانی نہ کی جاوے۔

معرفتِ الٰہیہ کے بعض آثار

کہا گیا ہے کہ عارف جو کچھ کہتا ہے اُس کا درجہ اُس سے مافوق ہوتا ہے اور (محض) عالم (جو عارف نہ ہو) جو کچھ زبان سے کہتا ہے اُس کا حال اُس سے کم ہوتا ہے۔ حضرت جامع رسالہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ عارف جس حال میں ہوتا ہے وہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ احاطۂ تقریر سے باہر ہوتا ہے اس لئے اُس کا حال اپنے قال سے بالاتر ہوتا ہے اور (محض) عالم کے پاس اکثر صرف قال ہوتا ہے جو بدرجۂ حال اُسے حاصل نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کا درجہ اپنے قال سے کم رہتا ہے۔

حضرت رویم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عارفین کی ریاء مریدین کے اخلاص سے افضل ہے۔ حضرت جامع رسالہ فرماتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ مراد اس ریاء سے، ریاء شرعی نہیں بلکہ محض لغوی ریاء ہے۔ یعنی اپنے عمل کو مریدین کے نفع کے لئے

اِن کو دِکھلانا اور ان پر ظاہر کرنا۔ اور اپنے ذاتی نفع کے ساتھ جب دوسروں کی نفع رسانی بھی جمع ہو جاوے تو ظاہر ہے کہ وہ تنہا اپنے نفس کو نفع پہنچانے سے افضل ہے۔

حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا گیا کہ عارف کون ہے۔ فرمایا کہ پانی کا رنگ وہی ہوتا ہے جو اُس برتن کا رنگ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ عارف وہ ہے جو اپنے واردات وحالات کے تابع ہو۔ حضرت جامع رسالہ ادام اللہ تعالیٰ افاضاتہ فرماتے ہیں کہ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ عارف ابن الوقت (بمعنے مغلوب الحال) ہوتا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ وہ ابوالوقت (یعنی اپنے حال پر قابو یافتہ) ہوتا ہے مگر اس کے ساتھ وہ ہر حال کے حقوق کی رعایت رکھتا ہے کیونکہ تجلیات و واردات کا ادب بھی ہے کہ اُن کے حقوق کی رعایت کی جاوے۔ نیز حضرت جامع فرماتے ہیں کہ مَیں نے یہ دونوں آخری مقولے اپنے شیخ قدس اللہ سرہٗ سے بطور متن سنے تھے۔ پھر میں نے اپنے ذوق سے اُن کی مذکور الصدر شرح کر دی ہے۔ اور یہ ذوق بھی حضرت شیخ قدس سرہٗ ہی کے فیض سے مستفاد ہے۔

عارف پر بکاء عین کا غلبہ نہ ہونا

حضرت ابوسعید خزاز رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ کیا عارف کسی وقت ایسی حالت پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو رونا نہ آئے۔ فرمایا ہاں۔ کیونکہ رونا سیر الی اللہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ پھر جب وہ حقائقِ قرب کی منزل پر مقام کرتے ہیں اور وصول الی اللہ کا ذائقہ اس کے فضل سے چکھتے ہیں تو اُن سے یہ کیفیت بکاء زائل ہو جاتی ہے۔ حضرت جامع دامت فیوضہٗ فرماتے ہیں کہ اس سے نفسِ بکاء کی نفی منظور نہیں، بلکہ غلبۂ بکا کی نفی مقصود ہے اور اُس سے بھی بکاء عین کے غلبہ کی نفی مراد ہے بکاء قلب کی نہیں۔ پھر یہ بھی اکثری حکم ہے قاعدہ کلیہ نہیں کیونکہ سالکین کی استعدادیں اقتضاء احوال میں مختلف ہوتی ہیں۔

بابُ المحبت .... بعض علاماتِ محبت

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حقیقت محبت کی یہ ہے کہ جفاء محبوب سے اس میں کمی نہ آوے اور محبوب کے احسان سے اُس میں زیادتی پیدا ہو۔

حضرت جامع رسالہ (متعنی اللہ من برکاتہٖ بافرحظہ) فرماتے ہیں کہ مراد جفاء محبوب ہے (اس جگہ) یہ ہے کہ ایسے احسانات میں کمی کردی جاوے جو مذاق نفس کے موافق ہوں اور اس کے مقابلہ میں احسانِ محبوب سے مراد احسانات میں زیادتی کرنا ہے۔

احقر مترجم کہتا ہے کہ حضرت جامع دامت برکاتہم نے جفاء کی تفسیر میں الملائم للنفس (یعنی مقتضاءِ نفس کے مطابق) کی قید سے ایک نہایت اہم اور مفید چیز کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جس چیز کو ہم تقلیلِ احسان کہتے ہیں درحقیقت وہ بھی تقلیلِ احسان نہیں بلکہ صرف احسان کا عنوان اور رنگ بدلنا ہے کہ وہ تقاضائے نفسانی کے مطابق نہ رہا اگرچہ اس کی مجموعی حالت کے مطابق وہ ہی تکثیر احسان ہے کہ۔

خواجہ خود روش بندہ پروری داند

اسی کے متعلق ارشاد ہے عسی ان تکرھوا شیئًا و ھو خیر لکم۔

اور اسی لئے محققین کا ارشاد ہے کہ۔

در طریقت ہر چہ پیش سالک آید خیر اوست

اور اسی کو حضرت شیخ العرب والعجم حضرت مولانا محمود حسن صاحب قدس سرہٗ نے اپنے ایک شعر میں فرمایا ہے۔

اُس کے آغوش میں ہیں ہزاروں رحمت

اُس کے ہر لطف میں ہیں سینکڑوں الطاف و کرم

محبت و معرفت میں تفاضل

حضرت سمنون رحمۃ اللہ علیہ محبت کو معرفت سے افضل قرار دیتے تھے اور اکثر حضرات معرفت کو محبت سے افضل قرار دیتے ہیں۔ حضرت جامع مد ظلہم فرماتے تھے کہ میرا ذوق یہ ہے کہ اپنی ذات کے اعتبار سے تو محبت معرفت سے افضل ہے مگر ثمرات و نتائج کے اعتبار سے معرفت افضل ہے۔

باب الشوق......بعض علاماتِ شوق

حضرت ابو عثمان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ علامت شوق کی یہ ہے کہ راحتِ اُخروی کے ساتھ موت محبوب ہو۔ حضرت جامع رسالہ فرماتے ہیں کہ جب موت کی وجہ سے تو یہ لوگ اُن محجوبین اور غافلین سے ممتاز ہو جاتے ہیں جو لذت دنیویہ کے انہماک کی وجہ سے موت کو پسند نہیں کرتے۔ اور راحت کی قید سے اُن لوگوں سے امتیاز ہو جاتا ہے جو غلو میں مبتلا ہیں۔ کیونکہ یہ لوگ اس کے مدعی ہوتے ہیں کہ خواہ آخرت میں راحت نصیب ہو یا نہ ہو ہمیں بہر حال موت مطلوب و مرغوب ہے اور یہ غلو کی حالت اُن کے سُکر کا نتیجہ ہے۔ ورنہ مصیبت آخرت برداشت کرنے کی مجال کس کو ہے۔

باب: قلوبِ مشائخ کے تحفظ کے بیان میں

شیخ کے قلب کو مکدر کرنے کا وبال

میں نے استاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ ہر افتراق کی ابتداء شیخ کی مخالفت سے ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص اپنے شیخ کی مخالفت کرتا ہے وہ اُس کے طریقہ پر باقی نہیں رہتا۔ اور اُن کے درمیان باطنی علاقہ قطع ہو جاتا ہے۔ اگرچہ مکان میں اجتماع بھی رہے پس جو شخص کسی شیخ کی صحبت میں رہے پھر اپنے دل سے

اُس پر اعتراض کرے تو اُس نے عہدِ صحبت کو توڑ دیا اور اس پر توبہ واجب ہو گئی۔ علاوہ اس کے صوفیاءِ کرام نے یہ بھی فرمایا ہے کہ حقوق مشائخ کے خلاف کرنے کی کوئی توبہ د معافی نہیں۔ حضرت جامع دامت افاضاتہ فرماتے ہیں کہ وجوب توبہ سے وجوب شرعی مراد نہیں بلکہ اُس خاص شیخ سے نفع حاصل کرنے کیلئے توبہ شرط ہے کیونکہ نفع کی شرط اصل میں انشراح وانبساط ہے اور وہ عادۃً عود نہیں کرتا۔ مگر یہ حکم اکثری ہے کلی نہیں۔

شیخ کی رضاء وناراضگی کے نتائج اکثر شیخ کی موت کے بعد ظاہر ہوتے ہیں

میں نے شیخ احمد بن یحییٰ الابیوری رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ جس سے شیخ راضی ہوتا ہے شیخ کی حیات میں اُس کی جزاء اُس کو نہیں دی جاتی تا کہ اُس کے قلب سے شیخ کی تعظیم کم نہ ہو جاوے۔ جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے اس وقت اللہ تعالیٰ رضاءِ شیخ کی جزاء حسن ظاہر فرماتے ہیں۔ اسی طرح جس شخص سے شیخ کا قلب متغیر ہو گیا ہو اس کا بدلہ بھی اُس کو شیخ کی حیات میں نہیں دیا جاتا تا کہ شیخ اس پر مہربان نہ ہو جاوے۔ کیونکہ عفو وکرم اِن حضرات کی طبیعت میں داخل ہوتا ہے۔ پھر جب شیخ کی وفات ہو جاتی ہے اُس وقت اُس کی ناراضی کا بدلہ دیا جاتا ہے۔ حضرت جامع دامت فیوضہم فرماتے ہیں کہ یہ ایک عجیب تدقیق ہے کہ ہم بہت کم لوگ اس پر متنبہ ہوتے ہیں لیکن یہ بھی اکثری ہے اور کبھی کبھی اس کے خلاف واقع ہونا بھی ممکن ہے اور حکمت اس مقولہ کی خود اُس کے اندر مذکور ہے۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ شیخ کی ناراضی کا بدلہ اُس کی حیات میں نہ ملنا اس کی حکمت شاید یہ بھی ہو کہ اس شخص کو مہلت دی جاتی ہے کہ اس عرصہ میں راضی کرے جیسا کہ سیئات کے لکھنے والے فرشتہ کو اعمال نامہ میں گناہ لکھنے سے اُس وقت تک روکا جاتا ہے جب تک اس کے باز آ جانے کا احتمال رہتا ہے اور یہ وجہ اقرب الی الرحمۃ الواسعۃ ہے جیسا کہ وجہ اوّل اقرب الی التشدید فی حقوق الشیخ ہے۔

بَابُ السَّمَاع

سماع کے بارہ میں تفصیل

علامہ قشیری رحمۃ اللہ علیہ اپنی سند کے ساتھ حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ فرماتے تھے کہ سماع اس شخص کے لئے تو فتنہ ہے جو اس کو طلب کرے اور اس شخص کے لئے راحت کا سبب ہے جو اس کو (اتفاقی) پالے۔ حضرت جامع دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ طلب کرنے کی مراد یہ ہے کہ خود سماع کا قصد کرے اور (بلا اضطرار باطنی) کے تکلفاً اُس میں مشغول ہو اور مصادفت سے مراد یہ ہے کہ کسی وقت باطنی اضطرار اس کی طرف پیدا ہو جائے۔

اور حضرت ابو علی روذباری رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا کہ کاش ہم اُس سے برابر سرابر چھوٹ جائیں (یعنی نہ اس کا کچھ نفع ہو نہ وبال)

اور حضرت عبداللہ بن محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سُنا ہے کہ جب تم کسی مرید کو دیکھو کہ وہ سماع سے رغبت رکھتا ہے تو سمجھ لو کہ اُس میں اب تک آوارگی کا کچھ بقیہ موجود ہے۔

اور حضرت ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ سے سماع کے بارہ میں سوال کیا گیا تو فرمایا کہ جو قلب خوش آوازی کا اِرادہ کرتا ہے وہ قلب ضعیف ہے۔

سماع سے اُس کی دوا کی جاتی ہے جیسے بچہ جب سونا چاہتا ہے تو پھر (خوش آوازی وغیرہ سے) اس کی نیند کے لئے تدبیر کی جاتی ہے۔ اور حضرت ابوسلیمان رحمۃ

اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا کہ خوش آوازی قلب میں کوئی نئی چیز پیدا نہیں کرتی بلکہ جو کچھ مادہ (خیر یا شر کا) قلب میں مرکوز ہوتا ہے اُس کو حرکت دے دیتی ہے۔

اور میں نے اُستاذ ابو علی دقاق رحمۃ اللہ علیہ سے سُنا ہے کہ ایک مجلس میں ابو عمرو بن نجید رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور چند اور لوگ جمع ہوئے تو نصر آبادی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جب قوم جمع ہو تو ایک آدمی کچھ کہے۔ (مراد سماع مباح ہے) اور باقی سب خاموش رہیں یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ کسی کی غیبت کریں۔ حضرت ابو عمرو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اگر تم تیس برس تک غیبت کرتے رہو اس کا وبال اس سے کم ہے کہ تم سماع کی حالت میں ایسے آثار اپنے اُوپر ظاہر کرو جن کے ساتھ تم درحقیقت متصف نہیں۔

حضرت جامع دامت افاضاتہ فرماتے ہیں کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ غیبت ایک معصیت ظاہرہ ہے جس کو غیبت کرنے والا بھی معصیت سمجھتا ہے اور ایسے حال کا اظہار کرنا جس کے ساتھ درحقیقت متصف نہیں، ایک معصیت باطنہ ہے جس کو کرنے والا معصیت ہی نہیں سمجھتا بلکہ بعض اوقات اس کو کمال اور قرب سمجھتا ہے اور ظاہر ہے کہ ایسی معصیت زیادہ شدید اور خوفناک ہے۔

اور کہا گیا کہ بعض حضرات نے خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی۔ آپ نے فرمایا کہ اس میں (یعنی سماع میں) غلطی زیادہ ہوتی ہے۔

حضرت جامع رسالہ متعنا اللہ تعالیٰ بفیوضہ فرماتے ہیں کہ یہ مذکورین حضرات اکابر وہ ہیں جو سماع کے بارہ میں کچھ توسع فرماتے تھے۔ پھر دیکھئے کہ ان حضرات نے اس میں کس قدر تنگی فرمائی اور قیدیں بڑھائی ہیں تو اُن حضرات کا حال آپ خود سمجھ سکتے ہیں جو اوّل ہی سے اس میں تنگی کرتے تھے اور خلاصہ کلام یہ ہے کہ سماع کی مضرت بہ نسبت نفع کے زیادہ اور اقرب ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت وسلامت اور عزائمِ اُمور پر استقامت طلب کرتے ہیں۔

احقر مترجم کہتا ہے کہ اس جگہ مناسب معلوم ہوا کہ اپنے شیخ جامع رسالہ دامت برکاتہم کا وہ مقولہ بھی لکھ دیا جاوے جو چند مرتبہ آپ کی زبان فیض ترجمان سے سُنا ہے کہ بڑی بات سماع کے بارے میں قابلِ ذکر یہ ہے کہ تصوف کے سلاسل اربعہ میں سے کسی اہل طریق نے سماع کا معمولات کے طور پر کسی کو اُمر نہیں فرمایا حالانکہ معمولات مشائخ میں بہت سے وہ اشغال بھی ہیں جو تجربہ سے نافع ہونے کی بناء پر دوا کے درجہ میں جوگیوں سے لے لئے گئے ہیں جیسے حبسِ دم وغیرہ۔ جیسا کہ غزوۂ خندق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کا استعمال اہلِ فارس کے معمولات سے لیا۔

الغرض اگر سماع کو بطور عادت نافع اور مقصود سمجھا جاتا تو جس طرح دوسرے نافع اشغال واوراد کی تعلیم دی جاتی ہے اسی طرح اس کی بھی تعلیم ہوتی۔

واللہ تعالیٰ ولی التوفیق و الیہ المتاب فی کل باب

تمت

رسالہ کا حصہ اوّل تمام ہوا۔

اس کے بعد حصہ دوم آتا ہے۔ اِن شاءاللہ تعالیٰ

حصہ دوم

مقالاتِ صوفیہ

از

طبقات کبریٰ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ

بعض ملفوظات حضرت علی رضی اللہ عنہ

قبول عمل کا اہتمام کرنے کے بارہ میں

ارشاد فرمایا کہ عمل سے زیادہ اس کا اہتمام کرو کہ وہ عمل مقبول ہو (یعنی سنت کے مطابق کر کے اس کو قبولیت کے لائق بناؤ) کیونکہ تقویٰ واخلاص کے ساتھ کوئی ادنیٰ عمل بھی قلیل نہیں رہتا۔ اور جو عمل اللہ تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو اُس کو قلیل کیسے کہہ سکتے ہیں۔

ملفوظات حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

راستہ میں کسی بزرگ کے ساتھ چلنے کے متعلق

ایک مرتبہ آپ کہیں تشریف لے جا رہے تھے چند آدمی ساتھ ہو لئے تو ارشاد فرمایا کہ آپ لوگوں کو کوئی کام ہے۔ عرض کیا گیا کہ نہیں۔ ارشاد فرمایا کہ اگر ایسا ہے تو آپ سب لوٹ جایئے۔ کیونکہ (اس طرح ساتھ چلنا پیچھے چلنے والے کی ذلت اور جس کے ساتھ چلتے ہیں اُس کے فتنہ کا (یعنی تکبر میں مبتلا ہو جانے) کا سبب ہے۔

اجتہاد فی العمل سے زہد راجح ہے

آپ نے اپنے اصحاب کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم لوگ کثرتِ نوافل اور مجاہدات اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کرتے ہو۔ اور اُن کا یہ حال تھا کہ وہ دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف رغبت میں تم سے زیادہ تھے۔ (خلاصہ یہ ہے کہ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے اعمال کا افضل ہونا تو مسلّم ہے مگر اُن کا اصل عمل کثرت نوافل ومجاہدات نہ تھا بلکہ ترکِ دنیا اور فکرِ آخرت تھا۔ معلوم ہوا کہ اجتہاد فی العمل پر زہد کو ترجیح ہے)

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے ارشادات

عملِ بد سے بغض ہونا چاہئے نہ کہ اُس کے عامل سے

اِرشاد فرمایا کہ اگر تمہارے بھائی مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو اس گناہ کو تو مبغوض سمجھو مگر اس مسلمان سے بغض نہ رکھو۔ جب وہ یہ گناہ چھوڑ دے وہ تمہارا بھائی ہے۔ اسی مضمون کے متعلق یہ بھی فرمایا کہ اگر تمہارے بھائی مسلمان کی کسی وقت حالت بدل جائے اور کج روی اختیار کرے تو اُس کی وجہ سے اُس کو نہ چھوڑو کیونکہ بھائی اگر ایک وقت کج روی کرتا ہے تو دوسرے وقت سیدھا بھی ہو جاتا ہے اور یہی مذہب تھا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور نخعی اور ایک جماعت علماء سلف کا کہ گناہ سرزد ہونے کی وجہ سے مسلمان بھائی سے قطع تعلق نہ کرتے تھے۔ اور یہ حضرات فرماتے تھے کہ عالم کی لغزش کو کہتے نہ پھرو۔ کیونکہ عالم کی شان یہ ہے کہ اُس سے کسی وقت لغزش ہو جاتی ہے تو دوسرے وقت اُس سے باز آجاتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے ارشادات

دنیا کے ساتھ بدن سے مِلو نہ کہ دِل سے

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اے آدمی تو صرف بدن سے دنیا کے ساتھ رہ اور دل سے اُس سے علیحدہ رہ (یعنی دل حق تعالیٰ کے ساتھ رہے اور دنیا تیرا دِلی مقصود نہ بن جائے۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کے ارشادات

بقدر حاجت دنیا حاصل کرنے کا خیر ہونا

آپ نے فرمایا کہ تم میں سے وہ لوگ زیادہ بہتر نہیں ہیں جو آخرت کیلئے

دنیا کو بالکل چھوڑ دیں بلکہ زیادہ بہتر وہ ہیں جو دونوں کو (اپنے اپنے درجہ کے موافق) حاصل کرتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ارشادات

بیماری کی فضیلت

آپؓ نے فرمایا کہ مرض ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں ریاء وشہرت کا دخل نہیں ہو سکتا۔ بلکہ وہ تو ثواب محض ہے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ارشادات

عقل کا گم ہو جانا

فرمایا کہ لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آئے گا کہ اُن کی عقلیں اُٹھالی جائیں گی۔ یہاں تک کہ (ہزاروں میں) ایک آدمی بھی عقلمند نظر نہ آئے گا۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ارشادات

علم کی تحصیل اور حفاظت کے متعلق

حضرت حسن رضی اللہ عنہ اپنے صاحبزادوں اور بھتیجوں سے فرمایا کرتے تھے کہ علم حاصل کرو۔ اور اگر تم میں اس کی قدرت نہ ہو تو کم از کم اُس کو لکھ لو اور اپنے گھروں میں رکھو (تاکہ دوسروں کو نفع پہنچے اور اپنے لئے بھی سبب تذکیر ہو)

حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اہلِ حاجت سے دل تنگ نہ ہونے کے بارہ میں

فرمایا کہ لوگوں کی حاجتیں تمہارے سے متعلق ہونا یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں۔ تم ان نعمتوں سے دل تنگ نہ ہو۔ ایسا نہ ہو کہ یہ نعمتیں مصیبتوں سے بدل جائیں۔

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

وساوس شیطانیہ اور خطراتِ نفسانیہ میں فرق

ارشاد فرمایا کہ جو وسوسہ (کسی معصیت کا) دفعتاً دل میں واقع ہو (اور بار بار اُسی معصیت کا تقاضا نہ ہو) تو وہ ابلیس کی طرف سے ہے اور اگر ایک ہی معصیت کا تقاضا قلب میں بار بار پیدا ہو تو وہ نفس کی طرف سے ہے۔ سو اُس کا علاج یہ ہے کہ صوم و صلوٰۃ اور مجاہدات سے اُس کا مقابلہ کیا جائے۔ (ف) وجہ یہ ہے کہ شیطان لعین کی غرض تو صرف یہ ہے کہ بندہ کسی معصیت میں مبتلا ہو جائے۔ اگر ایک معصیت کے خیال کو دفع کر دیا تو دوسری کسی معصیت کا وسوسہ ڈالنے میں بھی اُس کا مقصد حاصل ہے۔ اُسی ایک معصیت کے درپے ہونے کی اُس کو ضرورت نہیں۔ بخلاف نفس کے کہ وہ اپنی ایک خواہش پوری کرنے کے درپے ہے جب تک وہ پوری نہ ہوگی یا مجاہدات سے اس کا مقابلہ نہ کیا جائے گا اس کا تقاضا جاری رہے گا۔

کلام سے پہلے اُس کے نتائج کو سوچ لینا

ارشاد فرمایا کہ سلف صالح فرمایا کرتے تھے کہ عقل مند کی زبان اُس کے قلب کے پیچھے ہے۔ جب وہ کچھ بولنا چاہتا ہے تو پہلے قلب کی طرف رجوع کرتا ہے اگر اس میں کچھ نفع دیکھتا ہے تو بولتا ہے ورنہ رُک جاتا ہے۔ اور جاہل کا قلب اُس کی زبان کی نوک پر ہے وہ اپنے قلب کی طرف رجوع نہیں کرتا، بلکہ جو زبان پر آتا ہے کہہ ڈالتا ہے۔

حضرت سعید ابن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

بقدر ضرورت دنیا کا جمع کرنا مصلحت ہے

اِرشاد فرمایا کہ اس شخص میں کوئی بھلائی نہیں جو اس قدر دنیا کو جمع نہ کرے جس کے ذریعہ وہ اپنا دین بچا سکے اور اپنے جسم کی حفاظت کر سکے اور صلہ رحمی کر سکے۔

عورتوں کے معاملہ میں احتیاط اگر چہ کوئی شخص بوڑھا ہی ہو

اِرشاد فرمایا کہ میرے لئے کوئی چیز عورتوں سے زیادہ خطرناک نہیں ہے۔ حالانکہ آپ کی عمر اس وقت چوراسی سال کی تھی۔

حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

بدسلوکی کے باوجود حُسنِ سلوک

فرمایا کہ وہ آدمی عقلمند نہیں جو اُس شخص کے ساتھ اچھا برتاؤ نہ کرے جس کی معاشرت وصحبت پر مجبور ہے۔ یہاں تک کہ حق تعالیٰ اس کے لئے (اُس کی معاشرت سے) نجات کا کوئی راستہ نکال دے۔

حضرت علی زین العابدین بن حسین رضی اللہ عنہ کے ارشادات

اعلیٰ درجہ کا اخلاص

اَحرار (یعنی جو لوگ حق تعالیٰ کے عبد کامل اور غیر اللہ سے بے نیاز ہیں اُن) کی عبادت حق تعالیٰ کی شکر گزاری کے لئے ہوتی ہے نہ کہ (جہنم کے) خوف یا (جنت کی) رغبت کے لئے۔ (ف) یہ نہیں کہ اُن کو جہنم کا خوف یا جنت کی رغبت نہیں ہوتی۔ مطلب یہ ہے کہ اُن کی عبادت اس خوف وطمع سے نہیں ہوتی۔

حضرت مطرف بن عبداللہ بن شخّیر رحمہ اللہ کے ارشادات

ندامت کا خود پسندی سے بہتر ہونا

فرمایا کہ میرے نزدیک یہ پسند ہے کہ میں رات کو سوتے ہوئے گزاروں اور دن کو ندامت سے (روتے ہوئے) بہ نسبت اس کے کہ رات نماز میں گزاروں اور دن کو (اُس پر) ناز کروں۔

ایک دقیق تواضع

فرمایا کرتے تھے کہ یا اللہ آپ ہم سے راضی ہو جایئے اور اگر راضی نہیں ہوئے تو ہماری خطائیں معاف فرما دیجئے کیونکہ بسا اوقات آقا اپنے غلام کی خطا معاف کر دیتا ہے حالانکہ وہ اس سے ناراض ہے۔

حقوق کی رعایت اخلاص کے منافی نہیں

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ جو شخص کسی کے جنازہ میں اس لئے شریک ہوتا ہے کہ اولیائے میت سے شرمندگی نہ ہو (یعنی زندوں کے لحاظ سے) کیا اس میں کچھ ثواب بھی ملتا ہے۔ فرمایا کہ اس مسئلہ میں امام ابن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کی رائے یہ ہے کہ اُس کو دو اَجر ملیں گے۔ ایک تو اپنے بھائی مسلمان کے جنازہ کی نماز کا اور دوسرا اولیائے میت کی خاطر سے جنازہ کے ساتھ چلنے کا۔

امام محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

راستہ میں کسی کو اپنے ساتھ نہ چلنے دینا

امام موصوف کسی کو راستہ میں اپنے ساتھ نہ چلنے دیتے تھے۔ (بلکہ) فرما دیتے تھے کہ اگر تمہیں مجھ سے کوئی کام نہیں ہے تو لوٹ جاؤ۔

بیداری کی حالت درست ہو تو خواب مضر نہیں

جب آپ سے کسی (تشویشناک) خواب کے متعلق دریافت کیا جاتا تھا تو آپ فرماتے تھے کہ بیداری میں خدا تعالیٰ سے ڈرو تو جو کچھ تم نے خواب میں دیکھا ہے، تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔...... (ف): بعضے لوگ بُرے خواب سے مردود ہونے کے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔ اس میں ان کے خیال کی اصلاح ہے۔

ایک دقیق ادب

ایک شخص نے آپ سے عرض کیا کہ میں نے آپ کی غیبت کی ہے۔ آپ میرے لئے مباح کر دیجئے (مراد معافی ہے مگر اس کے لئے باعتبار محاورہ کے یہ لفظ استعمال کیا) فرمایا کہ کسی مسکین کی آبروریزی جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال نہیں کیا میں اُس کے حلال کرنے کو کیسے پسند کر سکتا ہوں۔ البتہ (دُعا کرتا ہوں کہ) اللہ تعالیٰ تجھے معاف فرمادے۔

(ف): مطلب یہ کہ لفظ موہم کا استعمال نہ کرو)

حضرت یونس بن جنید رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد
ہر عمل کو اپنے درجہ پر رکھنے کے متعلق

فرمایا کہ اس اُمت میں نہ خالص ریاء کسی سے صادر ہوتی ہے اور نہ خالص کبر۔ عرض کیا گیا کہ یہ کیسے؟ فرمایا کہ سجدہ کے ساتھ کبر (خالص) جمع نہیں ہوسکتا۔ اور توحید کے ساتھ (ریاء (محض) جمع نہیں ہوتی۔ (ف) مطلب یہ کہ سجدہ اعلیٰ درجہ کی تواضع ہے ۔اور توحید اعلیٰ درجہ کا اخلاص۔ تو ان کے عامل کو کامل متکبر اور کامل ریاکار نہیں کہہ سکتے۔

حضرت محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

(جب کلام میں کسی کو ناپسندیدہ بات کا وہم ہو تو سکوت بہتر ہونا) امام موصوف کمبل پوش تھے۔ ایک روز حضرت قتیبہ بن سعید رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں تشریف

لے گئے۔ انہوں نے فرمایا کہ تم نے کمبل کیوں پہنا ہے۔ محمد بن واسع رحمۃ اللہ علیہ خاموش رہے۔ حضرت قتیبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میں آپ سے ایک بات پوچھتا ہوں آپ جواب کیوں نہیں دیتے۔ عرض کیا کہ میں (اس کے جواب میں) اگر یہ کہوں کہ میں زاہد ہوں تو خود ستائی اور اپنی پاک باطنی کا اظہار ہے اور یہ کہوں کہ فقیرو مسکین ہوں تو اپنے پروردگار کی شکایت ہوتی ہے۔ (اس لئے خاموش ہوں)۔

(ف) کیونکہ اگر یہ کہوں کہ اور کچھ میسر نہ تھا تو اظہار فقر ہے اور اگر کہوں کہ وسعت ہوتے ہوئے پہنا ہے تو اظہارِ زہد ہے۔ اور دونوں کا اظہار ناپسندیدہ ہے۔ اور خود پہننا موہم نہیں کیونکہ ممکن ہے کہ خلوِ ذہن کے ساتھ پہنا ہو۔ اور خلو ذہن کا جواب دینے میں شبہ ہے کذب کا کہ یہ ممکن ہے کہ ذہن میں کسی درجہ میں داعی مذکور ہو۔

حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا ارشاد

(دوبارہ معصیت کی طرف نہ لوٹنے میں حق تعالیٰ پر توکل چاہئے) ایک شخص نے آپ سے دریافت کیا کہ اگر میں اللہ تعالیٰ سے عہد کرلوں کہ اب کبھی گناہ نہ کروں گا (تو یہ کیسا ہے)۔ فرمایا کہ اس صورت میں تو تجھ سے زیادہ کوئی مجرم نہیں کہ تو اللہ تعالیٰ پر یہ قسم کھاتا ہے (کیونکہ عہد و میثاق قسم ہی ہے) کہ وہ تیرے بارہ میں اپنا حکم ازلی جاری نہ فرمائیں۔ (ف) حاصل یہ ہے کہ ایسا عہد کرنا ایک قسم کے دعویٰ کو مستلزم ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے خلاف نہ کریں گے کیونکہ اس کا احتمال ہوتے ہوئے عہد کے موافق کیسے وقوع ہوگا۔ حالانکہ حق تعالیٰ کی مشیت کا کسی کو علم نہیں۔ تو اس حالت میں اپنے نفس پر اعتماد کس طرح ہوسکتا ہے۔ بلکہ ادب یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے دُعا کرے کہ میری حفاظت فرمائیں اور معصیت کی طرف عود نہ ہونے دیں۔

اصحاب واحباب کم رکھنے کے بارہ میں

آپ فرمایا کرتے تھے کہ اصحاب کی کثرت سے بچو کیونکہ جب زیادہ ہوں گے تو

تم اُن کے حقوق واجبہ ادا کرنے سے عاجز ہو جاؤ گے اور بخدا میں تو ایک شخص کا حق واجب بھی ادا کرنے سے عاجز ہوں۔

(ف): اصحاب کا لفظ عام ہے۔ شاگرد مرید کو بھی کہا جاتا ہے اور دوست احباب کو بھی۔ اور حکم بھی دونوں کا یکساں ہے۔ اور اس میں افادہ سے ممانعت نہیں بلکہ خصوصیت کا تعلق رکھنے سے ممانعت ہے۔

حضرت عبیدہ بن عمیر رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

تقلیل دنیا کی حدِ مسنون

آپ فرماتے تھے کہ دنیا سے علاقہ کم رکھنے والے کی حد یہ ہے کہ اس درجہ کو پہنچ جائے کہ گناہ میں مبتلا نہ ہو۔

حضرت عطاء بن رباح رحمۃ اللہ علیہ کے بعض حالات

کسی کی بات سننے کا ادب

آپ کی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص آپ کو کوئی ایسی روایت وحکایت سناتا جو آپ کو پہلے سے معلوم تھی تو اس طرح توجہ سے سنتے تھے کہ گویا ان کو بالکل معلوم نہیں۔ تاکہ کہنے والا شرمندہ نہ ہو جائے۔

حضرت عبداللہ بن وہب بن منبہ رحمہ اللہ کے ارشادات

شرافت اور رذالت کے بعض آثار

آپ فرماتے تھے کہ شریف آدمی جب علم پڑھتا ہے تو متواضع (منکسر المزاج) ہو جاتا ہے۔ اور رذیل آدمی جب علم پڑھ لیتا ہے تو متکبر ہو جاتا ہے۔

فقر کے بعض آثار

فرماتے تھے کہ جب کوئی شخص فقیر و مفلس ہو جاتا ہے تو (عادت اکثر یہ ہے کہ) اس کا دین بھی ضعیف ہو جاتا ہے اور عمل سُست ہو جاتا ہے اور وقار جاتا رہتا ہے اور لوگ اُس کو ذلیل سمجھتے ہیں۔

(**ف**) یعنی فقر و افلاس پر بعض اوقات ضعفِ تحمل کے سبب یہ ناگوار حالات مرتب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ ایک حدیث میں تو یہ ارشاد ہے کہ فقر بعض اوقات کُفر تک پہنچا دیتا ہے۔ اِسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و افلاس سے پناہ مانگی ہے۔ اور جن روایاتِ حدیث میں فقر کے فضائل مذکور ہیں وہ اُس صورت میں ہیں جبکہ فقر پر صبر و تحمل ہو سکے اور اس کیلئے اس قسم کے ناگوار حالات پیش نہ آویں۔ اور بعض روایاتِ حدیث میں جو مسکین ہو کر رہنے کی دُعا فرمائی گئی ہے۔ مُراد اُس سے مسکینوں کی طرح زندگی گذارنا ہے، لوگوں کا دست نگر و محتاج بننا مراد نہیں۔ (احقر مترجم)

حضرت ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض حالات

بغیر غذاء کے زمانہ دراز تک قائم رہنا

امام اعمش فرماتے ہیں کہ میں نے ابراہیم تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ایک ایک مہینہ تک کچھ نہیں کھاتے۔ فرمایا کہ ہاں بلکہ دو مہینے تک بھی۔ چنانچہ اس وقت بھی چالیس روز سے کچھ نہیں کھایا۔ صرف ایک دانہ انگور کا مجھے میرے اہل نے دیا تھا جس کو منہ میں رکھ لیا تھا پھر فوراً پھینک دیا۔ (ف) کثرتِ ذکر و فکر میں یہ طبعی خاصیت ہے اور اگر احیاناً طبعی حد سے گزر جاوے تو وہ کرامت میں داخل ہے اور اس کے اظہار پر شبہ نہ کیا جاوے۔ کسی مصلحت دینیہ سے ظاہر کر دینا یا بلا مصلحت بھی اپنے مخصوصین سے ظاہر کر دینا کچھ حرج نہیں کیونکہ اُس میں کوئی فتنہ نہیں۔

حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

مرض کے ظاہر کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں

فرمایا کہ جب کسی مریض سے پوچھا جائے کہ کیسا مزاج ہے تو اوّل یہ کہے کہ خیریت ہے اور پھر جو کچھ تکلیف ہو وہ بیان کردے۔ (ف) وجہ یہ ہے کہ انسان کیسی ہی تکلیف اور مرض میں مبتلا ہو اس وقت بھی حق تعالیٰ کی ہزاروں نعمتیں اور راحتیں اُس کو حاصل ہوتی ہیں۔ تو یہ بے انصافی اور ناشکری ہے کہ تکلیف و مرض کو تو ذکر کرے اور نعمت و راحت کو ذکر نہ کرے۔ اسی طرح یہ بھی عبدیت کے خلاف ہے کہ مرض اور تکلیف کا اظہار بالکل نہ کرے۔ اس میں ایک قسم کا دعویٰ ہے قوت کا۔ حضرات سلف کو حق تعالیٰ نے جامعیت عطا فرمائی تھی کہ ہر وقت ہر حالت میں حدود اور حقوق کی رعایت فرماتے تھے۔ اِسی لئے مرض و تکلیف میں بھی موجودہ نعمتوں اور راحتوں کا شکر اوّل ادا کرنے کی اور پھر مرض و تکلیف کا ذکر ظاہر کرنے کی تعلیم دی۔

آفاتِ علم سے بچنے کے بیان میں

فرماتے تھے کہ (علم کی آفات پر نظر ہوتی ہے تو یہ تمنا ہوتی ہے کہ) کاش میں نے کبھی علمی مباحث میں گفتگو نہ کی ہوتی۔ اور وہ زمانہ جس میں مجھ جیسا آدمی فقیہ قرار دیا گیا۔ بُرا زمانہ ہے۔

ایک خاص شانِ تقویٰ

آپ جب کوئی سواری کا جانور کرایہ پر لیتے تھے تو اگر اتفاقاً آپ کا کوڑا کہیں گر گیا اور اُس کے اُٹھانے کے لئے چند قدم پیچھے لوٹنا پڑا تو جانور پر سوار ہو کر نہ لوٹتے بلکہ سواری سے اُتر کر اُس کو وہیں ٹھہرا کر پیادہ جاتے تھے اور یہ فرماتے تھے کہ جانور کے مالک سے آگے جانے کا کرایہ ٹھہرایا ہے پیچھے لوٹنے کا کرایہ نہیں ٹھہرایا۔ اس لئے سوار ہو کر پیچھے لوٹنا حق کے خلاف ہے۔

حضرت عون بن عون بن عبداللہ بن عتبہ رحمہ اللہ کے ارشادات

اہل مجلس کی مصلحت اور رعایت

آپ کی عادت تھی کہ کبھی اعلیٰ قسم کا لباس پہنتے تھے اور کبھی معمولی اُون کا۔ آپ سے اس کی مصلحت دریافت کی گئی تو فرمایا کہ میں کبھی کبھی اعلیٰ قسم کا لباس اس لئے پہنتا ہوں کہ شان وشوکت والے آدمی میرے پاس آنے اور علمی استفادہ کرنے سے محجوب وشرمندہ نہ ہوں اور کبھی معمولی لباس پہنتا ہوں تاکہ مساکین مرعوب نہ ہوں اور میرے پاس بیٹھنے سے اُن کو ہیبت نہ ہو۔

حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

بعض عوارض کے سبب نہی عن المنکر سے رُک جانا

فرماتے تھے کہ (بعض اوقات) میں کسی شخص کو کسی معصیت کی حالت میں دیکھتا ہوں مگر اُس کو منع کرتا ہوا شرماتا ہوں کہ میں اپنے نفس کو حقیر سمجھتا ہوں (کہ میں اس لائق کہاں ہوں کہ خود ہزاروں عیوب میں مبتلا ہو کر اپنے سے اچھے آدمی پر حکم چلاؤں)

(**ف**): کسی ایسی حالت کا غلبہ عذر ہوسکتا ہے لیکن اَمر اصلی یہی ہے کہ استحضار تواضع کے ساتھ نصیحت ترک نہ کرے۔

اصل حقیقت ذکر کی کیا ہے

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہو وہ ذاکر ہے اور جو نافرمانی کرے وہ ذاکر نہیں اگرچہ تسبیحات اور تلاوتِ قرآن کی کثرت کرتا ہو۔

(**ف**): یہ مراد نہیں کہ اس حالت میں یہ بیکار ہے بلکہ مقصود یہ ہے کہ اعظم مطلوب اطاعت ہے اُسکے ہوتے ہوئے اوراد کی تقلیل مضر نہیں اور اُس کے نہ ہوتے ہوئے اوراد کی تکثیر زیادہ نافع نہیں۔

آفاتِ علم سے بچنے کے متعلق

(جب علماء کی ذمہ داریوں کا خیال آتا اور خشیت کا غلبہ ہوتا تھا تو) فرماتے تھے کہ کاش مَیں علم نہ سیکھتا اور کاش مَیں دنیا سے برابر سرابر نکل جاؤں کہ مجھے اس علمی خدمت کا نہ کوئی ثواب ملے اور نہ عذاب ہو۔ (ف) اس سے وہ علم مستثنیٰ ہے جو ان پر عمل کے لئے ضروری ہے تبلیغی علم مراد ہے۔

حضرت ماہان بن قیس کے ارشادات

ظاہر پر باطن کی ترجیح

آپ سے حضرات صوفیہ کے اعمال کے متعلق پوچھا گیا کہ کیا اور کس قدر تھے۔ فرمایا کہ اُن کے اعمال قلیل تھے (مگر) قلوب (رذائل سے) پاک تھے۔ (اس لئے وہ قلیل بھی ہمارے کثیر سے افضل واعلیٰ تھے۔)

حضرت طلحہ بن مصرف رحمہ اللہ کے بعض حالات

لوگوں کے عظیم سمجھنے کا علاج

آپ کی عادت تھی کہ جب لوگ آپ کو آپ کے ہم عصروں میں سے کسی سے بڑا اور افضل کہتے تو آپ اُس کی مجلس میں حاضر ہو کر اُس سے کوئی کتاب پڑھ لیتے تھے اور شاگردانہ اُس کی مجلس میں بیٹھتے تھے تاکہ لوگوں کا خیال زائل ہو جائے کہ آپ اُس سے اعلم وافضل ہیں۔

حضرت اویس خولانی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض حالات

اپنے نفس کو تکلیف پہنچا کر سزا دینا

اگر کبھی آپ کو اعمال میں سستی ہو جاتی تھی تو اپنی پنڈلیوں پر کوڑے مارتے تھے۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عمر اوزاعی رحمہ اللہ کے بعض حالات

حیوانات پر رحم وشفقت

آپ صحرائی شکار کو اُس زمانہ میں پسند نہ کرتے تھے جس میں جانور بچے نکالتے تھے کیونکہ اگر ماں شکار کر لی گئی تو بچے برباد ہوں گے اور بچے شکار کر لئے گئے تو ماں پر مصیبت ہوگی۔

حضرت حسّان بن عطیہ رحمۃ اللہ علیہ کے بعض حالات

کسی خاص وقت میں خلوت کی عادت ڈالنا

آپ کی عادت تھی کہ جب عصر کی نماز پڑھ لیتے تو مسجد کے ایک گوشہ میں بیٹھ کر غروب تک ذکر اللہ میں مشغول رہتے تھے۔

حضرت عبدالواحد بن زید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

غیر اختیاری حالات میں تمنا کا قطع کرنا

فرماتے تھے کہ بندہ کا سب سے بہتر حال یہ ہے کہ قضاءِ الٰہی کی موافقت کرے۔ اگر حق تعالیٰ اُس کو اپنی اطاعت کے لئے باقی رکھیں تو اُس پر راضی ہو اور اگر وفات دے دیں تو خوشی سے اُس پر راضی ہو، کسی نے خوب کہا ہے ۔

نہ کوئی ہجر بُرا نہ وصال اچھا ہے یار جس حال میں رکھے وہی حال اچھا ہے

عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ۔

فراق و وصال چہ باشد رضائے دوست طلب
کہ حیف باشد از د غیر اُو تمنائے

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

چونکہ بر میخت بہ بندو بستہ باش   چوں کشاید چابک و برجستہ باش

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

طالب علم کے لئے ظاہری غنا کی حکمت

آپ فرماتے تھے کہ میرا دل چاہتا کہ طالب علم کے پاس بقدرِ کفایت مال موجود ہو کیونکہ اگر وہ دوسروں کا محتاج اور ذلیل ہوتا ہے تو طرح طرح کی آفتیں اور لوگوں کے طعن و تشنیع بہت تیزی سے اُس کی طرف چلے جاتے ہیں۔

ضرورت کے لئے مرض کا اظہار صبر کے منافی نہیں

آپ فرماتے تھے کہ اگر (ضرورت سے) اپنے کسی عزیز سے اپنی تکلیف بیان کرے تو یہ اللہ تعالیٰ کا شکوہ نہیں (جو مذموم ہو)۔

معاش کی سہولت و فراخی حاصل کرنا

آپ کا ارشاد ہے کہ جب تم کو یہ خبر ملے کہ فلاں بستی میں اشیاء کی ارزانی اور معاش کی سہولت ہے (اگر ضرورت سمجھو) تو وہاں پہنچ جاؤ۔ کیونکہ وہاں کی سکونت تمہارے قلب اور دین کے لئے زیادہ اسلم و بہتر ہے۔ آپ نے فرمایا نیز کہ لوگوں کی طرف محتاج ہونے سے مجھے یہ زیادہ پسند ہے کہ میں دس ہزار دینار کا ذخیرہ اپنے پیچھے چھوڑ جاؤں اور قیامت میں مجھ سے اُن کا حساب و کتاب بھی ہو۔ کیونکہ پہلے زمانہ میں تو مال ناپسندیدہ چیز سمجھی جاتی تھی۔ مگر آج کل تو وہ مسلمان کے لئے ڈھال ہے جو اُس کو سلاطین و اُمراء کے سامنے دستِ سوال دراز کرنے سے بچاتا ہے۔

احسان جتانے والے کا ہدیہ واپس کرنا

آپ کو کوئی ہدیہ دیا جاتا تو آپ واپس فرما دیتے تھے (یعنی اس شخص کا ہدیہ جس

کے متعلق یہ گمان ہو کہ یہ ہدیہ دے کر فخر کرے گا اور احسان جتائے گا) اور (اس قید کی دلیل حضرت سفیان رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ہے کہ) فرماتے تھے، اگر میں جانتا کہ یہ لوگ اپنے ہدایا پر فخر اور احسان نہ جتائیں گے تو میں ان کے عطیات قبول کر لیتا۔

مداہنت کی ایک علامت

فرماتے تھے کہ دوستوں کی کثرت دین کے ضعف (یعنی اَمر بالمعروف میں مداہنت) کی علامت ہے۔ (ف) کیونکہ جو شخص دین کے معاملہ میں روک ٹوک کرتا رہتا ہے لوگ اُس سے ناراض ہو جاتے ہیں اُس کے دوست زیادہ نہیں ہو سکتے۔

بعض اوقات میں لوگوں سے قطع نظر کر کے صرف اپنی فکر میں لگنا بہتر ہوتا ہے

ارشاد فرمایا کہ یہ زمانہ ایسا ہے کہ اس میں صرف اپنے دین کی حفاظت کی فکر چاہئے دوسروں کی اصلاح کی فکر میں پڑنا فضول ہے۔ اُن) کو اپنے حال پر چھوڑ دینا چاہئے (احقر مترجم کہتا ہے کہ مراد اس سے وہ وقت ہے جبکہ تجربے سے یہ ثابت ہو جائے کہ وعظ و نصیحت بالکل مفید نہیں ہوتی۔

بعض اعمال پر حق عیال مقدم ہے

آپ سے سوال کیا گیا کہ ایک شخص اپنے عیال کے لئے کسب کرتا ہے اور اگر وہ جماعت نماز کا اہتمام کرے تو معاش کی ضرورت فوت ہو جاتی ہے اس کو کیا کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ بقدر ضرورت معاش حاصل کرے اگر جماعت فوت ہو جاوے تو تنہا نماز ادا کرے۔ (ف) مراد واقعی مجبوری ہے نہ کہ نفس کی تراشی ہوئی۔

اہلِ بدعت اور گمراہ لوگوں کے خیالات بلا ضرورت نقل کرنا مضر ہے

آپ فرماتے تھے کہ اگر کسی سے بدعت و گمراہی کی بات سنو تو اپنے اصحاب

سے اُس کو نقل نہ کرو اور اُس کو اُن کے دِلوں میں نہ ڈالو (کہیں ایسا نہ ہو کہ اُن کے قلوب میں اس سے کوئی شبہ پیدا نہ ہو جاوے۔)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

اپنی طرف علم کی نسبت کرنے کی آفت سے اجتناب

ارشاد فرمایا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ مخلوق مجھ سے علم دین حاصل کرے مگر ایک حرف کی نسبت میری طرف نہ کرے (کیونکہ نسبت کی وجہ سے انسان طرح طرح کی ظاہری و باطنی آفتوں کا مرکز بن جاتا ہے۔)

عالم کے لئے اوراد کی ضرورت

فرمایا کہ عالم کے لئے کوئی ایسا ورد (وظیفہ) بھی ہونا چاہئے جو خالص اُس کے اور حق تعالیٰ کے درمیان ہو۔ (مخلوق کا اس سے تعلق نہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ افادۂ علم اگرچہ عبادت ہے مگر بواسطۂ مخلوق تو عالم کو چاہئے کہ کوئی نفلی عبادت بلا واسطہ بھی اختیار کرے کیونکہ ہر قسم کی عبادت کے خواص و انوار جُدا ہیں اُس کو کسی قسم سے محروم نہ ہونا چاہئے۔

لوگوں کے ساتھ خلط ملط اور انقطاع دونوں میں اعتدال

ارشاد فرمایا کہ لوگوں کے ساتھ بے تکلفی (اور ہنسی دل لگی) کا سبب ہے کہ بُرے دوست جمع ہو جاویں اور اُن سے بالکلیہ انقباض و انقطاع اُن کی عداوت کا سبب ہے اس لئے انسان کو چاہئے کہ بہت بے تکلفی اور بالکل انقطاع کے درمیان کی درمیانی حالت اختیار کرے۔

بے حسی اور سخت دلی کی مذمت

فرمایا کہ جس شخص کو غصہ دلایا جاوے (یعنی اس کے ساتھ ایسا معاملہ کیا جاوے جو عادتاً ناراضی کا سبب ہوتا ہے) پھر وہ غصہ نہ ہو تو وہ گدھا ہے (کیونکہ یہ علامت بے

غیرتی اور بے حسی کی ہے۔) اور جس شخص کو راضی کیا جاوے (یعنی عذر معذرت کر کے راضی کرنے کی کوشش کی جاوے) اور وہ راضی نہ ہو تو وہ شیطان ہے۔

حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

علم کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ علم کثرت روایت کا نام نہیں بلکہ (حقیقی) علم ایک نور ہے جو حق تعالیٰ انسان کے قلب میں ڈال دیتا ہے۔

علم کو ذلت سے بچانا

فرماتے تھے کہ عالم کے لئے مناسب نہیں ہے کہ ایسے لوگوں کے سامنے علم و نصیحت کی بات کہے جو اس کو نہ مانیں کیونکہ یہ اس کی ذلت اور علم کی اہانت ہے۔ (حضرت مصنف مدظلہم فرماتے ہیں کہ ضروریات کی تبلیغ اس سے مستثنیٰ ہے کہ وہ بہر حال ضروری ہے کوئی سُنے یا نہ سُنے اور مانے یا نہ مانے جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اُسوۂ حسنہ تبلیغ کفار کے معاملہ میں مشہور ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

بزرگوں کے ادب میں دقت نظری

امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ حضرت علقمہ رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت اسود رحمۃ اللہ علیہ میں سے کون افضل ہیں؟۔ فرمایا کہ بخدا ہم تو ان لوگوں کا نام لینے کے بھی قابل نہیں اُن میں تفاضل تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بعض حالات و مقالات

راستہ میں کسی کیساتھ چلنے کا بار خاطر ہونا طبعاً یا از روئے تواضع

آپ کی عادت تھی کہ جب کہیں جاتے تو کسی کو اپنے ساتھ نہیں چلنے دیتے تھے (خواہ اس وجہ سے کہ بوجہ لطافتِ طبع کے بلا ضرورت کسی کا ساتھ چلنا بارِ خاطر تھا یا تواضع کی وجہ سے یہ ناپسند تھا۔)

بقدر ضرورت طلب دنیا کی اجازت

فرماتے تھے کہ بقدر ضرورت دنیا کو طلب کرنا حُبِّ دنیا میں داخل نہیں۔

حضرت مسعر بن کدام رحمہ اللہ کے بعض حالات و مقالات

ایذاء کی چیزوں سے متاثر ہونا بزرگی وولایت کے خلاف نہیں

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ کیا آپ اس کو پسند کرتے ہیں کہ لوگ آپ کو آپ کے عیوب پر متنبہ کر دیا کریں۔ فرمایا کہ ہاں اگر خیر خواہی سے مطلع کرے تو مجھے پسند ہے اور اگر میری تحقیر و تنقیص کی غرض سے کرے تو پسند نہیں۔

مرض کا اظہار ضرورت کے لئے جائز ہے

فرماتے تھے کہ عارف اگر طبیب سے اپنا مرض بیان کرے تو یہ اپنے مالک کا شکوہ نہیں بلکہ اس کا اظہار ہے کہ حق تعالیٰ مجھ پر ہر طرح قادر و متصرف ہے (اور میں اُس کے سامنے عاجز و مجبور۔)

دنیا کے لئے درسِ حدیث اور فتویٰ کا عذابِ شدید

جب کوئی آپ کو ایذاء پہنچاتا تھا تو اُس کو یہ بد دُعاء دیتے تھے کہ اللہ تعالیٰ تجھ کو محدث یا مفتی بنا دے (مُراد وہ ہے جس کی طرف عنوان میں اشارہ کر دیا گیا ہے

یعنی ایسا محدث و مفتی جو محض دنیا کے لئے یہ کام کرے۔ ورنہ محدث و مفتی کے فضائل روایات میں بکثرت موجود ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے بعض حالات ومقالات

لوگوں کی خدمت مجاہدہ سے زیادہ بہتر ہے

آپ کے سامنے حضرت یوسف بن اسباط رحمۃ اللہ علیہ کی کثرت عبادت کا ذکر کیا گیا۔ آپ نے فرمایا کہ تم نے ایسے لوگوں کا نام لیا کہ اُن کے نام کی برکت سے شفاء حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اگر سارے مسلمان اُنہی کا طرزِ عمل اختیار کرلیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (دوسری) سنتوں، مریضوں کی عیادت، جنازہ کی نماز اور اسی قسم کی دوسری طاعات کوکون ادا کرے گا۔ (مطلب یہ ہے کہ ان سنتوں پر عمل کرنا مجاہدہ فی العبادات سے افضل ہے۔ مراد تفرغ للمجاہدہ ہے ورنہ معتدل مجاہدہ ضروری اور طاعات مذکورہ کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے۔

حضرت یوسف بن اسباط رحمہ اللہ کے بعض ارشادات

مصائب سے بچنے کی کوشش میں میانہ روی کیجئے

آپ فرماتے تھے کہ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جو شخص کسی نازل شدہ مصیبت سے بھاگتا ہے وہ اُس سے زیادہ سخت مصیبت میں گرفتار ہوجاتا ہے اس لئے تمہیں چاہیے کہ صبر اختیار کرو یہاں تک کہ حق تعالیٰ اپنے فضل سے یہ مصیبت تم سے دُور فرمادے۔ (حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مصیبت سے مراد وہ مصیبت ہے جس کا دفعیہ دشوار ہو اس کے قبضہ میں نہ ہو۔ ورنہ مصیبت سے بچنے کی کوشش بقدر وسعت مسنون ہے۔

❁❁❁

حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

طلب دنیا بغیر انہماک کے جائز ہے

فرماتے تھے کہ بقدرِ ضرورت دنیا کو طلب کرنا حب دنیا میں داخل نہیں۔ ایسا ہی قولِ قریب احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کا گذر چکا۔

حضرت حذیفہ مرعشی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

شدت احتیاط

آپ فرماتے تھے کہ اگر مجھے اندیشہ نہ ہوتا کہ میں فلاں صاحب کے پاس جاؤں گا تو کچھ نہ کچھ ان کے لئے تصنع کرنا پڑے گا تو میں ضرور ان کی مجلس میں حاضر ہوتا۔ لیکن چونکہ تصنع و ریاء کا خطرہ ہے اس لئے حاضر نہیں ہوتا۔ آپ لوگ میرا سلام اُن کو پہنچا دیں۔

سلامت خلوت میں ہے

فرماتے تھے کہ کوئی نیک کام میں اس سے افضل نہیں سمجھتا کہ آدمی اپنے گھر میں رہے (کسی سے اختلاط نہ کرے) اور اگر میرے سامنے کوئی ایسی تدبیر ہوتی جو مجھے ادائے فرض کے لئے باہر نکلنے سے سبکدوش کر دیتی تو میں ضرور اس کو کر لیتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن مہدی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات (متوفی ۱۹۸ھ۔۱۲)

آداب مجلس

اُن کے شاگرد و مرید جب اُن کے سامنے بیٹھتے تھے تو اس قدر سکون و تواضع سے بیٹھتے تھے کہ گویا اُن کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں (یعنی جیسے کسی کے

سر پر کوئی چڑیا بیٹھ جاوے اور وہ چاہے کہ یہ اُڑے نہیں تو نہایت سکون سے بیٹھے۔ اسی طرح یہ لوگ سکون سے بیٹھتے تھے۔

ترکِ ادب پر مجلس سے اُٹھا دینے کی سزا

ایک شخص (مریدین میں سے) آپ کی مجلس میں ہنس پڑا۔ تو فرمایا کہ بعض لوگ طلب علم کے مدعی ہیں اور مجلس میں ہنستے ہیں۔ یہ شخص دو مہینے تک میری مجلس میں نہ آوے اس کو دو مہینے تک آنے سے روک دیا۔

حضرت محمد بن اسلم طوسیؒ (متوفی ۲۲۶ھ۔۱۲) کے ارشادات

سوادِ اعظم کی تفسیر

آپ فرماتے تھے کہ سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کا اتباع کرنا چاہئے۔ لوگوں نے سوال کیا کہ سوادِ اعظم کون سی جماعت ہے۔ فرمایا کہ وہ ایک مرد عالم یا دو (تین) ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور آپ کے اُسوۂ حسنہ کے پیرو ہیں۔ مطلقاً مسلمانوں کی ہر جماعت مراد نہیں۔ تو جو شخص اِن جیسے ایک دو آدمیوں کے تابع ہوں وہ ہی آدمی (بڑی) جماعت (اور سوادِ اعظم) ہیں اور جو شخص ان کا مخالف ہو وہ (سوادِ اعظم) جماعت کا مخالف ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

ہدیہ قبول کرنے کے آداب

حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے (ترجمہ) ایک لقمہ میں جو بے صاف کئے ہوئے نمک کے ساتھ کھاؤں بلاشبہ اس (عمدہ) پھل سے میرے نزدیک زیادہ لذیذ ہے جس کے اندر تنکے بھرے ہوں۔

(حضرت مصنف رحمہ اللہ فرماتے ہیں) کہ مراد اس سے یہ ہے کہ ایسا ہدیہ جس

کے اندر کوئی روگ اور مخفی نقصان ہو جیسے وہ ہدیہ جو کسی کو اُس کے دین اور اصلاح و تقویٰ کی وجہ سے اس طرح دیا جاوے کہ اگر یہ اوصاف اس میں نہ ہوتے تو یہ ہدیہ نہ دیتا۔ تو اس ہدیہ کا ادب یہ ہے کہ دینے والے کو واپس کر دیا جاوے اور صرف اُس شخص کا ہدیہ قبول کیا جاوے جس کے متعلق یہ اطمینان ہو کہ وہ ہر حال میں محبت کرتا ہے۔ یہی ایسا پھل ہے جس کے اندر زنبور نہیں۔

حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

عورتوں کے سلام پہنچانے پر انکار

آپ سے ایک شخص نے کہا کہ میری بیوی آپ کو سلام کہتی ہے فرمایا کہ عورتوں کے سلام ہمیں نہ پہنچایا کرو۔ **(ف)** گو بعض مواقع پر جائز بھی ہو مگر پوری احتیاط یہی ہے۔

تواضع کے حدود

آپ فرماتے تھے کہ تمام خلق اللہ کے سامنے تواضع (عاجزی) سے پیش آؤ مگر جو شخص خود تم سے تواضع کرانا چاہے اس کے سامنے ہرگز تواضع نہ کرو۔ کیونکہ اُس کا ایسا چاہنا اُس کے تکبر کی علامت ہے (اب اگر تم اُس کے سامنے تواضع و عاجزی کرو گے تو) تمہاری تواضع اس کے تکبر کی اعانت ہوگی۔

حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ارشادات

علم پر عمل کرنے کی خاصیت

آپ فرماتے تھے کہ جب کوئی عالم اپنے علم پر عمل کرتا ہے تو عامۂ مؤمنین کے قلوب اس کے لئے ہموار ہو جاتے ہیں (یعنی محبت کرنے لگتے ہیں) اور جس شخص کے دل میں کوئی مرض اور کھوٹ ہوتا ہے وہ اُسے ناپسند کرنے لگتا ہے۔

(ف) گویا عالم باعمل قلوب کو پرکھنے کے لئے ایک کسوٹی ہے۔ اُس کی محبت

سلامت ایمان ومقبولیت کی علامت ہے اور اُس کا بغض مطرود و نا مقبول ہونے کی علامت۔ اللھم ارزقنا حبک و حب من ینفعنا حبہ عندک۔

حضرت ابونصر بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے بعض ملفوظات

بعض مُردوں کا فی الحقیقت زندہ ہونا اور بعض زندوں کا مُردہ ہونا

حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے لئے وہ لوگ کافی ہیں جو بظاہر مر چکے ہیں مگر اُن کے قلوب ذکر سے زندہ ہوتے ہیں یعنی ان کے ہوتے ہوئے ایسے زندوں کی ضرورت نہیں جن کا ذکر بعد میں آتا ہے کافی ہونے کے یہ معنی ہیں اور بہت سے آدمی ایسے ہیں کہ اُن کے دیکھنے سے بھی زندہ قلوب میں قساوت پیدا ہوجاتی ہے (جو قلب کے لئے بمنزلہ موت ہے)

معانی کو الفاظ پر ترجیح

آپ فرماتے تھے کہ جب تم کسی کو خط لکھو تو حُسنِ عبارت کے تکلف کے ساتھ اُس کو مزیّن نہ بناؤ۔ اس لئے کہ ایک مرتبہ میں نے ایک خط لکھا۔ پھر ایک ایسا کلام میرے ذہن میں آیا کہ اگر اُس کو لکھتا ہوں تو عبارت بہت چُست اور عمدہ ہوجاتی ہے مگر اس کلام میں کذب تھا اور اگر اس کو چھوڑ دیتا ہوں تو عبارت معمولی ہوجاتی ہے مگر اس صورت میں کلام صادق رہتا ہے میں نے تأمل کرنے کے بعد اسی (دوسری) صورت کو اختیار کیا جس سے عبارت معمولی مگر صادق رہے۔ تو مکان کے ایک گوشہ سے ہاتف (غیبی آواز دینے والے) نے آواز دی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو دنیا و آخرت میں قول ثابت (صحیح) پر ثابت قدم رکھتا ہے۔

غیر ضروری تعلقات سے پرہیز کرنا

فرمایا کہ جو شخص یہ چاہتا ہے کہ دنیا میں عزیز اور آخرت میں مامون رہے۔ اس کو

چاہئے کہ محدث اور شاہد اور امام نہ بنے اور کسی کا کھانا نہ کھائے۔ حضرت مصنف مدظلہم فرماتے ہیں کہ محمل اس کلام تمام کا وہ ہے جس کی طرف عنوان میں اشارہ کر دیا گیا ہے

(ف) یعنی جب کہ روایت حدیث کرنے والے دوسرے لوگ موجود ہوں اور کوئی خاص حاجت اس کو داعی نہ ہو تو منصبِ تحدیث اختیار نہ کرے۔ اسی طرح جب احیاءِ حق کے لئے دوسرے لوگ گواہی دینے والے موجود ہوں تو خود گواہی سے بچے۔ ایسے ہی جب امامت کے قابل دوسرے آدمی موجود ہوں تو امام نہ بنے۔ اور جب تک کوئی شرعی ضرورت خواہ اپنی حاجت یا کھانا کھلانے والے کی ضروری دلداری وغیرہ داعی نہ ہو اُس وقت تک کسی کا کھانا نہ کھائے۔ حضرت ممدوح کی اس تقریر سے یہ شبہ بھی رفع ہو گیا کہ محدث اور امام اور شاہد بننا اور اسی طرح دوسروں کا کھانا کھانا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء راشدین اور ائمہ دین سے ثابت ہے پھر اُس سے کیسے منع کیا جاتا ہے۔ کیونکہ ان حضرات نے بحدِ ضرورت اس کو اختیار فرمایا ہے۔

صحبت کے بعض آثار کا بیان

آپ فرماتے تھے کہ بُرے لوگوں کی صحبت نیک لوگوں کے ساتھ بدگمانی پیدا کر دیتی ہے۔ اور نیک لوگوں کی صحبت بدوں کے ساتھ بھی حسنِ ظن پیدا کر دیتی ہے۔ اور کوئی بندہ نہیں کہ حق تعالیٰ کسی بندہ سے ہرگز یہ سوال نہ کریں گے کہ تو نے میرے بندوں کے ساتھ نیک گمان کیوں رکھا (مطلب یہ کہ صحبتِ اخیار سے جو اشرار کے ساتھ نیک گمانی پیدا ہو جائے گو خلاف واقع ہو مگر اس پر مواخذہ نہ ہو گا اس لئے اس میں خطرہ نہیں)

گمنامی کی فضیلت

فرماتے تھے کہ اس زمانہ میں فقیر کے لئے بڑی غنیمت ہے کہ لوگ اس سے نا واقف ہوں اور ان پر اس کا مرتبہ (بزرگی و مقبولیت) مخفی رہے کیونکہ اکثر لوگوں کی ملاقات (موجب) خسارہ ہے۔ (ف) وجہ یہ ہے کہ اکثر لوگوں پر دین کا رنگ

غالب نہیں ایسے لوگ تو کسی غیبت و گناہ میں مبتلا کریں گے ورنہ کم از کم لایعنی اور بیکار باتوں میں ضرور ہی وقت ضائع کریں گے۔

حضرت حارث ابن اسید محاسبی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات.....(متوفی ۲۴۳ھ۔۱۲)

طبعی خطرات توکل کے منافی نہیں

آپ سے پوچھا گیا کہ کیا متوکل آدمی کو طبعی طور پر طمع پیش آسکتی ہے۔فرمایا یہ محض (غیر اختیاری) خطرات ہیں جو اس کے لئے ذرا مضر نہیں۔

حضرت شقیق بن ابراہیم بلخی کے ارشادات

(حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں)۔

بلا عذر شرعی کے ہدیہ واپس کرنے کی مذمت

فرمایا کہ میں حضرت ابراہیم بن ادھم سے ملا تو فرمایا کہ ایک مرتبہ میں حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ جمع ہوا تو انہوں نے میرے سامنے ایک سبز پیالہ جس میں سکباج (ایک قسم کا شوربہ ہے) جس میں سرکہ کی ترشی شامل کی جاتی ہے) کی خوشبو تھی، پیش کیا اور فرمایا کہ ابراہیم کھاؤ۔ میں نے انکار کر دیا تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں نے فرشتوں کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ جس شخص کو کوئی چیز (بوجہ حلال) دی جاوے اور وہ بلا عذر شرعی) قبول نہ کرے تو وہ ایسی حالت میں مبتلا کیا جاتا ہے کہ) وہ سوال بھی کرے تو نہیں دیا جاتا۔

حضرت یحییٰ بن معاذ رحمہ اللہ کے ارشادات (متوفی ۲۵۸ھ۔۱۲)

مضر صحبت کے بیان میں

اپنے متعلقین سے فرمایا کرتے تھے کہ تین قسم کے لوگوں کی صحبت سے پرہیز کرو۔ غافل علماء اور مداہنت کرنے والے (حق پوشی کرنے والے) مبلغین اور کاہل وست درویش جو فرائض دین کا علم حاصل کرنے سے پہلے مجاہدات اور نفلی عبادات میں لگ گئے (انہوں نے ضروری علم دین حاصل کرنے سے کاہلی کی)

مخلص دوستوں کا کم ہونا

فرماتے تھے کہ ولی نہ ظاہر داری کرتا ہے نہ نفاق اور جس شخص کی یہ عادت ہوگی اُس کے دوست بہت کم ہوں گے۔

عابد زاہد کیلئے عیال سے غفلت کی مذمت

آپ فرماتے تھے کہ عیال (یعنی جن لوگوں کا نفقہ وتربیت اس شخص کے ذمہ ہے اُن) کو (غفلت سے) ضائع کر کے (نفلی) عبادت میں مشغول ہونا جہل ہے۔

حضرت ابوتراب نخشبی (متوفی ۲۴۸ھ) کے ارشادات

ہر زمانہ میں اُسکے مناسب حکمتوں کا علماء کے قلب میں واقع ہونا

فرمایا کہ ہر زمانہ کے علماء کی زبانوں پر حق تعالیٰ وہ علم وحکمت جاری فرماتا ہے جو اُس زمانہ کے اعمال کا مقتضیٰ ہو۔

جو شخص ذکر اللہ میں مشغول ہو اس سے بات کرنے کیلئے فارغ ہونے کا انتظار کرنا چاہئے

فرمایا کہ جو شخص ایسے آدمی کا دھیان بٹائے جو ذکر اللہ میں مشغول ہو خدا تعالیٰ

کا غضب اُس کو فوراً پکڑ لیتا ہے۔

بلاضرورت سفر کا نقصان

فرمایا کہ سالکین و مریدین کے لئے میرے نزدیک کوئی چیز اس سے زیادہ مضر نہیں کہ وہ اپنے شیخ کی اجازت کے بغیر اپنی مرضی کے موافق سفر کرتے پھریں۔

تواضع میں مبالغہ کا بیان

فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو فرعون سے (بھی) بہتر جانے اُس نے اپنا تکبر ظاہر کر دیا۔ (ف) ایمان فی الحال کے اعتبار سے مراد نہیں بلکہ بقاء ایمان فی المآل کے اعتبار سے۔ اور حال و ذوق کا درجہ عوام کے سمجھنے کا نہیں۔

سید الطائفہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

ہدیہ پیش کرنے والے کا لطیف ادب

ایک شخص آپ کے پاس پانچ سو دینار لایا اور آپ کے سامنے رکھ دیئے اور عرض کیا ان کو اپنی جماعت (صوفیہ) میں تقسیم کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا کہ تمہارے پاس اس کے سوا بھی کچھ مال ہے؟ اُس نے عرض کیا کہ ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مال اور زیادہ ہو جائے۔ عرض کیا کہ ہاں چاہتا ہوں۔ ارشاد فرمایا کہ یہ دینار تم ہی رکھو کہ تم ہم سے زیادہ اُن کے محتاج ہو۔ (ف) کیونکہ ہم تو نہ اُن کے خواہش مند ہیں نہ ان پر زیادتی کے اور تم زیادتی کے طالب ہو۔ اس شخص نے اپنے پاس اور مال موجود کا غالباً یہ سمجھ کر اقرار کیا ہوگا کہ کہیں یہ سمجھ کر اس کا ہدیہ رَد نہ کر دیا جاوے کہ اس کے پاس صرف یہی مال تھا جو لے آیا اس کو بعد میں پریشانی ہوگی۔ مگر یہاں یہی چیز رَد کرنے کا سبب ہوگئی۔ عجب نہیں کہ اس شخص کے نفس میں یہ خیال ہو کہ ان حضرات کو ہدیہ دینے سے مال میں برکت اور زیادتی ہو جائے گی۔ اور یہ خیال اخلاص کے خلاف

ہے۔اس لئے حضرت شیخ نے یہ سوال کر کے اُس کا ہدیہ واپس فرمادیا۔

یہ تو مترجم کی توجیہ ہے اور حضرت مؤلف نے یہ کہا ہے کہ غالباً صوفیہ کے مذاق کے اور جنید رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کے مناسب یہ ہے کہ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کو ہدیہ دینے والے میں طمع وحرص کے آثار محسوس ہوئے جس سے یہ احتمال ہوا کہ یہ ہدیہ کے بعد پچھتاوے گا آپ نے ایک ایسے لطیف طریق سے عذر فرمادیا جس کا اُس سے جواب بھی نہ بن پڑے اور اُس کی دل شکنی بھی نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت رویم ابن احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

وسعت اور تنگی برتنے کے مواقع کا بیان

آپ کے ارشادات میں سے ہے کہ حکیم کی حکمت کا مقتضا یہ ہے کہ احکام میں اپنے بھائی مسلمانوں پر تو وسعت کرے (یعنی جہاں تک شرعی گنجائش ہو اُن کو آسان عمل بتلائے) اور اپنے نفس پر تنگی برتے (یعنی خود احتیاط اور تقویٰ پر عمل کرے) کیونکہ عام مسلمانوں پر وسعت کرنا علم کا اتباع ہے اور اپنے نفس پر (بقدر تحمل) تنگی (یعنی احتیاط اور عزیمت پر عمل) کرنا تقویٰ کا مقتضیٰ ہے۔

زیادہ میل جول کا مضر ہونا اگرچہ صلحاء ہی کے درمیان ہو

فرمایا کہ صوفیہ کرام اُس وقت تک خیر پر ہیں جب تک ایک دوسرے سے یکسوئی رکھیں اور جب آپس میں میل جول کرنے لگیں تو ہلاک ہو جائیں گے۔ (ف) مراد وہ اختلاط اور میل جول ہے جس میں اوقات ضائع ہوں یا بے ضرورت ہو۔

حضرت شاہ بن شجاع کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

(حضرت ابوتراب بخشی کے اصحاب میں سے ہیں۔۱۲)۔

اپنے کمال کو کمال سمجھنا اُس کو برباد کرنا ہے

فرماتے تھے کہ اہل فضل وکمال کی فضیلت اُسی وقت تک ہے کہ وہ خود اُس کی طرف نظر والتفات نہ کریں اور جب خود اُس پر اپنی نظر ہونے لگے تو کوئی فضیلت نہ رہی۔ اسی طرح اولیاء کی ولایت اُسی وقت تک ہے کہ وہ خود اُس پر (فخر کے ساتھ) نظر نہ کریں اور جب اُس پر اپنی نظر ہونے لگی تو کچھ ولایت نہ رہی۔

(ف) مطلب یہ ہے کہ خود بینی سے فضل وکمال اور ولایت نہیں رہتی۔ اور جن اولیاء سے اپنی ولایت کا اعلان وتذکرہ خود منقول ہے وہ خود بینی کے طور پر نہ تھا بلکہ کسی وارد کے ماتحت اور یا کسی دینی مصلحت کی بناء پر۔

اولیاء اللہ سے محبت کرنے اور اُنکے محبوب ہونیکی فضیلت کا بیان

فرمایا کہ کوئی عابد اس سے اچھی عبادت نہیں کر سکتا کہ ایسے اعمال اختیار کرے جن سے وہ اولیاء اللہ کی نظر میں محبوب ہو جاوے۔ کیونکہ جب اولیاء اللہ سے محبت کی تو اللہ تعالیٰ ہی سے محبت کی اور اگر اولیاء اللہ نے اُس سے محبت کی تو (گویا) اللہ تعالیٰ نے ہی اُس سے محبت کی۔

حضرت محمد بن عمر حکیم وَرّاق کے ارشادات

(حضرت احمد خضرویہ کے دیکھنے والوں میں سے ہیں۔۱۲)۔

مبتدی کے لئے سفر کا مضر ہونا

آپ اپنے مریدین کو سفر اور سیر و سیاحت سے منع فرماتے اور کہتے تھے کہ ہر

برکت کی کنجی یہ ہے کہ اپنے موقع ارادت میں استقلال کے ساتھ جمے رہو جب تک وہ ارادت اپنے حال پر پختہ نہ ہو جاوے۔ (یعنی خیالات و معمولات ایک حال پر برقرار ہو جاویں۔ مبتدی کو جو انتشار ہوتا ہے وہ زائل ہو جاوے) جب ارادت قرار پا جاوے اُس وقت برکت کے ابتدائی آثار کا ظہور شروع ہوتا ہے (سو اگر اس ابتداء ہی میں انضباط فوت ہو گیا جو سفر کے لوازم عادیہ سے ہے تو پھر ابتداء ہی بگڑ جائے گی۔ آگے انتہائی برکات کی کیا توقع ہوگی۔

تکبر کے ساتھ عبادت کا نافع (کامل) نہ ہونا

فرمایا کہ بدعمل اور گناہگاروں کی تواضع اور پستی عبادت گذاروں کی تندی اور تکبر سے بہتر ہے۔

حضرت احمد بن عیسیٰ خراز کے ارشادات

حالت گریہ ختم ہو جانے کا وقت

آپ سے دریافت کیا گیا کہ کیا عارف کبھی ایسے حال پر بھی پہنچ جاتا ہے کہ اُس کو رونا نہ آوے۔ فرمایا۔ ہاں بکاء (کا غلبہ اکثر) اُس وقت تک رہتا ہے جب تک سالک سیر الی اللہ (یعنی قطع مقامات سلوک) میں مشغول ہے۔ پھر جب وہ حقائق قرب پر پہنچتا ہے (یعنی) اپنے مناسب درجہ میں مستقر ہو جاتا ہے) اور اللہ تعالیٰ کے (خاص) انعامات کا ذائقہ چکھتا ہے تو غلبۂ بکاء اُس سے منقطع ہو جاتا ہے اور اسی لئے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اگر تم کو حقیقتاً رونا نہ آوے تو بہ تکلف گریہ کی صورت بناؤ۔ یعنی اپنے مقام سے تنزل اختیار کرو تا کہ سالکین تمہارا اقتداء کریں۔ (ف) قرب و وصول کے بعد گریہ کا انقطاع اکثری ہے لازمی نہیں کیونکہ بعض حضرات پر اُس وقت بھی گریۂ شوق کا غلبہ رہتا ہے جیسا کہ ہفت گریہ میں حضرت شاہ ابوالمعالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے اور یہ دو لطیف اشعار اسی کے متعلق نقل فرمائے ہیں ؎

بلبلے برگِ گلے خوش رنگ در منقار داشت
و اندراں برگ و نوا خوش نالہائے زار داشت
گفتمش در عین وصل ایں نالہٗ و فریاد چیست
گفت ما را جلوہٗ معشوق در ایں کار داشت

اور جن حضرات کی حالت گریہ بوقت وصول وکمال منقطع ہو جاتی ہے وہ بھی اکثر حالات کے اعتبار سے ہے بعض اوقات اُن پر بھی گریہ طاری ہوتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ قرب ووصال کس کو ہوسکتا ہے۔آپ کے متعلق بھی متعدد مواقع پر گریہ طاری ہونا بروایاتِ صحیحہ منقول ہے۔مگر کامل اُس میں بے قرار نہیں ہوتا اُس میں بھی شان سکون کی ہوتی ہے۔(مترجم)

حضرت محمد ابن اسمٰعیل مغربی رحمہ اللہ کے ارشادات

ترکِ تعلقات کا کثرت عبادت سے افضل ہونا

آپ کے ارشادات میں سے ہے کہ جو درویش تعلقات دنیا سے فارغ ہو وہ اگر اعمالِ فضائل ونوافل میں سے کچھ بھی نہ کرے تب بھی اُن عباد سے افضل ہے جن کے ساتھ دنیا ہے۔ بلکہ تارکِ دنیا درویش کے عمل کا ایک ذرّہ اہل دنیا کے پہاڑ کے برابر اعمال سے افضل ہے۔

حضرت احمد بن مسروق کے ارشادات

عقل کا اتباع کس حد تک ہونا چاہیۓ؟

جو شخص اپنی عقل کی حفاظت کے لئے اپنی عقل کے ذریعہ سے اپنی عقل (کی آفاۃ سے) پرہیز نہ کرے وہ اپنی عقل ہی کی بدولت ہلاک ہوگیا۔

(**ف**) مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اتباعِ عقل میں ایسا غلو کرے کہ عقل حقیقی اور کامل

کے مقتضی یعنی اتباع وحی ونبوت سے نکل جاوے۔ جیسا کہ فلاسفہ کو پیش آیا۔ وہ ہلاک ہوگا۔
اُستاذی وسیدی حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبند نے اسی مضمون کے متعلق سلف میں سے کسی بزرگ کا نہایت لطیف جملہ نقل فرمایا تھا کہ **عقلک دون دینک و ثوبک دون قدرک** یعنی انسان کو چاہیے کہ اپنی عقل کو دین سے کم (یعنی اس کا تابع) رکھے اور اپنا لباس اپنے درجہ (حیثیت) سے کم رکھے۔ (احقر مترجم)

علم ظاہر کے اشتغال میں افراط ومبالغہ کی مضرت

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ خواب میں دیکھا کہ قیامت قائم ہے اور دسترخوان بچھے ہوئے ہیں۔ مَیں نے اُن پر بیٹھنے کا اِرادہ کیا تو لوگوں نے مجھ سے کہا کہ یہ دسترخوان تو صوفیاء کرام کے واسطے ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ میں بھی تو اُنہی میں سے ہوں۔ تو ایک فرشتہ نے مجھ سے کہا کہ بے شک تم اُن میں سے تھے مگر تمہیں کثرتِ حدیث نے اور ہم عصروں پر توفق و تفاضل کی خواہش نے اُن کے درجہ تک پہنچنے سے روک دیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں توبہ کرتا ہوں۔ پھر مَیں بیدار ہوگیا تو قوم (صوفیاء) کے طریق میں مشغول ہوگیا اور (اپنے دِل میں) کہا کہ حدیث کیلئے میرے سوا دوسرے علماء ہیں۔

(ف) معلوم ہوا کہ جب علم ظاہر کی تعلیم وتبلیغ علماء کررہے ہوں تو بہتر یہ ہے کہ اپنے باطن کی اصلاح وتنویر اور عبادت وذکر میں مشغول ہو۔ علم ظاہر میں ضرورت سے زیادہ اشتغال نہ کرے۔ کیونکہ خود اُس سے مقصود عمل صحیح ہے جو حاصل ہے طریق کا۔

حضرت اسمٰعیل بن سہل کے ارشادات

(حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کے اقران میں سے ہیں)۔

جو فضائل کسی کی طرف منسوب کئے جاتے ہوں اُن پر نظر نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ فقیہ وہ شخص ہے جو ان فضائل وکمالات کے نیچے نہ آئے جن کی نسبت

اُس کی طرف کی جاتی ہے۔ (یعنی اُن پر فخر و مباہات کے طور پر نظر نہ کرے۔)

حضرت ابوالعباس ابن عطار رحمہ اللہ کے ارشادات

اپنے اعمال کو حقیر سمجھنا

آپ سے کسی نے دریافت کیا کہ مردانگی کس کو کہتے ہیں؟ فرمایا کہ مردانگی یہ ہے کہ اپنے کسی عمل کو حق تعالیٰ کے لئے زیادہ نہ سمجھے۔

اپنے نفس پر ہمیشہ مواخذہ کرنا

آپ فرماتے تھے کہ محبت (کامل) یہ ہے کہ ہمیشہ اپنے نفس پر مواخذہ اور محاسبہ جاری رکھے۔

حضرت ابراہیم خواص رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

صورتِ علم پر حقیقت علم کی ترجیح

فرماتے تھے کہ علم تو اُسی شخص کا ہے جو علم کا اتباع کرے اور اُس پر عمل کرے اور سنت کا اقتداء کرے۔ اگرچہ (عرفی اور رسمی طور پر) وہ کم علم ہو۔

حضرت ابوحمزہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

نیکی پر شکر ادا کرنا

فرماتے تھے کہ جب اللہ تعالیٰ تم پر کسی نیکی کا راستہ کھولیں۔ تو اُس کو لازم پکڑ لو اور اس سے بچو کہ تم اُس پر نظر کرنے لگو یا اُس پر فخر کرو اور اُس ذات کے شکر میں مشغول ہو جاؤ جس نے تمہیں اس کی توفیق دی۔ کیونکہ تمہارا اُس پر (بطور فخر و مباہات) نظر کرنا تمہیں اپنے مقام سے گرا دے گا۔ اور شکر میں مشغول ہونا

تمہارے لئے زیادتی اور ترقی کا موجب ہوگا۔

جب کلام کی ضرورت نہ رہے تو سکوت کا مطلوب ہونا

مروی ہے کہ آپ بہت شیریں کلام تھے۔ ایک مرتبہ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ تم نے کلام کیا اور بہت اچھا کیا۔ اب یہ باقی رہ گیا ہے کہ سکوت کرو اور (وہ بھی) اچھی طرح کرو (یعنی سکوت کا بھی حق ادا کرو) اس کے بعد وفات تک آپ نے کلام نہیں کیا (کسی کلام میں ضرورت کا درجہ نہ دیکھا ہوگا)

حضرت ابوعبداللہ شخیری رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

گناہ پر کسی کو عار نہ دِلانا چاہیئے

فرمایا کہ کسی شخص کو اس کے گناہ پر عار نہ دِلاؤ، جب تلک تمہیں یہ یقین نہ ہو جائے کہ تمہارے سب گناہ بخش دیئے گئے اور (ظاہر ہے کہ یہ درجہ تمہیں حاصل نہیں ہوسکتا)

حضرت حامد ترمذی رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

گمنامی کی برکات اور ولی کی بعض علامات

فرمایا کہ ولی ہمیشہ اپنے حالات کے چھپانے میں مشغول رہتا ہے مگر کائنات اُس کی ولایت پر ناطق ہوتی ہے۔ (یعنی حق تعالیٰ کی طرف سے اُس کی ولایت کا اظہار ہو جاتا ہے)

حضرت محمد بن سعید وراق کے ارشادات

(وفات ۳۲۰ھ سے پہلے ہوئی)۔

معافی کا حق

آپ کے ارشادات میں سے ہے کہ مکارم الاخلاق کا تقاضا خطاء کی معافی میں یہ ہے کہ جب تم نے اپنے بھائی کا قصور معاف کردیا تو پھر اُس کو سختی سے کبھی ذکر نہ کرو۔

کسی کی تحقیر دل میں آوے تو اُس کا علاج

آپ کا ارشاد ہے کہ جب ہمارے دل میں کسی شخص کی حقارت واقع ہوتی ہے تو ہم اُس کی خدمت اور اس کے ساتھ حُسنِ سلوک کے لئے کھڑے ہوجاتے ہیں یہاں تک کہ یہ خیال ہمارے دِل سے نکل جائے۔

حضرت ممشاد دینوری رحمہ اللہ کے ارشادات (متوفی ۱۹۷ھ)

اولیاء اللہ کی صحبت میں رہنے کا طریقہ

فرمایا کہ جب کسی بزرگ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اس طرح گیا کہ اپنے قلب کو تمام نسبتوں اور علوم و معارف سے خالی کرلیا اور اس کا منتظر رہا کہ ان کی زیارت اور کلام سے مجھ پر کیا برکات وارد ہوتی ہیں اور یہ اس لئے کہ جو شخص کسی بزرگ کے پاس اپنا ذخیرہ لے کر جاتا ہے تو اس ذخیرہ کی وجہ سے اُس بزرگ کی زیارت وصحبت اور ادب وکلام کی برکات سے محروم رہتا ہے۔

حضرت خیر نساج رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

(سرّی سقطی رحمۃ اللہ علیہ کے دیکھنے والوں میں سے ہیں)۔

اپنے قصور کے استحضار کی برکت

فرمایا کہ وہ عمل جس کے ذریعہ بندہ انتہائی مدارج پر پہنچتا ہے وہ اپنے قصور اور عجز وضعف کا استحضار ومشاہدہ ہے۔

حضرت حسین بن عبداللہ الصنجی رحمہ اللہ کے ارشادات

کسی چیز سے منقطع ہونے کا طریقہ

فرماتے تھے کہ کوئی شے تمہیں کسی شے سے اُس وقت تک منقطع نہیں کرسکتی جب تک کہ قطع کرنے والی چیز تمہارے نزدیک اس سے زیادہ اتم اور اکمل اور اعلیٰ نہ ہو۔ پس اگر برابر یا کم ہو تو تمہیں اُس چیز سے یکسو نہیں کرسکتی۔ کیونکہ اثر اُس چیز کا غالب ہوتا ہے جو قلب پر غالب ہو (مثلاً دین اور آخرت کی فکر دنیا سے اس وقت منقطع کرے گی جب تمہارے قلب میں دین کی عظمت دنیا سے زیادہ ہو)

حضرت جعفر ابن حمدان رحمۃ اللہ علیہ کے ارشادات

تکبر کا نقصان معصیت کے نقصان سے زیادہ ہے

فرمایا کہ اطاعت کرنے والوں کا گنہگاروں پر تکبر کرنا اُن کے گناہوں سے زیادہ شدید اور اُن کے گناہوں سے زیادہ مضرت رساں ہے۔ جیسا کہ کسی گناہ کی توبہ سے بندہ کا غفلت کرنا اُس گناہ کے ارتکاب سے زیادہ بُرا ہے۔

حضرت ابو علی محمد بن عبد الوہاب ثقفی رحمہ اللہ کے ملفوظات

(آپ نے حضرت حمدون کی زیارت کی ہے)۔

مربی کے شرائط

آپ فرماتے تھے کہ اگر کوئی شخص تمام علوم جمع کر لے اور ہر جماعت کے بزرگوں کی صحبت میں رہے وہ مردانِ راہِ خدا کے درجہ کو اس وقت تک نہیں پہنچ سکتا جب تک کسی ایسے شیخ ومقتداء کے سامنے مجاہدہ وریاضت نہ کرے جو تادیب کرنے والا اور خیر خواہ ہو۔ اور جس شخص نے کسی ایسے شخص سے اصلاح حاصل نہ کی جو اس کو (مفید چیزوں کا) اَمر کرنے والا اور (مضر چیزوں سے) منع کرنے والا ہو۔ اور جو اس کو اس کے اعمال کے عیوب اور نفس کی رعونت پر متنبہ کرتا ہو تو صحیح معاملات (اصلاح) میں اُس کی اقتداء درست نہیں۔

ملفوظات حضرت ابو عبد اللہ محمد بن منازل رحمۃ اللہ علیہ

آپ حضرت حمدون رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں۔

فضول کاموں کا ترک کرنا

فرماتے تھے کہ جو شخص کسی بے ضرورت چیز کا التزام کرتا ہے وہ اپنے احوال میں سے بہت سی ایسی چیزوں کو ضائع کر دیتا ہے جن کا وہ محتاج ہو اور وہ اُس کیلئے ضروری ہیں۔

مصلح پر اعتراض نہ کرنا چاہیئے

فرمایا کہ تم جس شخص کے علوم کے محتاج ہو اس کے عیوب پر نظر نہ کرو۔ کیونکہ اُس کے عیوب پر تمہارا نظر کرنا تمہیں اُس کی برکاتِ علوم کے انتفاع سے محروم کر دے گا۔

ملفوظات حضرت ابو الخیر اقطع رحمۃ اللہ علیہ

(جن کی وفات ۳۴۰ھ کے کچھ بعد ہوئی)۔

آپ نے ابوجعفر رحمۃ اللہ علیہ کو خط لکھا کہ اس زمانہ میں درویشوں نے آپ کے معاملہ میں جہالت اور بے قدری اختیار کر لی اور سبب اس کا آپ ہی لوگوں کی طرف سے ہے کیونکہ آپ لوگ مسند شیخیت (تربیت واصلاح) پر حصولِ کمال سے پہلے بیٹھ گئے (اس سے معلوم ہوا کہ اپنی اصلاح سے پہلے دوسروں کی اصلاح کی فکر کرنا مضر ہے۔

حضرت ابوالحسین بن حبان جمال رحمۃ اللہ علیہ

(جو خراز کے اصحاب میں سے ہیں)۔

اولیاء اللہ کا ادب

فرمایا کہ اولیاء اللہ کی قدر شناسی وہی شخص کر سکتا ہے جو خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک عظیم القدر ہو۔

حضرت مظفر قرمیسینی رحمۃ اللہ علیہ

آپ عبداللہ خراز رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے ہیں۔

دوسروں کی اصلاح کے لئے کسی شیخ کامل سے اپنی اصلاح کرانے کا شرط ہونا

فرماتے تھے جو شخص کسی حکیم سے اصلاح وادب حاصل نہ کرے اُس سے کسی مرید کی اصلاح نہیں ہوتی۔

حضرت ابوالحسین علی بن ہند رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات

بزرگوں کی تعظیم کا ثمرہ

فرمایا کہ حق تعالیٰ جس شخص کو بزرگوں کی تعظیم کے ساتھ مشرف فرماتے ہیں

مخلوق کے قلوب میں اُس کی عظمت ڈال دیتے ہیں اور جو شخص اس سے محروم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اُس کی عزت لوگوں کے قلوب سے نکال دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ تم اس کو ہمیشہ مبغوض دیکھو گے۔ حالانکہ اُس کے اخلاق واحوال درست ہوں۔

حضرت ابوالعباس رحمۃ اللہ علیہ کے ملفوظات

اہل مشاہدہ کا لذت سے خالی ہونا

فرمایا کہ کوئی عاقل کبھی مشاہدہ کے ساتھ لذت نہیں پاتا۔ کیونکہ مشاہدۂ حق سبب ہے فنا کا اس میں لذت اور حظ کہاں۔

ملفوظات حضرت ابوبکر طمستانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۴۰ھ

نفس کے کید سے بے فکر نہ ہونا

فرمایا کہ نفس کی مثال آگ جیسی ہے کہ ایک جگہ سے بجھتی ہے تو دوسری جگہ بھڑک اُٹھتی ہے ایسا ہی نفس ہے کہ ایک طرف اُس کو (مجاہدہ وریاضت کر کے مہذب بنایا جاتا ہے تو دوسری جانب سے متاثر ہو جاتا ہے۔

حضرت ابوالقاسم بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۶۷ھ

جذب کا سلوک سے زیادہ سریع الاثر ہونا

فرمایا کہ جذب سلوک سے زیادہ سریع النفع ہے کیونکہ حق تعالیٰ کی طرف سے ایک جذبہ انسان کو تمام جن وانس کے اعمال سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

خلاصۂ طریق

آپ فرماتے تھے کہ تصوف کی اصل یہ ہے کہ قرآن وحدیث کا التزام اور خواہشات

وبدعات سے اجتناب اور بزرگوں کی تعظیم وتکریم کرے اور مخلوق کے اعذار کو درست سمجھے (یعنی جہاں تک شریعت اجازت دیتی ہو اُن پر مباحات میں ملامت نہ کرے اور جہاں عذر کی گنجائش ہو اُن کے عذر کو قبول کرے) اور اوراد ومعمولات پر مداومت کرے اور رخصتوں اور تاویلات کے پیچھے پڑنے سے اجتناب کرے۔

(**ف**) حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ رخص پر تاویلات کا عطف عطف تفسیری ہے یعنی رخصتوں سے وہ رخصتیں مراد ہیں جو بتاویل نکالی جاویں۔ کیونکہ جن اُمور میں صراحۃً شریعت نے رخصت دی ہے وہ تو مقاصد شرعیہ میں سے ہیں۔

از حضرت احمد بن عطاء روزباری رحمہ اللہ متوفی ۳۶۹ھ

بدون کسی مصلحت کے بخل کرنے کی مذمت

فرماتے ہیں کہ سب بُروں سے زیادہ بُرا وہ صوفی ہے جو بخیل ہو۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخل سے مراد اس جگہ یہ ہے کہ مال کو بغیر کسی حکمت کے روکے۔ کیونکہ (بوجہ حکمت کے) بعض لوگوں سے مال کو روکنا تو اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔

بے تہذیبی کے ساتھ خدمت کرنے کا انجام بد

فرماتے تھے کہ جو شخص بے تہذیبی کیساتھ اولیاء اللہ کی خدمت کرتا ہے وہ ہلاک ہوتا ہے۔

ملفوظات حضرت علی بندار

(جو کہ حضرت جنید وغیرہ کے اصحاب میں سے تھے)۔

اپنے نفس کو حقیر سمجھنا

آپ فرمایا کرتے تھے کہ جس زمانہ میں ہم جیسے لوگوں کو صلحاء کہا جاوے اُس میں اصلاح کی کوئی اُمید نہیں۔

از حضرت محمد بن عبدالخالق دینوری رحمۃ اللہ علیہ

زہد اور معرفت کے آثار کا محل

فرماتے تھے کہ زہد کی مشقت تو بدن پر ہوتی ہے اور معرفت کی مشقت قلب پر۔ اسی لئے زہد کا مجاہدہ عامہ خلق کو محسوس ہوتا ہے اور معرفت کا مجاہدہ اُن کو محسوس نہیں ہوتا حالانکہ وہ بہت اشد ہے۔ کما قیل ؎

اے ترا خارے بپا نشکستہ گے دانی کہ چیست
حال شیرانے کہ شمشیر بلا برسر خورند

(کثرتِ کلام کی مضرت) فرماتے تھے کہ کثرتِ کلام حسنات کو اس طرح چوس لیتی ہے جیسے زمین پانی کو جذب کرلیتی ہے۔

از حضرت سیدی عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۶۱ھ

مصائب میں مبتلا ہونے کی مختلف صورتیں اور اُنکی علامات

انسان پر جو آفات و مصائب آتے ہیں اس کی وجوہ مختلف ہوتی ہیں اور کبھی اس شخص کا کفارۂ سیئات منظور ہوتا ہے اور کبھی رفع درجات۔ حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جو ابتلاء بطور سزا وعقوبت کے ہوتا ہے اُس کی علامت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت اُس کو صبر نہیں ہوتا جزع فزع میں گرفتار ہوتا ہے اور مخلوق سے شکایت کرتا ہے، اور جو ابتلاء کفارۂ سیئات کیلئے ہوتا ہے اُسکی علامت یہ ہے کہ مصیبت کے وقت صبرِ جمیل کی توفیق ہوتی ہے، شکایت اور جزع فزع اور دل تنگی نہیں ہوتی اور طاعاۃ و عباداۃ کے ادا کرنے میں ثقل نہیں ہوتا۔ اور جو ابتلاء رفع درجات کیلئے ہوتا ہے اُسکی علامت یہ ہے کہ رضا بر قضا اور موافقت پائی جاتی ہے اور نفس میں طمانیت اور سکون محسوس ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ مصیبت دُور ہوجاوے۔

از حضرت ابو محمد شنبکی رحمۃ اللہ علیہ

(زمانا حضرت سیدی عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ سے متقدم ہیں)۔

ولایت کے بعض لوازم

فرماتے تھے کہ صوفی وہ شخص ہے جو ہمیشہ اپنے حال کو چھپائے اور تمام کائنات اُس کی ولایت کے ناطق ہو (یعنی علم ضروری کے طور پر لوگ اُس کو ولی اللہ مانتے ہوں) بدوں اس کے کہ اُس کے ایسے اعمال لوگوں پر ظاہر ہوں جو اُس کیلئے امتیازی شان پیدا کریں۔

از حضرت شیخ عقیل منبجی رحمۃ اللہ علیہ

(جو حضرت عدی بن مسافر رحمۃ اللہ علیہ کے شیوخ میں سے ہیں جن کا ذکر عنقریب آتا ہے)۔

اعمال کے ثمرات میں تفویض و تسلیم

آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنے لئے مال و دولت یا کوئی خاص مقام طلب کرتا ہے وہ معرفت کے راستوں سے دُور ہے۔

از حضرت عدی بن مسافر متوفی ۵۵۸ھ

(سیدی عبدالقادر جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی مدح فرمائی ہے)۔

نفع باطن کے لئے شیخ کا اعتقاد کامل شرط ہے

آپ فرماتے تھے کہ تم اپنے شیخ سے اُس وقت تک نفع حاصل نہیں کر سکتے جب تک تمہارا اعتقاد اُن کے متعلق سب سے زیادہ نہ ہو۔

اصلاحِ غیر کیلئے شرط ہے کہ خود کسی شیخ سے اصلاح و تربیت حاصل کی ہو

فرماتے تھے کہ جس شخص نے کسی مصلح کی (خدمت میں رہ کر) ادب اور اصلاح

حاصل نہ کی ہو وہ اپنے متبعین کو بھی تباہ کرے گا۔

حقیقت کیساتھ متصف ہونے کے بغیر تحقیقات کرنے کا ضرر

فرمایا کہ جو شخص علم (باطن) میں بدون اس کے کہ اُس کی حقیقت کے ساتھ متصف ہو محض زبانی کلام پر اکتفا کرے وہ طریق سے منقطع اور بعید ہو جائے گا۔

از شیخ ابوالنجیب سہروردی رحمہ اللہ متوفی ۵۶۳ھ

تصوف کی منازل

آپ فرمایا کرتے تھے کہ تصوف کی پہلی منزل علم ہے۔ اور درمیانی منزل عمل اور آخری منزل محض عطاء خداوندی ہے کیونکہ علم منزلِ مقصود کو سامنے کر دیتا ہے اور عمل اُس کی طلب میں امداد کرتا ہے اور عطاءِ حق منتہائے مقصود تک پہنچاتی ہے۔

از حضرت شیخ احمد بن الحسین الرفاعی رحمہ اللہ متوفی ۵۷۰ھ

صدقہ کا نوافل سے افضل ہونا

فرمایا کرتے تھے کہ عبادات بدنیہ سے اور نوافل سے صدقہ افضل ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ وجہ افضلیت یہ ہے کہ صدقہ کا نفع متعدی ہے اور وہ نفس پر زیادہ شاق ہے۔

بلاضرورت سفر کی مضرت

فرمایا کرتے تھے کہ سفر درویش کے دین کو پارہ پارہ اور اُس کی جمعیت خاطر کو برباد کر دیتا ہے۔ حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ اس وجہ سے کہ سفر کی وجہ سے معمولات میں خلل آتا ہے اور اوقات مشوش ہوتے ہیں۔

مرید کے چند آداب

فرمایا کرتے تھے کہ مرید کے سبقت کی علامت یہ ہے کہ اپنے شیخ کو اپنی

تربیت کے وقت مشقت میں نہ ڈالے بلکہ اُن کی بات کا ماننے والا اور اشارہ پر اطاعت کرنے والا ہو اور یہ کہ اُس کا شیخ درویشوں میں اُس پر فخر کرے کہ ہمارا مرید ایسا ہے، نہ یہ کہ وہ اپنے شیخ پر فخر کرے۔

لوگوں کے عیوب سے چشم پوشی

فرمایا کرتے تھے کہ درویش کیلئے یہ بھی شرط ہے کہ لوگوں کے عیوب پر اُس کی نظر نہ ہو۔

از حضرت علی بن الہیتی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۵۶۴ھ

اہل موہبت کے لئے خلوت کا شرط نہ ہونا

آپ اَسّی برس اس طرح زندہ رہے کہ آپ کے لئے نہ کوئی خلوت خانہ تھا نہ کوئی علیحدہ گوشہ، بلکہ عام درویشوں کے مجمع میں سویا کرتے تھے اور وجہ اس کی یہ تھی کہ ان کو دولتِ باطن وہبی طور پر حاصل ہوئی تھی۔

کمال کی بات یہ ہے کہ غلبۂ حال کے وقت حد سے نہ نکلے

فرمایا کرتے تھے کہ صحتِ حال کی علامت یہ ہے کہ صاحبِ حال غلبۂ حال کے وقت بھی تجاوز عن الحدود سے محفوظ رہے۔ جیسا کہ صحو (ہوش وسکون) کے وقت بھی وہ مغلوب الحال رہتا ہے۔ (یعنی صحو میں جس طرح غلبہ سے خالی نہیں جو اثر ہے سکر کا، اسی طرح سکر میں محفوظ رہتا ہے جو اثر ہے صحو کا۔)

کوئی حال دائم نہیں مگر کسی عارض کی وجہ سے

فرمایا کہ حالاتِ باطنی بجلی کی چمک کی طرح ہوتے ہیں کہ اُن کے عدم حصول کے وقت ان کی تحصیل ممکن نہیں اور حصول کے وقت ان کا ابقاء ممکن نہیں۔ مگر یہ کہ بعض احوال کسی شخص کیلئے غذا بنا دیا جائے تو حق تعالیٰ اسی کے حال کی تربیت فرماتے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ اُس کا اوڑھنا بچھونا ہو جاتا ہے۔ یعنی اس حال میں اُن کو دوام ہو سکتا ہے۔

از شیخ عبدالرحمٰن طفسونجی رحمۃ اللہ علیہ

تواضع سے نقصانِ عمل کا جبر نقصان اور کبر سے اسکے خلاف ہونا

فرمایا کرتے تھے کہ تواضع کے ساتھ بے عملی مضر نہیں جبکہ فرائض وواجبات اور سُنن مؤکدہ پر عمل کرتا رہے۔ اور کبر کے ساتھ نہ کوئی عمل مستحب نتیجہ خیز ہوتا ہے نہ علم مطلوب۔

از شیخ ابو عمرو عثمان بن مرزوق قرشی رحمہ اللہ متوفی ۵۶۴ھ

حصولِ کرامت سے پہلے صاحب حال لوگوں کی وضع بنانے کی مضرت

آپ (اپنے مریدین سے) فرماتے تھے کہ اصحابِ احوال کی نقل اُتارنے سے بچو جب تک کہ تم طریق میں پختہ کار ثابت قدم نہ ہو جاؤ کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو وہ تمہیں سیر (یعنی منازل تصوف طے کرنے) سے روک دے گا۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ وجہ یہ ہے کہ اِس میں ریاء ودعویٰ سے اطمینان نہیں۔

از شیخ ابو مدین مغربی رحمۃ اللہ علیہ

آپ سنہ ۵۸۰ھ میں موجود تھے۔

سب سے زیادہ نافع مشاہدہ

فرماتے تھے کہ اس کا مراقبہ کرو کہ حق تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں اس کا مراقبہ کرو کہ تم اُس کو دیکھ رہے ہو۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں یہ اس لئے کہ طریق اوّل قرب الی الفناء ہے۔ (ف) یعنی جب کسی شخص کو یہ استحضار ہو جاوے کہ حق تعالیٰ مجھے دیکھ رہے ہیں تو اس کی خواہشات اور ارادے بلکہ خود اپنا وجود کالعدم ہو جائے گا۔ یہی مقامِ فنا ہے جو منازل تصوف میں انتہائی مقام ہے۔

ہمیشہ اپنے نفس کی نگرانی رکھنا

فرمایا کرتے تھے کہ جو درویش ہر گھڑی میں یہ معلوم نہ رکھے کہ میری حالت میں کمی ہوگئی یا زیادتی، وہ درویش نہیں۔ (یعنی درویش کے لئے لازم ہے کہ وہ ہر وقت اپنی حالت کی فکر میں رہے۔ اگر زیادتی ہو تو شکر کرے اور کمی ہو جاوے تو تدارک کی فکر کرے)

جو شخص ذکر اللہ میں مشغول ہو اس کا ادب

فرمایا کہ جو شخص حق تعالیٰ کے ذکر و فکر میں مشغول ہونے والے کو قطع کرے (یعنی اس کا دھیان بٹائے) حق تعالیٰ اُس کو (اپنے سے) قطع فرما دیتے ہیں۔ اور جو شخص کسی مشغول بحق کو اپنی طرف مشغول کرے اُس کو حق تعالیٰ کا غضب فوراً پکڑ لیتا ہے۔

از حضرت شیخ عبداللہ قرشی مجذوم رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی کرامت زوجہ کے ساتھ مشہور ہے (کہ اُس نے باوجود آپ کے جذامی ہونے کے آپ کے ساتھ نکاح کو محض لوجہ اللہ گوارا کیا۔ آپ جب اُس کے پاس تشریف لے گئے تو کرامت سے آپ کو حق تعالیٰ نے ایک جوان رعناء کی صورت عطا فرما دی۔ مگر اُس نے اصلی جذامی حالت میں رہنے ہی کی درخواست کی۔ تاکہ اخلاص میں نفس کی آمیزش نہ ہو جاوے۔)

درویشوں کے ساتھ بدگمانی کا انجامِ بد

فرمایا کہ ہم نے کبھی اس کے خلاف نہیں دیکھا کہ جو شخص (مخلص اور سچے درویشوں پر اعتراض کرتا ہے اور اُن کے ساتھ بدگمانی کرتا ہے تو ہمیشہ (اُس کا خاتمہ خراب ہوتا ہے اور) بدترین حالت میں مرتا ہے۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ اُس وقت ہے جبکہ اُن لوگوں پر اعتراض نفسانی شائبہ سے ہو کسی شرعی داعیہ پر مبنی نہ ہو۔

اعلیٰ درجہ کا اخلاص

ارشاد فرمایا کہ تمہارا کام یہ ہے کہ عبودیت (بندگی) اور اُس کے آداب کو مکمل کرو۔ اس کے ذریعہ وصول الی اللہ کو بھی طلب نہ کرو۔ کیونکہ جب حق تعالیٰ تمہیں اپنے لئے بنالیں گے تو اپنے تک (خود ہی) پہنچادیں گے اور تمہارا کون سا عمل خالص ہے کہ تم اُس کے ذریعے وصول کے طالب ہو۔

از حضرت شیخ محمد بن ابی جمرہ رحمۃ اللہ علیہ

یہ حضرت عبداللہ بن ابی جمرہ کے علاوہ دوسرے بزرگ ہیں جن کی وفات کچھ اُوپر ن چھ سوستر ہجری میں ہوئی ہے۔ جیسا کہ طبقاتِ کبریٰ کے طرز سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا تذکرہ شیخ عبدالغفار رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے لکھا ہے جن کی وفات سنِ مذکور میں ہوئی ہے۔

ایسے اسباب سے بچنا جن سے مرید کے دل میں شیخ کی عظمت کم ہو جاوے

طبقاتِ کبریٰ میں آپ کے بعض ملفوظات ذکر کرنے کے بعد اُن پر بطور تفریع لکھا ہے۔ اسی لئے حضرات مشائخ نے فرمایا ہے کہ شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ مرید کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاوے اور یہ کہ بلا ضرورت اُس کے ساتھ مجالست کرے کیونکہ اس سے یہ اندیشہ ہے کہ مرید کے دل سے شیخ کی عظمت نکل جاوے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ اُس کی برکتِ صحبت سے محروم رہے گا۔

از حضرت شیخ ابوالحسن صائغ اسکندری رحمۃ اللہ علیہ

ان کا تذکرہ طبقاتِ کبریٰ میں شیخ عبدالغفار قوسی متوفی سن چھ سوستر ہجری کے بعد اور شیخ ابومسعود بن ابی العشائر متوفی ۶۴۲ھ سے پہلے متصلاً لکھا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان سب حضرات کا زمانہ قریب قریب ہے۔

امردوں سے علیحدہ رہنا اور لوگوں کو ان سے اور اُن کو لوگوں سے بجز مواقع ضرورۃ کے علیحدہ رکھنا

فرماتے تھے کہ درویشوں کی خانقاہ کے شیخ کے لئے مناسب نہیں کہ وہ امرد لڑکوں کو خانقاہ میں رہنے دے جبکہ اُن کی وجہ سے وہاں کے درویشوں پر فتنہ کا اندیشہ ہو۔ بالخصوص جبکہ نوجوان حسین صورت ہو۔ ہاں اگر یہ لڑکا طرقِ فساد سے علیحدہ اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہو، لہو ولعب کے لئے اُس کے پاس وقت نہ ہو تو خانقاہ میں اُس کو رہنے کی اس شرط پر اجازت دے کہ شیخ اُس کی ضروری خدمت کا خود انتظام کرے۔

نقیب الفقراء (یعنی ناظمِ خانقاہ) کے سپرد نہ کرے۔ اِلّا اس صورت میں کہ نقیب الفقراء صاحبِ تمکین اور نفس پر قابو یافتہ ہو اور اُس پر کسی فساد کا خطرہ نہ ہو۔ اور فرمایا کہ نوعمر کو نہ چاہئے کہ وہ مردوں کے ساتھ وسطِ حلقہ میں بیٹھے بلکہ حلقۂ رجال کے پیچھے بیٹھنا چاہئے اور لوگوں کی طرف اپنا چہرہ نہ کرے اور نہ کسی درویش سے اختلاط کرے جب تک کہ اُس کے داڑھی نہ نکل آئے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ تمام استثناء انہی بزرگانِ سلف کے زمانہ کے لئے تھے اور آج کل تو تمام احکام عام ہیں ان میں کوئی کسی کا استثناء نہیں۔ نہ صالح امردوں کا استثناء ہے نہ صالح درویش کا بلکہ آج کل تو سب سے یہ کہا جائے گا۔

ہرگز بگندمی گوں لا تقربوا کہ زہر است
حالِ پدر بیاد ازام الکتاب دارم

❁❁❁

از حضرت شیخ ابو مسعود ابن ابی العشائر رحمہ اللہ متوفی ۶۴۴ھ

جو چیزیں حق تعالیٰ سے دُور کرنے والی ہیں اگرچہ اسباب بعیدہ ہوں اُن سے احتراز چاہئے

فرمایا کرتے تھے کہ تمہارے ذمہ لازم ہے کہ اِن خیالات کا مادہ قطع کرو جو تمہیں اپنی طرف مشغول کرنے والے اور جن سے دنیا کی محبت پیدا ہوتی ہے جب کوئی ایسا خیال آوے تو اُس سے اعراض کرو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاؤ۔

اور فرماتے تھے کہ اس سے بچو کہ دل میں آنے والے وساوس وخطرات کو قرار دے لو، کیونکہ وسوسہ جب قلب میں ٹھہر جاتا ہے تو اُس سے فکر پیدا ہو جاتا ہے، پھر فکر سے اِرادہ پیدا ہو جاتا ہے اور بسا اوقات اِرادہ قوی ہو جاتا ہے تو وہ ایک غالب آ جانے والی ہوانفسانی ہو جاتی ہے اور جب ہوئی غالب آئی تو قلب ضعیف ہو جاتا ہے اور اُس کا نور جاتا رہتا ہے اور بسا اوقات نورِ قلب بالکل ضائع ہو جاتا ہے اور اُس سے عقل زائل ہو جاتی ہے اور اُس پر پردہ سا پڑ جاتا ہے۔

قربِ الٰہی کے ذرائع کو غنیمت سمجھنا چاہئے اگرچہ ذرائع بعیدہ ہوں

آپ فرمایا کرتے تھے کہ بندہ کو چاہیے کہ ذاتِ حق تعالیٰ میں ایسا محو ہو جاوے کہ ماسوا سے غفلت پیدا ہو جاوے۔ اور اگر یہ نہ ہو سکے تو اُس کی ذات کے ساتھ اشتغال کی کیفیت پیدا کرے اور اگر اس سے بھی عاجز ہو تو کم از کم حق تعالیٰ کی اطاعت ہی میں مشغول رہے اور اطاعت میں اشتغال نہ کرنے کا میرے نزدیک کوئی عذر (مسموع) نہیں کیونکہ یہ درجات ترقی میں سے بالکل ابتدائی درجہ ہے۔

مجاہدہ کی سہل ترین تدبیر

فرمایا کرتے تھے کہ سالک پر واجب ہے کہ جب اپنے نفس میں کوئی خلق رذیل

دیکھے مثلاً کبر یا شرک (شرک سے مراد ریاء ہے) یا بخل یا کسی مسلمان پر بدگمانی کرنا وغیرہ۔ تو اُس کو چاہئے کہ اپنے نفس کو اس کے خلاف میں داخل کرے (مثلاً کسی کے مقابلہ میں کبر ہے تو اُس کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرے بخل ہے تو صدقہ کرے) پھر اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور اللہ تعالیٰ کی قوت وتوفیق سے اور مجاہدات سے استعانت کرے تو اُس کے نفس کے اخلاق رذیلہ ضعیف ہو جائیں گے اور نور قلب بڑھ جائے گا۔ پھر حق تعالیٰ اپنی محبت کا کوئی ذرّہ عطا فرما دیں گے تو تمام (مضر اور فضول) چیزوں کو بلا مشقت چھوڑ دے گا اور ہر مرغوبِ نفسانی بلا مجاہدہ قطع ہو جائے گا۔

نفس کا حق ادا کرنا چاہئے مگر اُس کو تجاوز عن الحد سے روکنا چاہئے

ایک کلام طویل کے دوران میں ارشاد فرمایا کہ سالک کو چاہئے کہ اپنے نفس کو اُس کا حق دے یعنی کھانا پینا (اور ضروری راحت وغیرہ) البتہ اُس کو ایسی چیز سے دُور رکھے جو اُس کو حدود سے نکال دے کیونکہ انسان کا نفس اُس کے پاس حق تعالیٰ کی امانت ہے اور ایک سواری ہے جس پر وہ سلوک کا راستہ چلتا ہے اس لئے اُس پر ظلم کرنا بھی ایسا ہی جرم ہے جیسے کسی غیر پر ظلم کرنا۔

اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنے کی برکات

فرمایا اللہ تعالیٰ کا دھیان رکھنا ہر سعادت و نیک بختی کی کنجی ہے اور یہی راحت کا مختصر راستہ ہے اسی سے قلب پاک ہوتا ہے اور نفس کمزور ہوتا ہے اور حق تعالیٰ کے ساتھ اُنس قوی ہو جاتا ہے۔ پھر قلب میں محبت الٰہی واقع ہوتی ہے اور صدق واخلاص حاصل ہوتا ہے اور یہی ایک ایسا پاسبان ہے جو سوتا نہیں اور ایک منتظم ہے جو غفلت نہیں کرتا۔

نفس کے مقابلہ میں غلو نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ سالک پر واجب ہے کہ بالکلیہ نفس کی مخالفت و مقابلہ میں منہمک نہ ہو۔ کیونکہ جو شخص اس کے ساتھ مقاومت و مقابلہ میں مشغول ہوگا تو نفس اُس کو (ترقی سے

روک کر ایک جگہ) ٹھہرادے گا اور جو اُس کو آزاد چھوڑ دیا تو اُس پر سوار ہو جاوے گا۔ بلکہ چاہے کہ نفس کو دھوکہ دے اس طرح کہ اُس کو معمولی درجہ کی راحت دے پھر اُس سے کم درجہ کی طرف منتقل ہو جاوے اور جو شخص کہ نفس کی مقاومت و مقابلہ کرتا رہے اور اس کا مقابل و حریف بنتا ہے تو نفس اس کو اپنے ہی میں مشغول کر لیتا ہے (اور جو شخص اس کو خداع و تدبیر کے ساتھ پابند رکھے اور اس کی خواہشات کا تابع نہ بنے تو نفس اُس کا تابع ہو جاتا ہے۔

از شیخ ابراہیم دسوقی قرشی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۷۶ھ

مرید کو ہر فضول کام و کلام سے روکنا

فرمایا کہ مرید کے ذمہ واجب ہے کہ پہلے اتنا علم حاصل کرے جتنا اس کے ذمہ ادائے فرض و نفل کے لئے واجب ہے اور فصاحت و بلاغت (وادب) میں مشغول نہ ہو۔ کیونکہ یہ اُس کو اپنی مراد سے غافل کرنے والے ہیں بلکہ اُس کو چاہئے کہ عمل کے بارے میں صلحاء کے حالات کی تفتیش کرے اور ذکر اللہ پر مداومت کرے۔

شیخ کی ضرورت کا سبب

فرمایا کہ بخدا کہ اگر لوگ (رذائل سے) صحیح ہجرت اختیار کر لیتے اور اَمر الٰہیہ کے تحت میں داخل ہو جاتے تو وہ شیوخ سے مستغنی ہوتے لیکن وہ اس طریق میں امراض و آفات لے کر داخل ہوتے ہیں اس لئے حکیم کی ضرورت پڑتی ہے۔

اتباعِ شیخ کا لازمی و ضروری ہونا

فرمایا کہ شیخ مرید کے لئے بمنزلہ حکیم کے ہے جو مریض حکیم کے کہنے پر عمل نہ کرے گا اُس کو شفاء حاصل نہ ہوگی۔

غیر اہل کے سامنے کلام پیش کرنے کی ممانعت

فرمایا کرتے تھے اے عزیز میرا کلام ایسے لوگوں کے سوا کسی کو نہ سناؤ جو ہماری

جماعت میں سے ہے اور ہمارے طریق پر چلنے کو پسند کرتا ہے اور بجز ایسے محب کے جو اُس کو قبول کرے اور ہماری اطاعت کرے اور کسی کو نہ سناؤ کیونکہ غیر اہل کے سامنے ہمارے کلام کا ذکر کرنا بمنزلہ ستر دکھلانے کے ہے (کہ اُس کو پوشیدہ رکھنا ضروری ہے)

خلوت کے مفید ہونے کی شرط

فرماتے تھے کہ خلوت اس وقت تک مفید نہیں ہوتی جب تک کہ وہ شیخ کے مشورہ سے نہ ہو۔ ورنہ خلوت کا فساد اُس کے نفع سے زیادہ ہو جاتا ہے۔

صرف صورت ورسم پر بغیر حقیقت کے قناعت نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ جو شخص قوم (صوفیاء کرام) کی وضع لباس اختیار کرے تو محض یہ خرقہ تصوف اور وضع اُس کو کچھ نفع نہ دے گی۔ کیونکہ یہ محض اُمور ظاہرہ ہیں اور قوم کا عمل سب جوانب (کو جمع کرنا ہے) یعنی یہ حضرات صرف ظاہر پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ سب پہلوؤں کو جمع کرتے ہیں جن میں اصل عمل باطن ہے اسی کا اہتمام کرتے ہیں کیونکہ وہ اسی کے ذریعے کامل رجال کے درجہ تک پہنچتے ہیں۔

میں نے کسی کو نہیں دیکھا کہ محض خرقہ پہن لینے یا سند اجازت حاصل کر لینے سے کبھی کاملین کے درجہ کو پہنچ گیا ہو۔ بلکہ ایسا کرنا مرید کو طلب ترقی سے روکنے والا ہے۔ حالانکہ ترقی کی اس طریق میں کوئی انتہا نہیں ۔

اے برادر بے نہایت در گہے است　　ہر چہ بروے میرسی بروے مائیست

(مترجم)

اس زمانہ میں تربیت کا نفع کم ہوتا ہے

ایک کلام طویل کے بعد فرمایا کہ اہلِ تمکین کا جو یہ فعل ہے کہ (عوام کے رذائل اور نقائص کی طرف اصلاح کی غرض سے التفات نہیں کرتے اور ان کے لئے صرف دُعا پر اکتفاء کرتے ہیں) یہ فعل دلیل ہے اس اَمر کی کہ اس زمانہ میں سلوک کا دروازہ

بند ہوگیا ہے۔ کیونکہ ابنائے زمانہ کے معالجہ واصلاح کی فکر درویش کو اپنے نفس کی مہمات سے غافل کردینے والی ہے اور پھر اُس کا بھی کوئی ثمرہ ونتیجہ نہیں نکلتا۔ جیسا کہ مشاہدہ ہے۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ طالبِ صادق جو مجاہدہ کیلئے تیار ہو اس سے مستثنیٰ ہے اگرچہ ایسے شخص کا وجود اس زمانہ میں قلیل ہے۔

از حضرت شیخ داؤد کبیر بن ماخلا رحمۃ اللہ علیہ

(ان کا زمانہ معلوم نہیں ہوا۔ جن صاحب کو معلوم ہو اضافہ فرمادیں۔۱۲)۔

اہلِ کمال ظاہر ہوکر بھی مخفی رہتے ہیں

فرماتے تھے یہ کوئی بڑا کمال نہیں کہ لوگوں سے علیحدہ خلوت میں چھپ کر اپنے حالات کا اخفاء کرے، بلکہ کمال کی بات یہ ہے کہ لوگوں میں ظاہر اور ملا جُلا رہے اور پھر اُن پر مخفی رہے (کیونکہ اہل کمال اپنے علوِ رُتبہ کی وجہ سے عوام پر مخفی رہتے ہیں۔ اگرچہ خمول وعزلت اختیار نہ کریں)

کمالِ تربیت

ارشاد فرمایا کہ کامل وہ شخص نہیں جو تمہیں دوا کا صرف پتہ بتلا دے بلکہ کامل وہ ہے جو اپنے سامنے تمہاری دوا وعلاج کرے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں وجہ یہ ہے کہ دوا کا نام و پتہ بتلا دینا تو کوئی مشکل کام نہیں، ہر شخص کرسکتا ہے اور سامنے رکھ کر معالجہ کرنا اُسی شخص کا کام ہے جو قوی الہمۃ صاحب البرکت کامل الشفقت ہو۔ اور حق تعالیٰ کی عادت لازمہ ہے کہ اس پر نفع ضرور مرتب ہوتا ہے۔

علم مقبول کی شان

فرمایا کہ جب حق تعالیٰ کسی بندہ سے خیر کا ارادہ فرماتے ہیں تو اُس کے قلب پر علومِ حقیقیہ جو بارگاہِ ربوبیت سے عطا ہوتے ہیں اس طرح فائز فرماتے ہیں کہ نہ اُن میں ظواہر شریعات کے اعتبار سے کوئی اشکال رہتا ہے اور نہ قواعدِ عقلیہ کے اعتبار سے۔

بعض اسرار طریق کے ظاہر کرنے کی ممانعت

فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ایسے اسرار کو ظاہر کرتا ہے کہ اُن کا اظہار مناسب نہ تھا اور ایسے علم مستور کو ظاہر کرتا ہے جس کا اعلان لائق نہ تھا تو دنیا میں اس کو سزا دی جاتی ہے کہ لوگ اُس سے بدگمان ہو جاتے ہیں اور کبھی اُس سے بھی سخت سزا ہوتی ہے (مثلاً حجاب حائل ہو جانا)۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ ایسے اسرار و علوم جن کا افشا و اظہار ممنوع ہے ان کی تعیین اس طرح ہو سکتی ہے کہ اُن کے اظہار سے قلب میں ایک تنگی اور کھٹک ہوتی ہے اور یہ صورت علومِ معاملہ جو عامۂ مسلمین سے متعلق ہیں اُن میں نہیں ہوتی کیونکہ وہ علوم تو وضع اسی لئے کئے گئے ہیں کہ لوگوں کو پہنچائے جائیں اور ان کا اتباع کیا جاوے (بلکہ علوم مکاشفہ و اسرار و حقائق میں ایسی صورتیں ہوتی ہیں)

منتہی بھی تربیت سے مستغنی نہیں ہوتا

اگرچہ وہ تربیت غیبی حضرت حق کی طرف سے ہو

فرمایا کہ شیخ و مصلح اپنے درجہ سے مافوق کی تربیت کا اس سے زیادہ محتاج ہے کہ مرید اپنے شیخ کا محتاج ہوتا ہے۔

مرید اپنے شیخ سے بقدر محبت نفع حاصل کرتا ہے

فرمایا کہ مریدین کے قلوب پر انوار کی بارش کا ذریعہ مرید کی صدقِ محبت ہے (یعنی جس قدر زیادہ مخلصانہ محبت شیخ سے ہوگی اُسی قدر انوار و برکات زیادہ ہوں گے۔

عارف کا خادم ہونا اور خلق کا تابع عارف ہونا

فرمایا کہ عارف دنیا میں دوسروں کے لئے ہے اپنے لئے نہیں اور دوسرے لوگ اُس کے لئے ہیں دوسروں کے لئے نہیں۔ (یعنی حق تعالیٰ اُس کے قلب میں خدمتِ

خلق کا داعیہ پیدا فرما دیتے ہیں۔ وہ ہمیشہ اُنہی کی فکر میں رہتا ہے اور ادھر مخلوق کے قلوب میں اس کی خدمت اور اتباع کا داعیہ پیدا فرما دیتے ہیں۔)

توجہ الی اللہ اور توجہ الی الخلق کے آثار و علامات

فرماتے تھے کہ جب بندہ اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتا ہے تو قلب مجتمع ہو جاتا ہے تشتت و پریشانی جاتی رہتی ہے اور جب مخلوق کی طرف توجہ کرتا ہے تو قلب منتشر ہو جاتا ہے۔ (پریشانی و تشتت پیدا ہو جاتا ہے۔)

اپنے سے کم درجہ لوگوں کی تربیت کا طریقہ

فرمایا کہ عارف کیلئے لازم ہے کہ اپنی ہمت کے درجہ علیا سے مرید کے درجہ کی طرف تنزل کرے تاکہ اس کی تربیت کر سکے (یعنی شیخ کے حالات اپنے سے قریب دیکھے گا تو اس کو اُن کے حصول کی طمع ہوگی اور کوشش کرے گا۔

اور اگر بلند بہت دیکھا تو وہ مایوس ہو کر رہ جائے گا۔ نیز چونکہ نفع کی شرط مناسبت ہے اور مرید اس کے عالی مقام سے بعید ہے اس لئے مناسبت کی صورت یہ ہے کہ خود اپنے درجہ سے تنزل کر کے تربیت کرے جیسے متبحر عالم میزان پڑھاوے تو تقریر میں میزان والے کی استعداد کا لحاظ رکھے۔

بعض وہ لوگ جو صاحب کرامت نہیں اصحاب کرامت سے افضل ہیں

فرمایا کہ بعض اوقات ایک عارف آدمی اپنی کشتی میں سوار ہوتا ہے اور دوسرے اصحاب کرامت اولیاء اللہ اُس کے گرد پانی پر بذریعہ کرامت پیادہ چلتے ہوتے ہیں۔ یہ سب اُس عارف سے فیض حاصل کرتے ہیں حالانکہ اس کا حال یہ ہے کہ اگر وہ ان کے ساتھ دریا میں اُتر جاوے تو غرق ہو جاوے (کیونکہ وہ صاحب کرامت نہیں ہے)۔

کسی حال پر قناعت نہ کرنا ترقی اور قناعت کر لینا تنزّل

فرمایا کہ حقیقت طریق کی یہ ہے کہ تم ہمیشہ مفلس رہو (یعنی غیر حاصل شدہ درجات متوقع کے اعتبار سے) اور یہ کہ تم ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے طالب رہو۔ اور جب تم نے یہ خیال کر لیا کہ مجھے وصول ہو گیا تو سمجھ لو کہ وصول نہیں ہوا۔

اور جب تمہارا یہ گمان ہو کہ میں کامیاب ہو گیا تو سمجھ لو کہ کامیاب نہیں اور جب یہ گمان ہو کہ تم نے کوئی حال پیدا کر لیا ہے تو سمجھ لو کہ تمہیں کوئی حال حاصل نہیں۔

از حضرت شیخ محمد بن عبد الجبار نفری رحمۃ اللہ علیہ

یہ بزرگ حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ سے متقدم ہیں۔

حق تعالیٰ کے شدتِ غضب کی علامت

ارشاد فرمایا کہ جو گناہ حق تعالیٰ کے (زیادہ) غضب کا سبب ہوتا ہے اُس کی علامت یہ ہے کہ اس کے بعد اُس کی رغبت دنیا کی طرف بڑھ جاتی ہے اور جس کی رغبت دنیا کی طرف بڑھ گئی تو اُس کے لئے کفر کا دروازہ کھل گیا۔ کیونکہ (رغبتِ دنیا سبب ہے اکثر معاصی کا) اور معاصی قاصد ہیں کفر کے۔ تو جو شخص اس دروازہ میں داخل ہوگا تو وہ جس قدر اُس میں آگے بڑھے گا اُسی قدر کفر کا حصہ لیتا رہے گا۔

طبقاتِ کبریٰ جلد اوّل کا انتخاب ختم ہوا۔

فالحمد للہ علیٰ ذلک

انتخاب جلد ثانی از طبقاتِ کبریٰ

از حضرت شیخ ابوالحسن شاذلی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۵۶ھ

کشف والہام کا حجت نہ ہونا

ارشاد فرمایا کہ اگر تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو تو کتاب وسنت کا اتباع کرو اور کشف کو چھوڑ دو اور اپنے نفس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لئے اس کی ذمہ داری کر لی ہے کہ کتاب وسنہ (یعنی قرآن وحدیث) کے اتباع میں گمراہی سے محفوظ رہوں گا۔ اس کی ذمہ داری نہیں فرمائی کہ کشف والہام یا مشاہدہ کے اتباع میں بھی مجھے محفوظ رکھا جائے گا۔

استغفار کی فضیلت

ارشاد فرماتے تھے کہ گناہوں کی وجہ سے بلائیں انسان پر آتی ہیں اُن سے بچنے کے لئے سب سے زیادہ محفوظ قلعہ استغفار ہے۔

قبض باطنی کے اسباب اور اس کا علاج اور اس پر صبر

آپ فرماتے تھے کہ قبض کے تین سبب ہوتے ہیں۔

ایک یہ کہ تم سے کوئی گناہ سرزد ہو گیا دوسرے یہ کہ کوئی دنیوی نعمت تم سے جاتی رہی۔
تیسرے یہ کہ کوئی شخص تمہارے نفس یا آبرو کے متعلق تمہیں ایذاء پہنچاتا ہو

(ان وجوہ سے قبض طاری ہوجاتا ہے۔)

پس اگر تم سے کوئی گناہ سرزد ہوا ہے تو (علاج اُس کا یہ ہے کہ) استغفار کرو۔ اور اگر تمہاری کوئی دنیوی نعمت زائل ہوگئی ہے تو اپنے رب کی طرف رجوع کرو (یعنی اُس سے دُعا مانگو وہ تمہیں اس کا نعم البدل عطا فرمائے گا۔) اور اگر کسی نے تم پر ظلم کیا ہے تو صبر کرو اور اُس کو برداشت کرو یہی تمہارے قبض کا علاج ہے۔

اور اگر اللہ تعالیٰ نے تمہیں قبض کے سبب پر مطلع نہیں فرمایا تو تقدیر الٰہی پر راضی ہوکر مطمئن اور ساکن ہوجاؤ کیونکہ یہ تقدیر تو جاری ہونے والی ہے۔

بغیر اتباع سنت کے سلوک کا ناقص ہونا

فرماتے تھے کہ درویش اگر پانچ وقت کی نماز باجماعت میں مداومت نہ کرے تو اُس کا کچھ اعتبار نہ کرو۔

خود بینی کا علاج اور حالت باطنی کی حفاظت

فرماتے تھے کہ اگر تم کو اپنی کوئی حالت ظاہری یا باطنی پسند ہو اور یہ خوف ہو کہ کہیں یہ حالت زائل نہ ہوجاوے تو یہ دُعا پڑھ لو، ماشاء الله لا قوة اِلا بالله۔

(ف): اس دُعا کی برکت سے یہ حالت بھی محفوظ ہوجائے گی اور جب اس دعا کے معنٰی کا استحضار ہوگا تو خود بینی بھی پیدا نہ ہوگی کیونکہ معنی اس کے یہ ہیں کہ جو حالت حاصل ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کے مشیت و ارادہ سے ہے بغیر اس کی امداد کے ہمیں کسی چیز پر قدرت نہیں پھر ہم ناز کیا کریں۔

طریق تصوف میں رفیق کا شرط ہونا

فرماتے تھے کہ عالم کا سلوک پورا نہیں ہوسکتا جب تک کسی رفیق صالح یا شیخ ناصح کی صحبت میں نہ رہے۔

جماعت مسلمین کے ساتھ رہنا اور اُن کے حقوق پہچاننا

فرماتے تھے کہ مسلمانوں کی جماعت کو لازم پکڑو اگر چہ وہ گنہگار فاسق ہوں اور ان پر تعزیرات بھی جاری کرو (یعنی ساتھ رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ اُن کے فسق و فجور میں شرکت یا سکوت کرو) اور اُن سے چند روز کے لئے) قطع تعلق بھی کرو تو بہ نیت رحمت و شفقت نہ بہ نیتِ تعزیر و سزا۔

طلب کرامات کی مذمت اور یہ کہ سب سے بڑی کرامت کیا ہے

ارشاد فرمایا کہ کرامات اُس شخص کو نہیں دی جاتیں جو خود اُن کو طلب کرے یا جس کے دل میں اُن کا خطرہ بھی پیدا ہو یا وہ شخص جو اُنہی کی طلب کے لئے عمل کرتا ہو۔ بلکہ کرامات اُس شخص کو عطا ہوتی ہیں جو اپنے نفس اور اپنے عمل کو کچھ نہ سمجھے اور اللہ تعالیٰ کی مرضیات میں لگا رہے۔ اُس کے فضل پر اُس کی نظر ہو اپنے نفس اور اپنے عمل سے مایوس ہو۔ اور فرماتے تھے کہ کوئی کرامت ایمان اور اتباعِ سنت سے بڑی نہیں۔ جس شخص کو یہ کرامت حاصل ہو اور پھر بھی وہ دوسری کرامتوں کا مشتاق ہو، وہ بندہ افترا پرداز اور جھوٹا ہے۔ ایمان و اتباع پر ادنیٰ چیزوں کو ترجیح دیتا ہے یا علم صحیح کے سمجھنے میں غلطی کرنے والا ہے (کہ غلط عقیدہ میں مبتلا ہے) اور اُس کی مثال ایسی ہے جیسے کسی کو بادشاہ نے اپنی حضوری کا اعزاز دیا ہو اور پھر وہ (شاہی) سائیس بننے کا اشتیاق ظاہر کرے۔

انتقام کا اِرادہ کرنا طریق کے خلاف ہے

فرمایا کہ ولی میں یہ بھی ایک مخفی شہوتِ نفسانی ہے کہ وہ اِس کا ارادہ کرے کہ مجھے ظالم پر نصرت حاصل ہو۔

عارف جائز لذتوں سے منقبض نہیں ہوتا

فرماتے تھے کہ عارف باللہ کو نفس کی لذتیں منغص و مکدر نہیں کرتیں اس لئے

کہ وہ (ہر وقت) اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے اُس چیز میں بھی جس کو لیتا ہے اور اس میں بھی جس کو چھوڑتا ہے، مگر یہ کہ وہ لذات گناہ ہوں۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بخلاف زاہد کے کہ وہ جائز لذتوں سے بھی مکدر رہتا ہے۔ کیونکہ اس کی نظر بالذات احوالِ نفس اور اُس کے علاج کی طرف ہے اگرچہ مقصود اس علاج سے اللہ تعالیٰ ہی کا قرب ہو۔

تکثیر مریدین کی حرص کا مذموم ہونا

فرماتے تھے کہ ایک مرید جو تمہارے اسرار و حقائق سمجھنے کی صلاحیت رکھے ایسے ہزاروں مریدوں سے اچھا ہے جو اس کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

اہل اللہ پر اعتراض کرنے کی سزا

فرماتے تھے کہ جو شخص کاملین کے احوال پر اعتراض کرتا ہے ضروری ہے کہ وہ اپنی موت (معروف) سے پہلے تین قسم کی موت کا مزا چکھے۔ ایک موت ذلت (یعنی عزت و جاہ کا فنا ہونا) اور دوسری موت فقر و محتاجی۔ اور تیسری موت لوگوں کا محتاج ہونا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہ کوئی اُس پر رحم نہ کرے۔

از شیخ احمد ابو العباس مرعشی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۸۶ھ

جس کو صالح مریدین حاصل ہوں وہ تصنیف کتب سے مستغنی ہے

فرماتے تھے کہ میری کتابیں میرے مُریدہیں۔

تمام اِرادوں کا فنا کر دینا

فرمایا کرتے تھے کہ جو شخص شہرت کو پسند کرتا ہے وہ شہرت کا بندہ ہے اور جو خمول و گمنامی کو پسند کرتا ہے وہ گمنامی کا بندہ ہے اور جو اللہ کا بندہ ہے اس کے نزدیک دونوں حال برابر ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو مشہور فرمادیں یا گمنام رکھیں۔

طریق باطن کی برکت علم ظاہر میں

فرمایا کہ جو شخص بزرگوں کی صحبت میں رہتا ہے اور علم ظاہر کا عالم ہے تو اس کا علم اس صحبت سے اور بھی زیادہ روشن ہو جاتا ہے۔

شیخ کا مرید کے دل میں ہونا اس کیلئے زیادہ نافع ہے کہ مرید شیخ کے دل میں ہو

فرمایا کہ تم شیخ سے یہ مطالبہ نہ کرو کہ تم اس کے دل میں رہو بلکہ اپنے دل سے اس کا مطالبہ کرو کہ شیخ اُس میں رہے۔ تو جس قدر تم اُس کو اپنے دل میں رکھو گے اُسی قدر شیخ تمہیں اپنے دل میں جگہ دے گا۔

حب دنیا کی علامت

فرماتے تھے کہ حب دنیا کی علامت یہ ہے کہ لوگوں کی مذمت سے ڈرے اور اُن کی مدح وثناء کی محبت رکھے۔ کیونکہ اگر یہ زاہد ہوتا تو نہ اُس سے ڈرتا نہ اُس کی محبت کرتا۔

عارف کا لوگوں کی مجلس میں بیٹھنے پر مضطر ہونا

فرمایا کرتے تھے کہ بخدا میں نے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا اس وقت شروع نہیں کیا جب تک مجھے محرومی سے نہیں ڈرایا گیا اور یہ کہا گیا کہ اگر تم لوگوں کے ساتھ (بغرض افادہ) مجلس نہ کرو گے تو جو دولتِ باطن ہم نے تمہیں عطا کی ہے سلب کر لی جاوے گی۔ حضرت دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اسی طرح ہر عارف کا یہی حال ہے کہ اگر وہ افادہ نہ کرے تو منجانب اللہ اس کو فیض نہیں پہنچتا۔

مرید کو خود رائی سے نکالنا چاہئے اگرچہ اوراد ہی کے بارے میں ہو

آپ کی عادت تھی کہ اگر کسی مرید کو دیکھتے کہ اُس نے کچھ اوراد و معمولات اپنی رائے اور خواہش سے شروع کر دیئے تو ان کو چھوڑوا دیتے تھے۔

لوگوں کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو اُن کا حق تعالیٰ کے ساتھ ہو

آپ کی عادت تھی کہ آنے والے لوگوں کی تعظیم اُسی قدر کرتے تھے جس قدر اُس کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک سمجھتے تھے کیونکہ اس کے طرز سے یہ محسوس کر لیتے تھے کہ اپنی عبادت پر اس کی نظر ہے اور (بعض مرتبہ) کوئی گنہگار آتا تو اُس کی تعظیم کے لئے کھڑے ہو جاتے تھے۔ جبکہ یہ معلوم ہوتا کہ ذلّت و تواضع کے ساتھ آیا ہے۔

شیخ و مرید کے باہمی معاملہ کا تعلق

فرماتے تھے کہ مشائخ کے لئے تو مناسب یہ ہے کہ مریدین کے حالات کی خبر رکھیں اور مریدین کے لئے بھی یہ جائز ہے کہ شیخ سے اپنے تمام باطنی احوال ذکر کر دیں کیونکہ شیخ مثل طبیب کے ہے اور مرید کی حالت مثل ستر کے ہے۔ اور طبیب کے سامنے بضرورت علاج ستر کھولنا بھی پڑتا ہے اور درحقیقت جو مرید اپنے کسی حال کو شیخ سے پوشیدہ رکھے وہ اس سے اجنبی ہے۔ اس کے ساتھ متحد نہیں ہوا۔

حق تعالیٰ سے خوف اور اس کی محبت کا کیا درجہ رہنا چاہئے

اپنے شیخ کا مقولہ نقل فرماتے تھے کہ جب تم سے کوئی یہ پوچھے کہ تمہیں حق تعالیٰ کا خوف ہے یا نہیں، تو کہہ دو کہ ہے مگر جتنا اللہ تعالیٰ نے میرے اندر پیدا فرما دیا ہے اُسی قدر ہے) اسی طرح اگر محبت کے متعلق سوال کیا جاوے تب بھی یہی جواب دو کیونکہ اگر صرف اتنا کہو کہ ہے تو اس میں ایک دعویٰ ہے اور اگر کہو کہ نہیں تو ادب کے خلاف اور ناشکری ہے۔ اور جو شخص مذکورہ طریق پر چلے اُس کا امتحان نہ کیا جاوے گا کیونکہ اُس نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا ہے نہ کہ اپنے نفس پر۔

دربارہ خوف و رجاء عوام و خواص کی شان میں (فرق)

فرماتے تھے کہ عوام کی حالت تو یہ ہے کہ اُن کو خوف دِلایا جاوے تو ڈرنے لگتے ہیں اور اُمید و راحت دِلائی جائے تو اُمید کرنے اور خوش ہونے لگتے ہیں۔

اورخواص کی شان (اس کے برعکس) یہ ہے کہ جب ان کو خوف دِلایا جائے تو اُمیدوار ہوتے ہیں اور جب اُمید دِلائی جاوے تو ڈرتے ہیں۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ راز اس میں یہ ہے کہ بوقت خوف ان کے دِل سے رجاء غائب نہیں ہوتی اور بوقت رجاء خوف غائب نہیں ہوتا۔ بخلاف عوام کے (کہ ان کے ذہن میں دوسری جانب نہیں رہتی)

از حضرت علی بن محمد رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۰۱ھ

خوف کیساتھ بے عملی بہتر ہے اس عمل سے جس کیساتھ دعویٰ ہو

فرمایا کہ وہ نماز جس کا نتیجہ ہو کہ بزرگی اور مقبولیت کا دعویٰ (دل یا زبان پر آنے لگے وہ رعونت وحماقت ہے اور وہ نیند جس کا نتیجہ خوف ہو وہ دین میں مددگار ہے۔

فقہاء کی ضرورت اور صوفیہ کی حاجت میں فرق

فرمایا کہ علماء ظاہر جب تم سے پوچھیں کہ تم نے صوفیائے کرام سے کیا فائدہ حاصل کیا تو کہو کہ جو اقوال احکامِ دین کے متعلق آپ حضرات سے سیکھے تھے اُن پر اچھی طرح عمل کرنا اُن سے سیکھا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ کوئی شخص علماء ظاہر سے عملی کمال بھی حاصل نہ کرے جب بھی اس کو یہ درست نہیں کہ علماء وفقہا کی ضرورت کی نفی کرے (کیونکہ حسنِ عمل سے پہلے علم صحیح کی ضرورت ہے اور وہ انہی حضرات سے حاصل ہوتا ہے)

عادات کے آثار واحکام اور عبادات کے آثار واحکام

فرمایا کہ جو شخص اپنے اخلاق کا مالک ہو گیا (یعنی اُن پر قابو پالیا اس نے اپنے حصہ کو اپنا غلام بنالیا اور جس کے اخلاق اُس کے مالک ہو گئے (یعنی مغلوب الاخلاق ہو گیا) وہ اپنے حصہ سے محجوب ومحروم ہو گیا۔)

(ف) : مراد یہ معلوم ہوتی ہے (واللہ اعلم) کہ جس شخص نے اخلاق پر قابو پالیا وہ ہر

خلق کا اور ہر حال کا پورا حق ادا کرے گا۔ اور جس پر اخلاق غالب آ گئے وہ ممکن ہے کہ ایک خلق یا ایک حال سے مغلوب ہو کر دوسرے اخلاق واحوال کی رعایت نہ کر سکے اسی لئے پہلا شخص اس طریق میں اکمل حصہ کا مالک ہے بخلاف دوسرے شخص کے۔ اور فرمایا کہ عادت وہ ہے جس میں نفس کی لذت ہو اور عبادت وہ ہے جو محض حق تعالیٰ کے لئے ہو، جیسے تمام عبادات نماز روزہ اور سونا کھڑا ہونا اور کھانا وغیرہ کہ عارف کے نزدیک عبادات ہیں۔ اور فرمایا کہ جس شخص کی عادات اس کی مالک ہو گئیں اُس کی عبادات فاسد ہو گئیں اور جس شخص کو عادات سے آزادی مل گئی وہ عارف ہے یا مشاہدہ کرنے والا ہے۔

از حضرت شیخ ابوالمواہب شاذلی رحمۃ اللہ علیہ

منقول ہے کہ آپ نے ۸۲۵ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی (اس سے ان کا زمانہ معلوم ہوا۔)

ریاکار کی علامت

فرماتے تھے کہ ریاکار کی علامت یہ ہے کہ جب کوئی عیب اس کی طرف منسوب کیا جاوے تو اپنے نفس کی طرف سے جواب دہی کرنے لگے۔ اور جب دوسرے بزرگوں کا تذکرہ اُس کے سامنے کیا جاوے تو اُن کی تنقیص کرے۔

خلوت نشینی کی شرط

فرماتے تھے کہ ہمارے علماء کا ارشاد ہے کہ خلوت نشینی اُس شخص کے لئے مناسب ہے کہ تفقہ فی الدین کر چکا ہو (یعنی علم شریعت میں ماہر ہو)

مشائخ پر بعض لوگوں کی خدمت کے ثقیل ہونے اور بعض کے ثقیل نہ ہونے کا سبب

فرمایا کرتے تھے کہ مشائخ پر کسی درویش کی خدمت (بدنی یا مالی) ثقیل وناگوار

نہیں ہوتی، بجز اس کے کہ اس کے قلب میں کوئی مرض ہو جس کو اُس نے بزرگوں سے چھپایا ہو۔ چنانچہ بعض دفعہ کہہ بھی دیتے ہیں کہ تم ہمارا کام مت کرو۔

خواب پر مغرور نہ ہونا

فرمایا کہ جب تم خواب میں کوئی بشارت دیکھو تو اپنے نفس سے راضی مت ہو جب تک تمہیں یہ یقین نہ ہو جاوے کہ حق تعالیٰ اُس سے راضی ہے۔ (اور ظاہر ہے کہ خواب سے اُس کو رضا کا یقین نہیں ہو سکتا۔)

از حضرت شیخ سلیمان زاہد رحمۃ اللہ علیہ

(آپ کی وفات ۸۲۰ھ کے چند سال بعد ہوئی ہے)۔

مرید کے صدق و اخلاص کا امتحان

آپ کی عادت تھی کہ بیعت سے پہلے سال بھر تک یا اس سے بھی زیادہ مرید کا امتحان کرتے تھے۔

مرید سے انتظاماً ترکِ تعلق کر دینا

آپ کی عادت تھی کہ بعض مرتبہ مرید سے قطع تعلق کر دیتے تھے اور بعض مریدوں کو حکم دیتے تھے کہ وہ (اُن کے پاس نہ آئے بلکہ) وضو خانہ میں رہا کرے۔ چنانچہ مرید اس کی تعمیل کرتے تھے۔

از حضرت شیخ شمس الدین حنفی رحمہ اللہ متوفی ۸۴۷ھ

درویشوں کا قلب مکدر کرنے کا انجام بد

فرماتے تھے کہ درویشوں کے پاس کوئی لاٹھی نہیں جس سے بے ادبی کرنے والوں کو مارا کریں۔ بلکہ اُن کی طرف سے سزا یہی ہے کہ اُن کا قلب

(بے ادبی کرنے والے کی طرف سے) مکدّر ہو جاتا ہے جو اُس کے لئے دینی ودنیاوی بربادی کا سبب ہو جاتا ہے۔

از حضرت شیخ مدین بن احمد اشمونی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کی ابتدائی تعلیم و تربیت باطنی سیدی احمد زاہد رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر ہوئی اور انتہائی حضرت سید شیخ محمد حنفی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر۔ (اوران دونوں بزرگوں کا تذکرہ ابھی گذر چکا ہے)

بعض دقیق معاملات کی وجہ سے نکال دینے کی سزا

آپ کی عادت شریفہ تھی کہ جب کسی مرید کو دیکھتے تھے کہ حلقۂ ذکر میں حاضر نہیں ہوتا تو اس کو نکال دیتے تھے اور اپنے پاس نہ رہنے دیتے تھے۔ چنانچہ ایک روز آپ نے ایک درویش سے فرمایا کہ اے عزیز تم حلقہ میں کیوں حاضر نہیں ہوتے۔ اُس نے عرض کیا کہ حاضری کی ضرورت تو اُس شخص کیلئے ہے جس میں کوئی کسل اور سُستی ہوتا کہ حاضری حلقہ سے اس کو قوت پیدا ہو جاوے۔ اور الحمد للہ کہ مجھ میں کسل نہیں۔ شیخ نے اس کو نکال دیا اور فرمایا کہ اس قسم کا آدمی تو ساری جماعت کو تباہ کر دے گا۔ کیونکہ ہر شخص یہی دعویٰ کرنے لگے گا۔ جس سے خلوت گاہ (خانقاہ) کا نظام مختل ہو جاوے گا۔

اِن ہی کی دوسری حکایت

ایک درویش ایک روز خانقاہ سے باہر نکلا۔ ایک شخص کے ساتھ شراب کی ایک ٹھلیہ دیکھی اس کو توڑ ڈالا۔ شیخ کو اس کی اطلاع ہوئی تو اس کو خانقاہ سے نکال دیا اور فرمایا کہ میں نے اس وجہ سے اس کو نہیں نکالا کہ اُس نے ایک منکر (یعنی معصیت) کا ازالہ کیا بلکہ اس لئے کہ اس نے اپنی نگاہ کو اتنا آزاد کیوں چھوڑا کہ وہ اس معصیت کو دیکھ سکا۔ کیونکہ درویش کا کام یہ ہے کہ اُس کی نگاہ اُس کے موضع قدم سے تجاوز نہ کرے۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ غالباً شیخ نے اس مرید کو اس کا حکم کیا ہوگا کہ نظر بر قدم کا اہتمام رکھے اسی لئے اس کا اہتمام چھوڑ دینے پر تنبیہ فرمائی۔ اس توجیہ سے یہ اشکال بھی رفع ہوگیا کہ دفعتاً بلا ارادہ کسی معصیت پر نظر پڑ جانا نہ تو اختیار میں ہے اور نہ شرعاً اس پر کوئی ملامت کی جاسکتی ہے۔ تو شیخ نے اس پر سزا کیوں کی۔

(ف): ہمارے زمانے میں چونکہ دین کے ہر شعبے میں عموماً اور سلوک وتصوف میں خصوصاً سلف صالحین کے طرزِ عمل کو لوگوں نے بالکل بھلا دیا ہے۔ اب جو کوئی خدا کا بندہ اس پر عمل کرتا ہے تو ایک نئی چیز سمجھی جاتی ہے اور ناواقف لوگ اعتراض وانکار کے درپے ہو جاتے ہیں۔ الحمد للہ کہ خانقاہِ امدادیہ تھانہ بھون میں اب بھی حضرت حکیم الامت دامت برکاتہم کی ریت انہی بزرگوں کے نقش پر رہے جس کو دیکھ کر بے ساختہ زبان پر آتا ہے ؎

ہنوز آں ابرِ رحمت در فشاں است
خم و خم خانہ با مہر و نشاں است

از حضرت شیخ علی بن شہاب رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۸۹۱ھ

خوف وخشیت اور اپنے نفس کا محاسبہ کثرتِ اعمال سے بہتر ہے

فرماتے تھے کہ بندہ کی مجھ کو کثرتِ عبادت زیادہ پسند نہیں بلکہ مجھے زیادہ پسند یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرے اور اپنے نفس پر نکتہ چینی (محاسبہ) کرتا رہے۔

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ صاحب طبقات کبریٰ میں فرماتے ہیں کہ نویں صدی ہجری کے جن بزرگوں کا تذکرہ لکھنا مقصود تھا وہ اس جگہ ختم ہوگیا اور بہت سی جماعتوں کا ذکر ہم نے چھوڑ دیا ہے۔ کیونکہ ہم نے اس کتاب کو صرف اہل طریق کے احوال بیان کرنے کے لئے وضع کیا ہے اسی لئے ہم نے اس کتاب میں اکثر صرف ایسے ہی بزرگوں کا حال بیان کیا ہے جو اس طریق میں کلام کرنے کا حق رکھتے تھے یا اُن کے ایسے افعال تھے جن کو دیکھ کر مریدین کو عمل میں نشاط اور ہمت پیدا ہو۔ یہی طریقہ ہے

مشائخ کی اقتداء واتباع کا۔ لیکن کرامات اور اعمال صالحہ کے نتائج وثمرات سو اُس میں غور وفکر کرنے کا محل یہ دنیا نہیں ہے بلکہ اس کا محل عالمِ آخرت ہے۔

(**ف**) کیونکہ مدار اس دنیا میں اعمال پر ہے نہ کہ نتائج پر اعمال پر اور نتائج و ثمرات کی جگہ بھی اس میں دار آخرت ہی ہے۔

اس کے بعد امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایسے بزرگوں کا تذکرہ لکھا ہے جن سے اُن کی ملاقات دسویں صدی ہجری میں ہوئی ہے۔ اور اُن میں سے اکثر وہ لوگ ہیں جن کا کلام کتبِ تصوف میں ذکر نہیں کیا گیا۔ بجز شاذ و نادر کلمات کے اور بمناسبت کتاب ہم بھی اُس کا ذکر کرتے ہیں۔ اور بعض ان میں سے مجذوب ہیں جن کی اقتداء نہیں کی جاسکتی۔ اسی لئے میں نے (یعنی حضرت حکیم الامت مد ظلہم مصنف رسالہ نے) اُن کا ذکر چھوڑ دیا ہے۔ مگر حضرت علی خواص رحمہ اللہ جو شعرانی کے سب سے بڑے شیخ ہیں۔ کیونکہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے طریق میں اُن کے کلمات طیبہ کا ایک خاص ذخیرہ نقل فرمایا ہے اس لئے میں نے اس کو نقل کیا اور زیادتی فائدہ کے لئے بمناسبت موضوع کتاب اُن کے دوسرے اقوال بھی شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مستقل رسالوں سے نقل کر کے اُن کے ساتھ ملا دیئے۔ ایک رسالہ کا نام دار الغواص اور دوسرے کا کتاب الجواہر والدرر ہے۔ اور اب میں مقصود کو (یعنی مذکور الصدر مشائخ اور علی خواص رحمہ اللہ کے حالات و مقالات کو شروع کرتا ہوں اور اللہ تعالیٰ ہی فیض اور جود و کرم کا مالک ہے اور یہ مقصود تین چیزوں پر مشتمل ہے۔

اوّل: جو سب سے پہلے ہے وہ اقوالِ متفرقہ ہیں۔ جو دسویں صدی ہجری کے مشائخ سے منقول ہیں۔

دوم: حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کے اقوال جو طبقاتِ کبریٰ سے نقل کئے گئے ہیں۔

سوم: علی خواص رحمۃ اللہ علیہ کے وہ اقوال جو شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کے مذکور الصدر دونوں رسالوں سے لئے گئے ہیں۔

اور چونکہ ممدوح کے اقوال کا ایک معتد بہ حصہ جمع ہو گیا اس لئے اُن کا ایک مستقل نام مقالات الخواص فی مقامات الاخلاص تجویز کیا گیا۔ (تا کہ اُن کو علیحدہ بھی رسالہ کی صورت میں کوئی شائع کرنا چاہے تو کر سکے۔ اب اس مقصد کو شروع کرتا ہوں اور اللہ ہی کی قوت و مدد کے بھروسہ پر اس میدان میں قدم رکھتا ہوں۔

دسویں صدی ہجری کے بعض مشائخ کے اقوالِ متفرقہ

از حضرت محمد مغربی شاذلی رحمۃ اللہ علیہ

جن کی وفات ۹۱۰ھ کے کچھ بعد ہوئی ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری دیکھنے کی حقیقت

ارشاد فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بحالت بیداری دیکھنے سے قلب کی بیداری مراد ہوئی۔ حواس جسمانیہ کی بیداری مراد نہیں۔ پھر اس دعویٰ پر دلیل ذکر کر کے فرمایا کہ یہی بات حق صریح ہے۔

ترجمہ رسالہ

مقالات الخواص....مقامات الاخلاص

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میں مستحقِ ستائش (یعنی حق تعالیٰ) کی حمد کرتا ہوں جو کبھی ختم نہ ہو۔ اور مستحق درود وسلام (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم) پر سلام بھیجتا ہوں جو کبھی منقطع نہ ہو۔ اور حمد وصلوٰۃ کے بعد یہ عرض ہے کہ حضرت علی خواص قدس اللہ سرہٗ کے اقوال وملفوظات کثیرہ میں سے یہ ایک مختصر سا حصہ ہے جس میں مَیں نے صرف اُن اقوال پر اختصار کیا ہے جن کو عوام کی عقلیں برداشت کر سکتی ہیں۔ اور ان کے بھی استیعاب واحاطہ کا ارادہ نہیں کیا اور یہ اقوال تین قسموں پر منقسم ہیں۔

(۱) قسم اوّل

وہ اقوال جو طبقات کبریٰ شعرانی سے لئے گئے ہیں۔

قسم دوم

وہ اقوال جو رسالہ دور غواص سے نقل کئے گئے ہیں۔

قسم سوم

وہ اقوال جو رسالہ ''الجواہر والدرر'' سے منقول ہیں اور بعض مقامات میں مَیں نے عبارت میں اختصار کر دیا ہے اور بعض جگہ بین القوسین چند کلمات و عبارات بغرض توضیح زیادہ کر دی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی سے ہر مقصد میں مدد مانگی جاتی ہے اور وہی انعام واکرام کا مالک ہے۔

قسم اوّل

زیارت کے آداب

حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ زیارت کرنے والے کے آداب میں ہے کہ جس شخص کی زیارت کے لئے گیا ہے اس کو اپنے جانے کی وجہ سے حق تعالیٰ کی طرف سے مشغول وغافل نہ کرے۔ خواہ مشغول نہ کرنے کی صورت یہ ہو کہ جس کی زیارت کیلئے گئے ہیں اُس کا حال اس قدر قوی ہے کہ کوئی چیز اُس کیلئے شاغل و مانع نہیں ہوتی۔ یا یہ کہ ایسے وقت زیارۃ کے لئے جاویں جب وہ فارغ ہوں۔ امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اسی پر اس کو بھی قیاس کیا جاوے کہ اُس کے ضروری پیشہ اور کاروبار میں بھی حارج نہ ہو۔ جس کے ذریعہ وہ اپنے آپ کو لوگوں کے سوال سے محفوظ رکھتا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ اسی پر بدرجہ اولیٰ اس کو بھی قیاس کیا جائے کہ اُس کی علمی خدمت میں حارج نہ ہو جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو عذاب الٰہی سے بچاتا ہے۔

ارشاد: نیز فرماتے تھے کہ زیارت کرنے والے کے آداب میں سے یہ بھی ہے کہ جب تک اس کو اپنے نفس پر یہ اطمینان نہ ہو کہ جس شخص کی زیارت کے لئے جاتا ہے اگر اس کے عیوب دیکھے گا تو پردہ پوشی کرے گا اس وقت تک کسی کی زیارت کو نہ جائے کیونکہ اس صورت میں ترک زیادہ بہتر ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس سے وہ عیب مستثنٰی ہے جو لوگوں کے دین میں ضرر رساں ہو۔ کیونکہ ایسے عیب کا ظاہر کرنا واجب ہے۔

ہدیہ کے بعض دقیق آداب

فرماتے تھے کہ کسی کو ابتداءً ہدیہ پیش مت کرو۔ بجز دو صورتوں کے یا یہ کہ وہ فقیر و محتاج ہو۔ اور یا ہدیہ کا بدلہ دینے میں تکلف نہ کرتا ہو۔ کیونکہ جو شخص ایسے آدمی کو ابتداء ہدیہ

دے جس کی عادت یہ ہے کہ وسعت ہو یا نہ ہو ہدیہ کا بدلہ دینے میں ضرور تکلف کرتا ہے تو یہ ہدیہ پیش کر کے اُس نے اُس کے حق میں بُرا کیا کہ اُس کو مکافات کی مشقت میں ڈال دیا۔ اور کتاب الجواہر میں اتنا اور زیادہ کیا ہے کہ میں نے حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ اگر وہ شخص بطیب خاطر مکافات کرتا (یعنی ہدیہ کا بدلہ دیتا ہے) تو کیا حکم ہے۔ فرمایا ایسی صورت میں مضائقہ نہیں۔ پھر میں نے سوال کیا کہ اگر یہ شخص فقیر ہو اور دُعاء سے مکافات کرتا ہو۔ فرمایا کہ ایسے ہی شخص کو تو ہدیہ دینا چاہئے کیونکہ اُس کے متکفل حق تعالیٰ ہیں وہ اس کی طرف سے مکافات فرماتے ہیں۔

توحید کے بعض آثار

آپ فرماتے تھے کہ جب کسی بندہ کی توحید کامل ہو جاتی ہے تو اُس کے لئے اس کی گنجائش نہیں رہتی کہ وہ مخلوق میں کسی ایک شخص کا بھی سردار بنے کیونکہ وہ وجود صرف حق تعالیٰ ہی کا دیکھتا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام اور خلفائے راشدین اور اُن کے امثال کی ریاست و سرداری (سے مغالطہ میں نہ پڑیں کیونکہ وہ محض) صورۃً ریاست تھی اور حقیقۃً محض انتظام تھا اور وہ بھی باجازت حق سبحانہ وتعالیٰ۔ اس لئے یہ ریاست توحید کو مکمل کرنے والی تھی۔

کمال احسان

آپ فرماتے تھے کہ مرد کا کمال یہ ہے کہ اپنے دشمنوں کے ساتھ اس طرح احسان کرے کہ اُن کو خبر بھی نہ ہو اور وہ اس احسان کا اقرار بھی نہ کریں اور اس کی طرف التفات بھی نہ کریں۔

سلب احوال سے متغیر و دل شکستہ نہ ہونا

فرماتے تھے کہ اُس شخص کی جو اپنے علم میں راسخ ہو علامت یہ ہے کہ سلب احوال کے وقت اس کی تمکین و اطمینان اور زیادہ بڑھ جاوے۔ کیونکہ اس کو حق تعالیٰ کی معیت

نصیب ہے اُن حالات کے ساتھ جس کو حق تعالیٰ پسند فرمائے نہ یہ کہ اپنے نفس کی معیت مرضیاۃ نفس کے ساتھ۔ پس جو شخص اپنی حالت علم میں مثلاً لذت محسوس کرتا ہے وغیبت و حضور یعنی اس حال کے وجدان وفقدان کی دونوں حالتوں میں اپنے نفس کے ساتھ ہے۔

اپنے احوال میں شیخ کی توجہ کے انتظار پر بس کرنے اور عمل میں کوشش نہ کرنے کا ضرر

فرماتے تھے کہ درویش اُس وقت تک کامل نہیں ہوتا جب تک اپنے شیخ سے اپنی تمام کلفتیں نہ اُٹھالے۔ کیونکہ جو شخص اپنے بوجھ اپنے شیخ پر ڈالتا ہے وہ بے ادب ہے۔ اور علاوہ ازیں جب وہ اس کا عادی ہو جاوے گا تو نفس اُسی چیز کا خوگر ہو جائے گا (کہ جو مشقت پیش آوے اس میں شیخ سے مدد لے) تو اُس کی استعداد ناقص ہو جاوے گی۔ پس جب اُس کو کوئی صدمہ پہنچے گا تو اُس کی دیوار منہدم ہو جائے گی اور اُس کا شیخ اس کو درست نہیں کر سکے گا۔

قسم دوم

مدح کرنے والے کی طرف مائل نہ ہونا

شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا میں اُس شخص کی طرف بطور فال نیک لینے کے متوجہ نہ ہوں جو میری مدح کرتا ہے۔ کیونکہ وہ مدح حق تعالیٰ کا ایک عنوان ہے۔ فرمایا، نہیں جو تمہاری مدح کرتا ہے اس کی طرف مائل مت ہو۔ کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو تمہارا نفس (مدح سُننے سے) مانوس ہو جائے گا اور تم کو خبر بھی نہ ہوگی اور ہر وہ چیز جس سے تمہارا نفس مانوس ہو اس کی وجہ سے تم (کاملین کے درجہ تک) پہنچنے سے پیچھے رہ جاؤ گے۔ نیز اُن آداب عبودیت کے ساتھ متخلق و متصف ہونے سے باز رہ جاؤ گے جن کی شان یہ ہے کہ تمہاری احتیاج دائمی اور پروردگار کا غناء دائمی مستحضر رہے۔

مواضع تہمت میں واقع ہونے کا ضرر

شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ مواضع تہمت میں داخل ہونا کیا کاملین کے لئے مضر ہوتا ہے۔ فرمایا ہاں۔ اور جو شخص ایسا کرتا ہے وہ اپنے مریدین و متبعین کو تباہ کرتا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ملامتیہ بنابر تفسیر عوام کا طریقہ خلاف اصل ہے اور بعض بزرگوں سے جو یہ طریقہ منقول ہے وہ ایسا ہے جیسے دوا کیلئے کوئی زہر کھالے۔ نیز جن لوگوں نے ایسا کیا ہے اُن کے اتباع و مریدین بھی نہیں تھے۔

نفس کے خرق عادت کی طرف مائل ہونے کی مضرت

فرمایا کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ خرق عادت کی طرف مائل ہونا کیسا ہے۔ فرمایا کہ بہت بے ادبی ہے کہ بندہ کو نعمت سے تو دلچسپی ہو اور منعم (نعمت دینے والے) سے نہ ہو۔ کیا تم ادنیٰ درجہ کی چیز یعنی نعمت سے بڑے درجہ کی چیز یعنی منعم کو بدلتے ہو۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ نعمت میں خوارقِ عاداۃ بھی داخل ہیں (اس لئے اُن کی طرف مائل ہونا بڑے درجہ کی چیز کو چھوڑ کر چھوٹے درجہ کی چیز لینا ہے۔)

بلاتوشہ کے حج کے لئے جانے کی مضرتیں

فرمایا کہ میں نے آپ سے سوال کیا کہ بعض مشائخ ہر سال بغیر زاد و راحلہ (سامانِ سفر) کے حج کرتے ہیں۔ کیا یہ محمود ہے۔ فرمایا کہ وہ شرعاً مذموم ہے۔ کیونکہ حق تعالیٰ نے حج فرض و نفل دونوں کے لئے استطاعت و قدرت شرط کی ہے تاکہ راستہ میں لوگوں کے احسانات نہ اُٹھائے۔ اور جو شخص اس کو کھانا نہ کھلائے یا سواری پر سوار نہ کرے اُس کے بغض اور بُرا سمجھنے میں مبتلا نہ ہو۔ کیونکہ (ایسی حالت میں یہ اَمر عادۃً) لازمی ہے اور وہ جو بعض سلف سے اس قسم کا سفر منقول ہے (سو اُس پر آج کل

قیاس کرنا صحیح نہیں) کیونکہ اُن لوگوں نے کثرت سے مجاہدات کر کے نفس کو بھوک کا عادی بنالیا تھا۔ یہاں تک کہ بعض لوگ چالیس روز یا اس سے بھی زیادہ نہ کھانے پر صبر کر سکتے تھے تو ان جیسے حضرات کے حال کو اُس کیلئے مسلم رکھا جاوے گا (اس پر نکیر نہ کیا جاوے گا) اور جو شخص لوگوں کو تیز زبانی کے ساتھ طعنے دے تو اُس کا ایسا سفر حرام ہے۔

اپنے برے حالات کا شیخ سے پوشیدہ نہ رکھنا

میں نے آپ سے دریافت کیا کہ خیالات وخطرات قبیحہ شہوانیہ وغیرہ جن کا اظہار عرفاً خلافِ حیاء سمجھا جاتا ہے اگر وہ غالب ہوں تو کیا مرید کو چاہئے کہ صراحۃً شیخ کے سامنے زبان سے اُن کو ظاہر کردے یا (شیخ کے کشف کے بھروسہ پر) محض دل سے ذکر کرنا کافی سمجھے۔ فرمایا کہ شیخ کے سامنے زبان سے تصریح کر دینا اولیٰ ہے (جس میں وجوب بھی داخل ہے) کیونکہ مرید اور شیخ کے درمیان کوئی پردہ نہیں ہے۔ کیونکہ شیخ اس کا طبیب ہے۔

اور شیخ کو اس کی تکلیف نہ دے کہ وہ مرید کا حال کشف سے معلوم کرلیا کرے۔ اسی رنگ پر گذرے ہیں۔ مشائخ سلف یہاں تک کہ مرید کے عیوب اگر کسی پر منکشف ہو جائیں تو سلف نے اس کو کشف شیطانی قرار دیا ہے۔ جس سے وہ توبہ واستغفار کرتے تھے۔ اور حضرت خواص سے ایک دوسرے مقام پر منقول ہے کہ بندہ کے ساتھ حق تعالیٰ کے مکر (استدراج) کی ایک یہ بھی علامت ہے کہ اس پر بندوں کے وہ عیوب ومعاصی منکشف ہونے لگیں جنکو وہ بند گھروں کے اندر پردہ میں کرتے ہیں جس کی وجہ سے اُس کے سامنے اُن کی پردہ دری ہو۔ اور یہ کشف تو صحیح ہوتا ہے مگر کشف شیطانی ہے جس سے توبہ واجب ہے (انتہیٰ) اور جو مرید اپنے شیخ سے کوئی چیز چھپاتا ہے وہ اللہ اور اُس کے رسول اور اپنے شیخ سے خیانت کرتا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں) کہ مراد اس سے وہ عیوب ومعاصی ہیں جن کا علاج دقیق اور مشکل ہو کہ خود اُن کا علاج نہیں کرسکتا وہ معاصی مراد نہیں جن کا علاج واضح اور ظاہر ہو۔

بذریعہ تصرف دشمن سے انتقام لینا

شعرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ عارف اگر صاحبِ تصرف ہو تو کیا اس کے لئے جائز ہے کہ تصرف کے ذریعہ ظالموں اور ایذاء دینے والوں سے اپنے نفس یا اپنے اصحاب کی حمایت و حفاظت کرے۔ فرمایا ہاں جائز ہے۔ اگر چہ یہ ظلم وایذاء ایک ہی مرتبہ ہو۔
مگر اس میں قلتِ ادب ہے۔ (کیونکہ ادب کی بات یہ ہے کہ فاعل حقیقی کا مشاہدہ ہوتے ہوئے کوئی کام اُس وقت تک نہ کرے جب تک وہ اس کا مامور نہ ہو) پس یہ تصرف بحیثیۃ علم کے کمال ہے (یعنی بحیثیت دلیل اس میں کوئی نقص نہیں کیونکہ دلیل شرعی نے انتقام کی اجازت دی ہے۔ اس لئے اُس کے واسطے اُس کو اختیار کرنا بضرورت جائز ہے اور بہت سے آدمی ایسے ہی ہوتے ہیں جب تک ان کو انتقاماً تکلیف نہ پہنچائی جاوے وہ باز نہیں آتے (اور اس وقت میں اُس کا یہ فعل اس آیت کے عموم میں داخل ہو جائے گا، جس کا ترجمہ یہ ہے "اور جو شخص ظلم کے بعد بدلہ لے تو ایسے لوگوں پر (ملامت کی) کوئی راہ نہیں۔

مجذوبوں کے ساتھ معاملہ

اولیاء اللہ کے ساتھ ادب کے متعلق کلام کرنے کے بعد فرمایا۔ لیکن مجذوب پس اُن کا سلام یہی ہے کہ اُن کو سلام نہ کرو (کیونکہ سلامت اُن سے علیحدہ رہنے میں ہے) اور اُن سے دعا کی درخواست نہ کرو ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے لئے بددُعا کر دیں (مشاہدہ ہوا ہے) یا تمہارے پوشیدہ عیوب کھول دیں۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ اکثر لوگ اس بارے میں غلطی میں پڑے ہوئے ہیں۔

دُعا کا بہ نسبت ترکِ دعا کے افضل ہونا اگر چہ یہ شخص قوی ہو

فرمایا کہ میں نے آپ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ سے عفو و عافیت کی دُعا مانگا

کرو اور اس پر الحاح کرو اگرچہ تم تکلیف پر صبر کر سکتے ہو۔

کیونکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں سے اس کو پسند فرماتے ہیں کہ وہ بلاؤں کے حملوں اور اللہ تعالیٰ کے غضب و مکر کے مقابلہ میں اپنے ضعف کا اظہار کریں۔

کیونکہ کوئی شخص قہر الٰہی کی مقاومت اور اُس پر صبر نہیں کر سکتا (حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس کے خلاف جو بعض بزرگوں سے منقول ہے وہ ایک حال (عارضی کیفیت) ہے مقام (ملکۂ راسخہ اور قائمہ صفت) نہیں اور اہل مقام پر بعض اوقات کسی حال کا غلبہ ممکن نہیں۔

کمال کیلئے کرامت کا لازم نہ ہونا اور اس کی طلب کا دلیل بے کمالی ہونا

فرمایا کہ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ مرید اگر ظہور کرامت کا طالب ہو تو کیا یہ اُس کے اعمال (اور کمال) میں حارج ہے اور کیا کسی کرامت کا ظاہر نہ ہونا اس کی دلیل ہے کہ یہ شخص قوم کے طریق میں داخل نہیں ہوا۔ فرمایا کہ مرید کا طلب کرامت کرنا اُس کے اخلاص کے خلاف ہے۔

پھر کرامت کا ہونا اس کی دلیل بھی نہیں کہ اس کو قوم (صوفیہ) کے مقامات میں کوئی درجہ حاصل نہیں ہوا۔ اور توضیح اس کی یہ ہے کہ دنیا (مقصود) نتیجہ اور ثواب کی جگہ نہیں بلکہ وہ عمل اور محلِ عمل کی تیاری کی جگہ ہے۔ اس لئے مرید پر اس کے سوا کچھ واجب نہیں کہ اپنے نفس کو عمل کے لئے تیار کرتا رہے۔ نتائج سو وہ آگے دار آخرت میں آنے والے ہیں۔ پھر اسی مضمون کی طویل حدیث بیان فرمائی۔

عبادات میں نیت کا صحیح کرنا

فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ذاکر کو چاہئے کہ اس کا ذکر محض [illegible] بندگی کی نیت سے ہو کسی مقام کی طلب کیلئے نہ ہو۔

بدون عذر کے ایک طاعت کا اِرادہ فسخ کر کے دوسری طاعت کا قصد کرنا مکروہ ہے

فرمایا کہ میں نے آپ سے سنا ہے کہ شیطان (بعض اوقات) بندہ سے اسی بات پر قناعت کرتا ہے کہ اُس کا اِرادہ ایک طاعت سے توڑ کر دوسری طاعت میں مشغول کر دے۔ صورت اس کی یہ ہے کہ مثلاً اوّل بندہ کے دل میں ڈالتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عہد کرے کہ فلاں رات کو تمام شب نماز پڑھوں گا، پھر جب وہ رات آئی اور اُس نے نماز پڑھنا شروع کیا تو شیطان آتا ہے اور اُس کے دل میں ڈالتا ہے کہ ذکر کرنا بہ نسبت نماز کے بہتر ہے کہ ذکر میں جمعیت خاطر حاصل ہوتی ہے۔ یہ بندہ (اُس کے فریب میں آ کر) نماز چھوڑ دیتا ہے اور ذکر کرنے لگتا ہے جس کی وجہ سے بندہ حق تعالیٰ سے عہد شکنی میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اِبلیس کی یہی مراد تھی۔

(ف): کسی طاعت وعبادت کا معاہدہ اللہ تعالیٰ سے کرنے کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ زبان سے کہے کہ فلاں روز مثلاً روزہ رکھوں گا۔ اس کو اصطلاحِ شرع میں نذر اور منت کہتے ہیں اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ زبان سے یہ الفاظ نہ کہے صرف دل میں عزم کرے۔ یہ اگرچہ نذر نہیں ہوئی جس کا پورا کرنا واجب ہو۔ لیکن یہ بھی فی الجملہ نذر کے مشابہ ہے اور اسی وجہ سے اہل باطن اس کی بھی پابندی کرتے ہیں جیسے نذر کی۔ اور روایاتِ حدیث میں اس کی حجت موجود ہے کہ بعض اعمال فی نفسہا واجب نہ تھے جب کسی شخص نے اُن کی عادت ڈالنے کے بعد پھر چھوڑا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس پر نکیر فرمایا۔ ایک شخص جو نماز تہجد کا عادی ہے پھر چھوڑ دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع ملی تو اس پر وعید ذکر فرمائی۔

حضور مع اللہ اور حضور مع الخلق جمع نہیں ہو سکتے

فرمایا کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ ذاکر کے لئے

یہ ممکن ہے کہ لوگوں کی طرف متوجہ اور اُن سے بات چیت بھی کرتا رہے اور اُس کے ساتھ ہی عالم باطن میں ایسا ہی حاضر رہے جیسے خلوت کے وقت رہتا ہے۔ فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کیا تم یہ نہیں دیکھتے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باوجود سید المرسلین ہونے کے جب آپ پر وحی آتی تھی تو حاضرین سے غائب (بے تعلق) ہوجاتے تھے۔ یہاں تک کہ وحی ختم ہوجاوے۔ اور یہ اُس وقت ہے کہ یہ وحی کا خطاب ایک فرشتہ کے ساتھ خطاب ہوتا تھا۔ اس سے آپ معلوم کرسکتے ہیں کہ اگر بلا واسطہ حضرت حق وجل وعلا کے ساتھ خطاب ہوتا تو کس قدر استغراق ہوتا۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ بہت سے آدمی اس میں دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں کہ تسبیح گھماتے جاتے ہیں اور لوگوں کے ساتھ باتیں بھی کرتے رہتے ہیں۔

مجذوب کا طریق سے واقف ہونا
اور سالک کی معرفت اور مجذوب کی معرفت میں فرق

فرمایا میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ کیا مجذوب بھی سالک کی طرح طریق کی معرفت رکھتا ہے۔ فرمایا کہ مجذوب کے لئے اُن مقامات پر عبور ضروری ہے جو علاماتِ طریق ہیں۔ مگر وہ اُن پر سرعت کے ساتھ گزر جاتا ہے بخلاف سالک کے کہ اس کو حق تعالیٰ اپنی حکمت ومشیت کے موافق ہر مقام پر ایک حد تک ٹھہراتا ہے اس لئے تم یہ نہ سمجھو کہ مجذوب طریق کو نہیں جانتا۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اسی فرق پر ایک دوسرا فرق بھی متفرع ہوتا ہے وہ یہ کہ سالک باختیار خود تربیتِ مریدین پر قدرت رکھتا ہے بخلاف مجذوب کے کہ وہ بغیر اجازت خاص کے تربیت کسی کی نہیں کرسکتا۔ کیونکہ تربیت کی شان یہ ہے کہ جب مرید کسی مقام پر قیام کرے تو یہ بھی اُس میں قیام کرے۔ پس ابوالوقت ہے (یعنی سالک اپنے حال پر غالب ہے) اور مجذوب ابن الوقت (یعنی مغلوب الحال ہے)

طریق کو مختصر کر کے پیش کرنے کی ترجیح

فرمایا کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ شیخ کے لئے یہ اولیٰ ہے کہ مرید کے واسطے طریق کو مختصر کرے یا کہ اُس کو چھوڑ دے کہ اس طریق کے گلی کوچوں میں گھومتا رہے۔ فرمایا کہ مرید کے لئے طریق کو مختصر کرنا ہمارے نزدیک اولیٰ ہے۔ اور شیخ ابو مدین مغربی کا یہی طرز تھا کہ مریدین کے لئے مسافت قریب کرنے کی فکر کرتے تھے اور اُن کو منزلِ مقصود پر پہنچا دیتے تھے بغیر اس کے کہ ان کا ملکوت پر گذر ہو (یعنی مکاشفات کونیہ اور عالمِ ارواح ومثال وغیرہ کے سیر میں مشغول ہو) اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا نفس عجائب ملکوت پر فریفتہ ہو جاوے۔ پھر فرمایا کہ کیا آپ نے حضرت ابو یزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ کا اشارہ نہیں سُنا جو ایک طویل قصہ کے بعد فرمایا تھا کہ میں نے عرض کیا کہ اے میرے مالک آپ کی طرف قریب ہونے کا طریق کیا ہے۔ ارشاد ہوا کہ اپنے نفس کو چھوڑ دو اور آ جاؤ۔ پس حق تعالیٰ نے میرے لئے طریق کو ایک نہایت لطیف اور مختصر کلمہ کے ذریعہ مختصر فرما دیا۔

کیونکہ مرید جب اپنے نفس کو چھوڑ دے (خواہشاتِ نفسانی کو فنا کر دے یعنی اُن کا تابع نہ بنے) تو حق تعالیٰ کی معیت اُس کو حاصل ہو جاتی ہے اور یہ سب سے زیادہ اقرب طرق ہے حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہی بعینہ مسلک ہے ہمارے شیخ (شیخ العرب والعجم) حضرت حاجی امداد اللہ کا۔ حق تعالیٰ اُن کے ذریعہ ہماری مدد فرمائے۔ اور ترکِ نفس سے مراد فنا ہے اور فنا ہی خلاصہ ہے ہمارے شیخ کے طریق کا والحمد للہ۔ اور ہمارے شیخ اس مسلک کے مفید و راجح ہونے پر مبسوط و مفصل کلام فرماتے تھے اور عجیب عجیب مضامین ارشاد فرماتے تھے۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ بفضلہٖ تعالیٰ اس وقت بھی ہمارے شیخ بقیۃ السلف حجۃ الخلف حکیم الامۃ مولانا اشرف علی صاحب تھانوی مصنف رسالہ ٹھیک ماضین کے اس طریق پر عامل ہیں اور پہلے سے زیادہ اُس کو روشن و واضح فرما دیا ہے۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک

قسم سوم

بھوکے رہنے کی حدود

فرمایا کہ میں نے حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا کہ صومِ وصال (یعنی روزہ پر روزہ رکھنا درمیان افطار نہ کرنا) جائز ہے یا نہیں۔ فرمایا کہ جو شخص یہ درجہ رکھتا ہو کہ سوتے ہوئے اُس کو منجانب اللہ کھانا کھلا دیا جاتا ہو اور پانی پلا دیا جاتا ہو (یعنی بھوک اور پیاس کی تکلیف رفع کر دی جاتی ہو) بطورِ وراثت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے (کیونکہ آپ کے حالاتِ طیبات میں ایسا ہی مذکور ہے) تو ایسے شخص کے لئے صوم وصال جائز ہے اور اُس کی ایک علامت ہے وہ یہ کہ یہ شخص اپنی قوت اور عقل اور مزاج میں کوئی ضعف محسوس نہ کرے اور جب اس نے کوئی ضعف محسوس کیا تو اس کیلئے صوم وصال جائز نہیں۔ اور یہ اس لئے کہ حق تعالیٰ ہماری دینی اور دنیوی مصلحتوں سے خوب واقف ہے اس نے روزے کے لئے فجر سے غروب آفتاب کا وقت محدود فرمایا ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اس سے زیادہ کرنے سے جسم میں ضعف پیدا ہو جائے گا جو دوسرے اہم کاموں سے اس کو بیکار کر دے گا۔ جیسا کہ یہ حالت بکثرت ایسے لوگوں کو پیش آتی ہے جو بلا اقتداء کسی شیخ کامل کے کثرتِ عبادت ومجاہدہ مشغول ہو جاتے ہیں۔

پھر میں نے عرض کیا کہ اگر صوم وصال استغراق حال یا کسی واردِ قوی کی وجہ سے ہو جو اس کے اور کھانے کے درمیان حائل ہو گیا (یعنی کھانے سے مانع ہو گیا) فرمایا کہ ایسے شخص کے حال کو اُس کے لئے تسلیم کیا جائے گا (یعنی اس پر نکیر نہیں کیا جائے گا) کیونکہ بعض درویش ایسے بھی ہیں کہ جب کھاتے ہیں تو بھوکے ہو جاتے ہیں بدن اُن کا ضعیف ہو جاتا ہے اور جب بھوکے رہتے ہیں تو پیٹ بھرے رہتے ہیں اور قوی ہو جاتے ہیں جیسا کہ ہم نے ابن عراق رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت میں اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اکابر اولیاء کی بھوک اضطراری ہے اختیاری نہیں۔ فرمایا

ہاں کسی عاقل کے لئے مناسب نہیں ہے کہ کھانا پاس موجود ہوتے ہوئے ایسی بھوک کو اختیار کرے جو اس کے بدن کے لئے مضر ہو۔ اور اگر وہ بھوکا رہے گا تو اپنے نفس پر ظلم کرے گا اور نفس کے بارے میں عدل سے نکل جائے گا اور یہ مذموم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (بھوک سے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ وہ بہت برا ہمخواب ہے (یعنی ایذاء پہنچانے والی چیز ہے) پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جو پے در پے راتوں میں بھوکے رہتے تھے اس کی وجہ یہ تھی کہ کھانے کے لئے کوئی چیز موجود ہی نہ ہوتی تھی یا کسی اپنے سے زیادہ حاجت مند پر ایثار کر دیا جاتا تھا جیسا کہ احادیث میں تصریح ہے۔ اور حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ الحمد للہ قدیم زمانہ سے اس بارہ میں میرا ذوق یہی ہے اگرچہ بہت مصنفین اس کے خلاف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بھوک کو اختیاری (۱) قرار دیتے ہیں۔

استغناء اور زُہد کی حدود

حضرتِ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ نے زُہد کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ زاہد دنیا کی طرف محبت و رغبت کی نظر سے نہیں دیکھتا بلکہ ضروری معاش جس کے بغیر کام نہیں چلتا اس کی تدبیر کیلئے دنیا کی طرف نظر کرتا ہے پس جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ میں ذاتِ حق کی وجہ سے دنیا سے بالکل مستغنی ہوں وہ جاہل اس لئے ہے کہ محض ذاتِ حق پر ساری چیزوں سے مستغنی ہونا حقیقی طور پر کسی مخلوق کے لئے ممکن نہیں۔ کیونکہ وجود (حادث) سے استغناء محض حق تعالیٰ کی ذات کے ساتھ خاص ہے۔

معلوم ہوا کہ مقصودِ قوم کا زُہد فی الدنیا سے اس کے سوا کچھ نہیں کہ قلب فارغ

---

(۱) احقر مترجم کہتا ہے کہ اگرچہ اختیاری کہنا اس معنی سے صحیح ہے کہ اگر آپ چاہتے اور دُعا کرتے تو یہ فقر و فاقہ کی حالت نہ رہتی جیسا کہ روایاتِ حدیث جبریل علیہ السلام کا جبلِ اُحد کو سونا بنا دینے کا ارشاد اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار منقول ہے۔ نیز یہ درخواست کہ اجوع بعمالا شبع یوما او کما قال بھی منقول ہے۔

خلاصہ یہ ہے اختیار کے دو درجے ہیں ایک یہ کھانا پینا پاس موجود ہے اور کوئی مانع شرعی یا طبعی بھی نہیں ہے اور پھر بھوکا رہے یہ طریقہ محمود و مسنون نہیں اور دوسرے یہ کہ ایسی حالت پر قناعت کرے جس میں کبھی بھوکا رہنا بھی پڑے اور اس حالت کے ازالہ کے لئے دُعا و تدبیر نہ کرے یہ عین سنت اور محمود ہے اور اس درجہ میں چونکہ فی الجملہ اختیار بھی ہے اس لئے بعض حضرات نے اسی کو فقر اختیاری کہا ہے ورنہ درجہ اوّل کا فقر اور جوع اختیاری جہل ہے وہ مسنون نہیں ہو سکتا۔ ۱۲۔ محمد شفیع عفاعنہ

رہے اور ضرورت سے زائد دنیا کی تحصیل میں تعمق و تکلف نہ کرے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ مقام زہد میں خلوص کی کیا علامت ہے۔ فرمایا کہ خلوص زہد یہ ہے کہ بندہ اُس چیز پر جس کا حق تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے (یعنی رزق) اپنے ہاتھ کی موجودہ و مقبوضہ چیزوں سے زیادہ بھروسہ رکھے۔ پھر اپنے قبضہ کی چیزوں میں حکیمانہ تصرف کرے (کہ نہ فضول خرچی ہو اور نہ تنگی و بخل) کیونکہ بندہ اپنے مقبوضات میں) حق تعالیٰ کے دو نام معطی اور مانع کی جانب سے حق تعالیٰ کا نائب ہے اس لئے اس کو چاہئے کہ حق کے موافق منع اور حق کے موافق خرچ کرے۔

(ف) مراد یہ ہے کہ جیسے حق تعالیٰ کی دو صفتیں ہیں کہ وہ اپنی حکمت کاملہ بالغہ کے موافق بعض کو عطا فرماتے ہیں بعض سے روکتے ہیں اسی طرح انسان کو حق نیابت ادا کرنا چاہئے یعنی جس موقع پر خرچ کرنا عنداللہ جائز ہے وہاں خرچ کرے۔

اور جہاں ممنوع ہے وہاں ہاتھ روکے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل و تحقیق بہترین تحقیق ہے۔

اس شخص کا حکم جس کو یہ منکشف ہو جاوے کہ میری قسمت میں معصیت مقدر ہے

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ علی خواص رحمۃ اللہ علیہ سے دریافت کیا کہ اُس شخص کا کیا حکم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُن حالات پر مطلع کر دیا ہو جو مستقبل میں اُس پر جاری ہونے والے ہیں اور ہمیشہ اُن احوال کو بغیر زوال کے قائم پاتا رہا ہو۔ کیا اُس کیلئے جائز ہے کہ وہ پیش آنے والے معاملات کے فعل مبادرت (پیش قدمی) کرے تاکہ وہ عمل کی بدصورت قبیحہ اس کے مشاہدہ سے زائل ہو جائے۔ یا وہ صبر کرے۔ فرمایا کسی بندے کے لئے جائز نہیں کہ کسی ممنوع چیز کے فعل پر کسی حال میں پیش قدمی کرے۔ بلکہ اس کو صبر کرنا چاہئے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ پر اپنی قضا جاری کرنے کا اِرادہ فرماتے

ہیں تو اُس کی عقل سلب کر لیتے ہیں اور اُس کا دل اُس پر پوشیدہ کر دیتے ہیں۔ یہاں تک کہ معصیت واقع ہو جاوے۔ پھر جب واقع ہوگئی تو اُس کو استغفار کا حکم دیتے ہیں۔ پس جس شخص نے طاعت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور معصیت پر استغفار کیا اُس نے وہ حق ادا کر دیا جو اس کے ذمہ واجب تھا اور اس پر اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام صادق آ گیا۔ کیونکہ اتباع سنت کے مقام کے لئے معاصی کا عدم وقوع شرط نہیں بلکہ شرط یہ ہے کہ معصیت پر اصرار نہ کرے (بلکہ فوراً توبہ کر لے) فافہم۔

پھر میں نے عرض کیا کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کو اُس حال پر مطلع فرما دیں جو اس کے لئے مقدر ہے اور اس کے فعل کو مقدر فرما دیں تو اس کے اقدام (ابتلاء معصیت) کی کیا صورت ہوتی ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کا یہ حال ہو وہ خلافِ شرع میں محض بحکم تقدیر مبتلا ہوتا ہے خواہش نفسانی اور میلانِ طبعی اور ارتکابِ حرام میں بے پروائی اُس کا سبب نہیں ہوتا۔ پھر میں نے عرض کیا کہ جس شخص کا یہ حال ہو گیا اس کے لئے یہ فعل مباح و جائز ہو جاتا ہے۔ فرمایا کہ نہیں یہ فعل اس کے لئے جائز نہیں ہوتا کیونکہ نام گناہ کا اُس سے سلب نہیں ہوا۔ اور اس سے چند سطر پہلے تحریر فرمایا ہے کہ اس مضمون کی طرف اشارہ اس حدیث سے بھی پایا جاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تمہیں کیا خبر شاید اللہ تعالیٰ نے غزوۂ بدر کے حاضرین پر خاص توجہ فرما کر یہ ارشاد کر دیا ہو کہ جو چاہو عمل کرو میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ کیونکہ حدیث میں یہ فرمایا ہے کہ مغفرت کر دی، یہ نہیں فرمایا کہ گناہ کو تمہارے لئے جائز کر دیا۔ اور مغفرت گناہ کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ (انتہیٰ)

حضرت مصنف دامت عوارفہٗ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں حق بات یہی ہے اور اس مسئلہ میں بعض اہلِ باطن کو لغزش ہوئی ہے جیسا کہ میں نے اپنے شیخ (شیخ العرب والعجم مہاجر مکی قدس سرہٗ)۔ نیز بعض اہل ظاہر کو بھی لغزش ہوئی جیسا کہ عنقریب مسلم الثبوت کے حوالہ سے نقل کیا جائے گا۔ اور یہ لغزش علماء ظاہر سے زیادہ

مستند ہے کیونکہ اہل باطن کا تمام مستند (اس باب میں) محض ذوق ہے اور اس میں غلطی واقع ہونے میں کوئی بُعد نہیں بخلاف علماء ظاہر کے کہ اُن کا مستند، دلائل ہوتے ہیں اور اس مسئلہ کی کوئی دلیل علوم میں موجود نہیں۔

اور اب ہم اہل ظاہر کا قول مذکور مسلم الثبوت سے نقل کرتے ہیں جس کو تیسرے باب میں تکلیف بالممتنع کے مطلقاً عدم جواز کے بیان میں انہوں نے ذکر کیا ہے۔ پس فرمایا کہ حضرات اشاعرہ نے ثانیاً یہ فرمایا ہے کہ ابوجہل کو ایمان کا مکلف بنایا گیا ہے اور ایمان کا حصول اُن تمام اُمور کی تصدیق سے ہوتا ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لاتے ہیں اور منجملہ اُن اُمور کے ایک اُمر یہ بھی ہے کہ ابوجہل آپ کی تصدیق نہ کرے گا۔ تو گویا اُس کو اس کی تکلیف دی گئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بات میں تصدیق کرے کہ وہ آپ کی تصدیق نہیں کرے گا اور یہ تصدیق عدمِ تصدیق پر موقوف ہے۔ کیونکہ اگر آپ کی تصدیق ہو تو وہ (اس کو بھی) جانے گا (کہ میں تصدیق کر رہا ہوں) پھر کہا اور وہ جو (شرح مختصر میں بجواب اشکال مذکور) کہا گیا ہے کہ اگر وہ معلوم کرے تو اس سے تکلیف ساقط ہو جاوے۔

سو یہ جواب درست نہیں۔ کیونکہ انسان مہمل و معطل نہیں چھوڑا گیا (کہ کسی حال میں مکلف نہ رہے) حضرت مصنف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر کے قول سے میری مراد یہی قول ہے دیکھئے ان بعض علماء نے کس طرح ابوجہل سے ایسی حالت میں کہ اُس کو اپنی قسمت میں کفر کا مقدر ہونا منکشف ہو جاوے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کے مکلف ہونے سے خارج کر دیا۔ اور تفصیل اس کی اصل کتاب اور اُس کے منہیہ میں دیکھی جاوے۔ نیز حضرت مصنف دامت معالیہم فرماتے ہیں کہ یہ مسئلہ نہایت دقیق ہے بغیر اس کے پورا انکشاف نہیں ہو سکتا کہ قضاء و قدر کا راز منکشف ہونے کی توقع نہیں اس لئے اولیٰ یہ ہے کہ اس کی تحقیق کو اللہ کے سپرد کر دیں اور تسلیم کر لیں اور اس میں غور و خوض اور گفتگو نہ کریں۔

مقاماتِ باطنیہ کے دوام میں تفصیل

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ (خواص رحمۃ اللہ علیہ) سے سنا ہے جب کہ اُن سے یہ سوال کیا گیا کہ مقاماتِ طریق اصحابِ مقامات کے وقت تک دائم اور ثابت رہتے ہیں۔ تو فرمایا کہ مقامات چند قسم پر ہیں بعض اُن میں سے چند شرائط پر دائر ہیں۔ جب تک وہ شرائط ہیں موجود رہتے ہیں اور جب شرائط زائل ہوں تو زائل ہو جاتے ہیں جیسے تقویٰ مثلاً:

کیونکہ وہ ممنوعات اور متشابہات کے اندر متحقق ہوتا ہے اگر وہ مفقود ہوں تو مقامِ تقویٰ بھی مفقود ہو جائے گا۔ ایسے ہی مقام تجرید کہ وہ قطع اسباب سے حاصل ہوتا ہے جب اسباب مفقود ہو جاویں تو مقام تجرید بھی ختم ہو جائے گا۔ اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو موت تک باقی رہتے ہیں پھر زائل ہو جاتے ہیں مثلاً توبہ اور تمام تکالیف شرعیہ اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو دخول جنت تک قائم رہیں گے جیسے خوف ورجاء اور بعض وہ ہیں جو جنت میں داخل ہو کر بھی ہمیشہ قائم رہیں گے جیسے اُنس اور انبساط اور صفات جمال کا ظہور۔ اھ۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ یہ تفصیل مرتبہ ظہور وصدور میں ہے لیکن مرتبہ اتصاف اور درجہ ملکات میں تو اُس میں یہ سب مقامات برابر درجہ میں قائم وثابت رہتے ہیں (یعنی صدور ان مقامات کے مقتضیات مثلاً خوف ورجاء وغیرہ کا کہیں موت تک ہے کہیں دخول جنت تک لیکن اس شخص کو ان مقامات کا ملکہ اُن کو حاصل ہونا یہ سب مقامات میں متساوی طور پر ہمیشہ باقی رہے گا۔

مثلاً دخول جنت کے بعد بھی اس شخص کو متقی اور خائف وراجی کہہ سکتے ہیں۔ پس حاصل یہ ہے کہ مقامات میں اصل یہ ہے کہ دائم وقائم رہیں بجز اس کے کہ کوئی عارض پیش آجاوے جس کی وجہ سے وہ زائل ہو جاویں اور اصل احوال میں یہ ہے کہ وہ زائل ہو جاویں بجز اس کے کہ کسی عارض کی وجہ سے وہ قائم ہو جاویں۔

ہیبت کے بیان واحکام میں

فرمایا کہ بعض اللہ تعالیٰ کے (خاص) بندوں پر اللہ تعالیٰ کی ہیبت کا غلبہ ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ بالکل جامد وخامد ہو جاتا ہے کہ اُس کی حرکت دنیوی یا دینی اُمر میں باقی نہیں رہتی۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کیا وہ اس حالت میں بھی مکلف ہے۔ فرمایا ہاں مکلف ہے بقدر اپنی قدرت واستطاعت کے۔

کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو بقدر اپنی استطاعت وقدرۃ کے۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب میں تمہیں کسی کام کا حکم کروں تو تم اُس کی اپنی قدرت کے موافق تعمیل کرو۔ پھر میں نے عرض کیا کہ اس حالت میں اگر اس کی کوئی اطاعت وعبادت رہ جائے تو بعد افاقہ اُس کی قضا لازم ہوگی یا نہیں۔ فرمایا کہ ہاں مناسب (ازروئے قواعد شرعیہ) یہی ہے کہ قضاء کرے کیونکہ شریعت کا حکم ہر حال میں نافذ ہے اور شیخ خواص نے اس سے زیادہ کوئی بات نہیں فرمائی۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ میں نے بتوفیق اللہ تعالیٰ اس پر یہ زیادتی کی ہے کہ اس حالت والے کو ایسے بے ہوش آدمی پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کہ اُس کی چھ نمازیں بے ہوشی میں فوت ہوگئی ہوں۔ کیونکہ ایسی حالت بہت شاذ ونادر واقع ہوتی ہے (اور احکام میں نادر کا اعتبار نہیں) بخلاف بیہوشی کے کہ وہ نسبتاً کثیر الوقوع ہے۔

تواضع کی حقیقت

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے حقیقت تواضع کے متعلق دریافت کیا تو فرمایا کہ حقیقت تواضع کی یہ ہے کہ اپنے نفس کو ہر ہمنشین سے کم سمجھے اور یہ کم سمجھنا ذوقی اور وجدانی طور پر ہو محض علم کے درجے میں نہ ہو اور یہ اس لئے کہ صاحب ذوق میں کبر نہیں ہوسکتا اور وہ اپنی تحقیر کرنے والوں سے کبھی مکدر نہیں ہوتا بخلاف اُس کے کہ اُس کی تواضع محض علمی ہو تو بعض اوقات کبر اس میں آجاتا ہے اور اپنی

تنقیص وتحقیر کرنے والے سے مکدّر ہونے لگتا ہے۔ لیکن مشاہدہ تواضع میں ایک دقیقہ ہے جس کو سمجھ لینا ضروری ہے۔ میں نے عرض کیا وہ کیا ہے۔

فرمایا کہ شرط تواضع کی یہ ہے کہ اپنی تواضع اُس کے پیش نظر نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنی تواضع کا مشاہدہ کر رہا ہے تو ضروری ہے کہ وہ اپنے لئے مقام عالی کو ثابت کر رہا ہے۔ پھر اپنے بھائی کے سامنے اُس مقام سے فروتنی اور پستی اختیار کر رہا ہے اور کبر میں مبتلا ہونے کے لئے یہی خیال کافی ہے۔ پھر میں نے عرض کیا کہ کاملین تو اپنے کمال کا مشاہدہ کرتے ہیں تا کہ حق تعالیٰ کا اس پر شکر کریں۔ فرمایا کہ ہماری گفتگو کاملین کے بارے میں نہیں۔ کیونکہ کامل تو ابوالعیون کہلاتا ہے اُس کی ایک نظر اپنے نقص وضعف وغیرہ کی طرف ہوتی ہے تا کہ حق تعالیٰ کے عطیہ کا شکر ادا کرے۔

کامل کا خاتمہ کی طرف سے بےفکر نہ ہونا

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ ولی پر اگر اس کا حُسنِ خاتمہ منکشف ہو جاوے تو کیا وہ اس کشف کی طرف مائل ہو کر خاتمہ سے بےفکر ہو سکتا ہے؟ فرمایا کہ حق تعالیٰ کی قدرت وقہر کے سامنے بےفکری نہیں ہو سکتی کیونکہ (وہ کسی قانون سے مجبور نہیں) جو چاہے کر سکتا ہے۔

اور اعلیٰ درجہ کا کشف یہ ہے کہ کسی شخص کو لوح محفوظ کے لکھے پر اطلاع ہو جاوے جو کہ علم حق تعالیٰ کا خزانہ ہے۔ مگر مرتبہ اطلاق میں کہ اللہ تعالیٰ کسی چیز کے مقید نہیں) حق تعالیٰ کو حق ہے کہ لوحِ محفوظ کے لکھے ہوئے کو بدل دیں۔ بلکہ اگر عارف خود حق تعالیٰ کو دیکھ لے اور حق تعالیٰ اُس سے یہ فرما دیں کہ میں تجھ سے ایسا راضی ہوں کہ اُس کے بعد کبھی ناراضگی نہ ہوگی۔ تب بھی عاقل آدمی کا کام نہیں کہ اس پر مائل ہو کر بےفکر ہو جاوے۔ حضرت مصنف فرماتے ہیں کہ خصوصاً اس وجہ سے کہ کشف حجت نہیں۔ البتہ اگر کسی کو بذریعہ وحی کے بشارت دے دی گئی ہے تو (اگرچہ بےفکر و بےخوف وہ بھی نہیں ہو سکتا مگر) اُس کا خوف احتمال نقیض کی وجہ

سے نہیں بلکہ ہیبتِ حق اور عظمتِ ذات کے سبب ہوتا ہے اور وہ ایک اَمر ذوقی و وجدانی ہے، اسکے ادراک کیلئے استدلال کافی نہیں۔

دُعا بلا لحاظ قبولیت کے خود مقصود ہے

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ کو یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرو کہ تم تقدیر پر بھروسہ کر کے دُعا کرنا چھوڑ دو۔ کیونکہ اگر تم نے ایسا کیا تو تم سے سنتِ انبیاء فوت ہو جاوے گی۔ کیونکہ دُعا خود ایک عبادت اور سنت ہے خواہ وہ قبول ہو یا نہ ہو۔ اس کو خوب سمجھ لیجئے۔

محل زہد کے بیان میں

فرمایا کہ ہم نے اپنے شیخ سے یہ کہتے ہوئے سنا ہے کہ زُہد حقیقۃً یہ ہے کہ مال کی طرف میلان قلب نہ ہو، نہ یہ کہ آدمی کے پاس خود مال نہ ہو۔ کیونکہ نفس کا میلان مال کی طرف اسی لئے ہے کہ اُس کے ذریعے نفس کی حاجتیں اور خواہشات پوری ہوتی ہیں۔ خود مال لذاتہٖ نفس کو مرغوب نہیں کیونکہ وہ تو ایک پتھر ہے اور اگر زُہد حقیقتاً خود مال میں ہوتا تو ہمیں اُس کے ہاتھ میں رکھنے کی بھی ممانعت کر دی جاتی۔ (حالانکہ ہمیں شریعت نے اس سے منع نہیں کیا)

شیخ کے ساتھ ایک دقیق ادب

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے سُنا ہے فرماتے تھے کہ یہ مرید کی طرف سے بے ادبی ہے کہ اپنے شیخ سے یہ فرمائش کرے کہ مجھے اپنے دل میں (خیال میں) رکھئے۔ میں نے عرض کیا کہ اس میں بے ادبی کی کیا وجہ ہے فرمایا کہ اس میں شیخ سے خدمت لینا ہے اور اُس پر یہ تہمت ہے کہ وہ ہماری طرف بغیر درخواست کے توجہ نہیں کرتے۔ اور شیخ کو اس بات کا اَمر کرنا ہے کہ اعلیٰ چیز کے بدلہ میں ادنیٰ چیز خریدے۔ یعنی توجہ الی اللہ کے بدلے توجہ الی الخلق میں مشغول ہو جاوے۔ بلکہ مرید پر واجب بات یہ ہے کہ شیخ کی خدمت میں لگا رہے اور حق تعالیٰ خود اپنے ولی کے قلبی حالات پر مطلع ہے جب

اپنے ولی کے دل میں اس مرید کی محبت دیکھیں گے تو جو حاجت وہ اپنے شیخ سے طلب کرتا ہے وہ خود پوری فرمادیں گے۔ کیونکہ حق تعالیٰ کو اپنے ولی کے قلب پر اس سے غیرت آتی ہے کہ اُس میں اُس کے سوا کسی اور کی محبت رہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مراد اس کی یہ ہے کہ جب اس مرید کی محبت اس کی خدمت کی وجہ سے ولی کے قلب میں داخل ہوگی تو حق تعالیٰ اس کو پسند نہیں فرماتے کہ اپنے ولی کے قلب کو اپنے سوا کسی اور طرف مشغول رہنے دیں۔ یعنی ایسے شخص کی طرف جو اللہ تعالیٰ سے منقطع ہے (اس لئے مرید کو منقطع نہ رہنے دیں گے بلکہ واصل بنادیں گے)

اس کا سبب کہ اہل کمال خوف کی چیزوں سے خوف کرتے ہیں اور اہلِ حال نہیں کرتے

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ اہلِ کمال کو ہم دیکھتے ہیں کہ وہ خوف کی چیزوں (مثلاً درندہ، ظالم وغیرہ سے خوف کرتے ہیں اور اہل حال باوجودیکہ درجہ میں اُن سے کم ہیں ان چیزوں سے نہیں ڈرتے۔

فرمایا کہ اہل کمال مخلوق سے اس لئے ڈرتے ہیں کہ وہ اپنے نفس کا ضعفِ مشاہدہ کرتے ہیں اور اُن کا مرتبہ ہمیشہ یہ ہے کہ حدود وعبودیت پر قائم رہیں۔ بخلاف اربابِ احوال کے کہ اُن کا معاملہ برعکس ہے (یعنی بوجہ غلبۂ حال کے) ان کو اپنے ضعف کا استحضار نہیں رہتا۔ اور مقام عبودیت میں کسی وقت ہوتے ہیں کسی وقت نہیں۔

علم ذوقی کی علامت

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے وہ بار بار فرماتے تھے کہ جس شخص سے کوئی مسئلہ دریافت کیا گیا اور اس نے جواب میں تأمل وغور کیا تو اُس کے جواب پر اعتماد نہ کیا جاوے کیونکہ وہ جواب اُس کے غور وفکر کا نتیجہ ہے اور اہل اللہ کے علم (ذوقی ہوتے ہیں) ان کے لئے غور وفکر شرط نہیں۔

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ مراد یہ نہیں ہے کہ وہ جواب بالکل قابلِ اعتماد نہیں۔ کیونکہ بحیثیت علم استدلالی ہونے کے وہ بھی حجت ہے۔ (جیسے عام علماء ظاہر کا کلام کہ استدلالی ہونے کے باوجود حجت مانا جاتا ہے) البتہ وہ علم وجدانی ہونے کی حیثیت سے حجت نہیں ہے۔ نیز یہ بھی مراد نہیں کہ مطلقاً جواب میں تاخیر کرنا علم ذوقی ہونے کے منافی نہیں ہے، بلکہ وہ تاخر منافی ہے جو تأمل وغور کے لئے ہو۔ لیکن اگر انتظار ذوق کے لئے بغیر تأمل وفکر کے تاخیر ہو تو وہ منافی علم ذوقی ہونے کے نہیں ہے۔

ایک حال سے دوسرے حال کی طرف منتقل ہونے کا قصد نہ کرنا چاہئے

فرمایا کہ میرے شیخ نے مجھے وصیت فرمائی کہ میں اس سے پرہیز کروں کہ جس حال میں مجھے حق تعالیٰ نے رکھا ہے میں اُس سے کسی دوسرے حال میں منتقل ہو جاؤں۔ کیونکہ اگر نظر غائر ڈالی جائے تو بہتری اُسی حال میں پائی جاوے گی جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے اختیار فرمایا ہے۔ حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ اس کے عموم میں یہ بھی داخل ہے کہ قبض باطنی سے تنگ ہو اور بسط کی تمنا کرے۔

شیخ کے لئے مریدوں کا امتحان لینا

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ کوئی شیخ اپنے مریدین کا (بعد اس کے کہ وہ مرید ہو جاویں) امتحان کرے، کیا اس کا ترک اولیٰ ہے۔ اس لئے کہ بسا اوقات امتحان کرنے سے مریدین کے پوشیدہ عیوب ظاہر ہو جاتے ہیں۔

یا یہ بہتر ہے کہ امتحان کرے تا کہ اُس کے صحیح اور فاسد مقامات واضح ہو جاویں۔ فرمایا کہ شیخ کامل کے لئے امتحان کرنا جائز ہے تا کہ مریدین پر واضح ہو جاوے کہ جن مراتب کا دعویٰ اُن کے قلوب میں پایا جاتا ہے وہ صحیح نہیں تا کہ وہ اس دعویٰ سے

استغفار کریں۔ لیکن شیخ کامل کے علاوہ اور کسی کے لئے امتحان کرنا ہمارے نزدیک پسند نہیں اور نہ ہم اس کے قائل ہیں۔ پس شیخ کو چاہئے ایسی چیزوں سے امتحان کرے جس سے اُن کا صدق اور عدم صدق واضح ہو جاوے اور ایسے اُمور سے امتحان نہ کرے جن سے اُن کے پوشیدہ عیوب کھل جاویں۔

اختلاط اور خلوت گزینی میں فیصلہ

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا کہ مخلوق سے اجتناب اتم افضل ہے یا اختلاط افضل ہے۔ فرمایا کہ جس شخص کو حق تعالیٰ دین کی فہم عطا فرماویں اُس کے لئے اختلاط افضل ہے کیونکہ اُس کو ہر گھڑی میں اللہ تعالیٰ کی معرفت زیادہ ہوتی رہتی ہے سو وہ خود بھی اپنے علم سے نفع اُٹھاوے گا اور لوگ بھی اُس کے علم سے نفع اُٹھائیں گے لیکن جس شخص کو فہم سلیم اللہ تعالیٰ کی طرف سے حاصل نہ ہو اس کے حق میں خلوت بہتر ہے تا کہ وہ اختلاط کی وجہ سے ضرر میں مبتلا نہ ہو جاوے۔

جبکہ مجلس میں کوئی ایسا شخص موجود ہو جس کو مسئلہ کا جواب سننا مضر ہے اُس وقت جواب دینے یا نہ دینے کا حکم۔ نیز امتحان کیلئے سوال کرنے والے کو جواب نہ دینے کا حکم

فرمایا کہ میں نے اپنے شیخ سے دریافت کیا اگر مجھ سے کوئی شخص مسئلہ دریافت کرے اور حاضرین میں کوئی ایسا شخص بھی ہے کہ اگر مسئلہ کا صحیح جواب وہ سنے تو اُس کے لئے بوجہ کم فہمی وغیرہ کے مضر ہو تو میں ایسے وقت میں کیا کروں؟ فرمایا کہ اگر ایسا واقعہ پیش آ جاوے تو تم سکوت کرو اور سائل سے کہہ دو کہ اپنے جواب کے لئے کسی دوسرے وقت کا انتظار کرو۔ کیونکہ اگر تم سائل کے حسبِ حال مسئلہ کا جواب دو گے تو اُس کا ہمنشین جو اہل ذوق سے نہیں ہے اُس کو ضرر ہوگا۔ خصوصاً جب کہ وہ جھگڑالو

مزاج کا آدمی ہو۔ اور اگر تم اس ہم نشین کے حسب حال جواب دو گے تو اصل سائل کا
اطمینان نہ ہوگا۔ پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے قلب میں کوئی ایسا عنوان دیں جس
سے وہ جواب تمام حاضرین اعلیٰ و ادنیٰ کے مناسب ہو جاوے تو جواب (اُسی وقت)
دینا چاہئے اور حق تعالیٰ وسعت فرمانے والے حکیم ہیں (ایسے عنوانات بھی اپنے اولیاء
کے قلب میں ڈال دیتے ہیں جو کسی کے لئے مضر نہ ہوں اور سب کا اطمینان ہو جاوے)
پھر میں نے عرض کیا کہ اگر مجھے سائل کے حال سے یہ معلوم ہو کہ وہ امتحاناً سوال
کر رہا ہے۔ فرمایا کہ اس کا جواب مت دو۔ بلکہ اگر تم جواب دینا بھی چاہو گے تو تمہیں
قدرت جواب کی نہ ہوگی۔ کیونکہ امتحان جواب (شافی) کا دروازہ بند کر دیتا ہے۔
اگرچہ یہ جواب اس مجیب کے قلب میں ہمیشہ مستحضر بھی رہتا ہو، تب بھی اُس کا
بیان صاف اور شافی نہ کر سکے گا۔ اس وجہ سے کہ ممتحن نے بے ادبی کی ہے اور اللہ تعالیٰ
بہت مغفرت کرنے والے رحیم ہیں۔ (اھ)

حضرت مصنف دامت برکاتہم فرماتے ہیں: اصل اس بارے میں یہی ہے۔
لیکن اگر مجیب کے نزدیک کوئی اُمر قوی مقتضی جواب ہو تو اس کے خلاف (یعنی جواب
دینا) بھی جائز ہے۔ (مثلاً حاضرین کو جواب نہ دینے سے ضرر کا احتمال ہو) یا جواب
سے اُس مُدعی کی بدذاتی پر تنبیہ مقصود ہو۔ اور اللہ تعالیٰ سننے والے اور قریب ہیں۔

یہ آخر ہے قسم ثالث کا اور اسی کے اختتام پر میں اصل یعنی اماثل الاقوال کو ختم کرتا
ہوں اور اللہ تعالیٰ سے حُسنِ حال و مآل کی دُعا کرتا ہوں۔ اور اس خاتمہ میں ایک لطیفہ
اتفاقاً پیش آیا ہے۔ وہ یہ کہ ختمِ کتاب ایک قسم ہے سکوت کی۔ اور اس ملفوظ اخیر میں بھی
بعض اوقات سکوت کے مطلوب ہونے کا بیان ہے۔

اور اس رسالہ کی تصنیف سے ۲۷ جمادی الاولیٰ ۱۳۵۵ھ کو فراغت حاصل ہوئی تھی۔

و انا اشرف علی التھانوی عفی عنه الخفی و الجلی

❁❁❁

خاتمہ از مترجم

الحمد للہ کہ رسالہ اماثل الاقوال کا ترجمہ ختم ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ یہ کام مجھ جیسے فاسد القلب اور تباہ حال آدمی کا نہ تھا کہ ان کاملین اصحاب ذوق کے کلمات کا ترجمہ کر سکتا۔ لیکن سیدی وسندی حضرت مصنف دامت برکاتہم جو بفضلہٖ تعالیٰ اُنہی کاملین میں سے ہیں۔ اُن کے ارشاد سے اس تفاؤل کی بناء پر یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ شاید حق تعالیٰ ان بزرگوں کے کلمات کی برکت سے اس ناکارہ کی بھی اصلاح فرمادیں۔

وما ذلک علی اللہ بعزیز ولنعم ما قیل۔

ان المقادیر اذا ساعدت الحقت العاجز بالقادر

اور اس ترجمہ سے ۱۶ رشعبان ۱۳۵۹ھ کو فراغت حاصل ہوئی جبکہ اس ناکارہ کی عمر کا پینتالیسواں سال ختم ہونے والا ہے۔ اور اتفاق سے اس میں یہ لطیفہ پیش آیا کہ یہ ترجمہ احقر کی تالیفات کا پینتالیسواں عدد ہے۔

چند اشعار فارسی جو حسب حال بے ساختہ آگئے اُن پر ختم کرتا ہوں۔

اے کہ پنج و چہل بنادانی داد در غفلت و ہوس رانی
شکر نعمت بمعصیت دادی عذر تقصیر ہیچ نہ نہادی
ضعفِ پیری رسید و دربعی وائے ایں بے ہُشی و بوالعجبی
بسرت بہر نذیر شیب رسید واعظِ حق بہ بین زغیب رسید
ہیچ باقی مگر نگہ داری توبہ از کردہا بکف داری

والحمد للہ الذی بعزتہ و جلالہ تتم الصالحات

بندہ محمد شفیع عفا اللہ عنہ

خادم دار العلوم دیوبند ۱۶ رشعبان ۱۳۵۹ھ

آدابُ الشیخ والمرُید

تالیف

امام عارف شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ

شرح اُردو

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب مدظلہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ و صلی اللّٰہ تعالٰی علٰی سیدنا و مولانا محمد و الہٖ وصحبہ و سلم تسلیما کثیراً. اما بعد

یہ ایک مختصر مگر نہایت جامع اور مفید رسالہ حضرت شرف الاسلام والمسلمین شیخ اکبر محی الدّین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ ملائی اُندلسی کی تصنیف ہے۔

اس رسالہ میں حضرت موصوف نے طریقت وسلوک کے وہ آداب اور اُصولِ صحیحہ جمع فرمائے ہیں جو شیخ اور مرید دونوں کے لئے مشعلِ راہ ہیں اور جن کے نظر انداز ہو جانے کی وجہ سے آج کل اکثر اہل طریق اور بڑے بڑے مشائخ طریقت اصل طریقت سے دور جا پڑے ہیں اور صرف یہی نہیں کہ خود اِن سے دور ہیں بلکہ ان اُصولِ صحیحہ سے بیگانگی اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ اگر کہیں کوئی بزرگ سنتِ اکابر پر چلتے ہیں اور اُن آداب کا استعمال فرماتے ہیں تو اُن کو نظرِ اعتراض سے دیکھا جاتا ہے اور طرح طرح کے طعن وتشنیع کئے جاتے ہیں۔

خانقاہ تھانہ بھون میں مجدد الملت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تربیتِ سلوک ہمیشہ سے طبعی طور پر اُنہی اُصول وآداب کے ماتحت ہے لیکن غلبۂ رسوم سے ہمیشہ حقیقت مستور ہو جاتی ہے۔

لوگ نیکی کو بدی اور بدی کو نیکی سنت کو بدعت اور بدعت کو سنت سمجھنے لگتے ہیں

۔اسی طرح اکابر اہل طریق کے اُصول وآداب بھی ایک زمانہ سے دنیا میں مفقود ہیں یہاں تک کہ بہت سے ذکر وشغل کرنے والے اہل طریق بلکہ بعض مشائخ بھی ان کو بدعتِ طریقت سمجھنے لگے۔ میں ذاتی طور پر الحمد للہ ہمیشہ سے ان آداب طریقت کو ضروری سمجھتا تھا لیکن مجموعی حیثیت سے ان کی کوئی نقل سامنے نہ تھی ان ایام میں اتفاقاً رسالہ مذکور نظر سے گذرا تو ایک امامِ فن سے انہی اصول کو منقول دیکھ کر مسرت ہوئی، تھانہ بھون حاضر ہوا تو حضرت اقدس قدس سرہٗ کے سامنے پیش کیا۔ حضرت بھی اسی وجہ سے مسرور ہوئے کہ جو اُصول طبعی طور پر مقرر کئے گئے تھے وہ سب ایک امامِ فن کے قلم سے ظاہر ہوگئے۔ وللہ الحمد اُسی وقت سے اس کا اِرادہ کرلیا تھا کہ اس کا ترجمہ سلیس اُردو میں کر کے طبع کیا جائے۔ اس لئے بنام خدائے عزوجل شروع کرتا ہوں اور اس کا نام حسب تجویز حضرت موصوف ''القول المضبوط'' رکھتا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔

نوٹ:۔ اس ترجمہ پر حضرت مجدد الملۃ حکیم الامت دامت برکاتہم نے باستیعاب نظر اصلاح فرما کر بہت سے حواشی مفیدہ ضروریہ کا اضافہ بھی فرمایا ہے جن حواشی پر مترجم کا حوالہ نہیں وہ سب حضرت موصوف کی عبارتیں ہیں۔ (احقر مترجم)

بندہ محمد شفیع غفرلہٗ
خادم طلبائے دارالعلوم دیوبند
۳ ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ الذی ھدانا لھذا وما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللّٰہ

جب حق تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم فرمایا وانذر عشیرتک الاقربین ﴿اپنے قبیلہ کے قریب لوگوں کو عذاب الٰہی سے ڈرایئے﴾ تو آپ نے اپنے قرابت والوں کو دعوت دی اور صفا (پہاڑ) پر کھڑے ہو کر ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرانا شروع کیا اور جس چیز کی تبلیغ کا آپ کو حکم دیا گیا تھا اُس کی تبلیغ فرمائی جیسا کہ امام مسلم نے اپنی کتاب ''صحیح مسلم'' میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ ''دین خیر خواہی کرنے کا نام ہے''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: کس کی؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی اور اس کی کتاب کی اور اس کے رسول کی اور احکام المسلمین کی اور عام مسلمانوں کی پھر اقرباء اور رشتہ دار۔ حکم شریعت میں (خیر خواہی اور) احسان کے زیادہ مستحق ہیں۔ اور قرابت دو قسم پر ہے ایک قرابت طینیہ (یعنی نسب کی رشتہ داری) اور دوسری قرابت دینیہ اور (زیادہ تر) معتبر شریعت قرابت دینیہ ہے کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دو مذہب والوں کی آپس میں وراثت جاری نہیں ہوتی۔ پس اگر دین نہ ہو تو قرابت طین وراثت کا کچھ حصہ نہیں دِلاتی۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ اسی مضمون کو عارف شیرازی رحمۃ اللہ علیہ نے اس شعر میں خوب ضبط کیا ہے ؎

ہزار خویش کہ بیگانہ از خدا باشد　　فدائے یک تن بیگانہ کآشنا باشد

اور ہمارے شیخ ابو العباس رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی طرف ایک لطیف اشارہ فرمایا ہے وہ یہ کہ میں ایک روز ان کی خدمت میں گیا اور عرض کیا الاقربون اولی

بالمعروف (یعنی اقرباء احسان کے زیادہ مستحق ہیں۔) انہوں نے فرمایا الی اللہ یعنی جو اقرب الی اللہ ﴿اللہ تعالیٰ کا ذکر اس میں یا تو محض تبرکاً ہے اور یا مراد دین الٰہی کی خیر خواہی ہے جس کی تفصیل بعد میں مذکور ہے۔۱۲۔منہ﴾ ہیں وہ احسان کے زیادہ مستحق ہیں۔ اس کی یہ مراد نہیں کہ کسی قرابت والے احسان وسلوک کے بالکل مستحق نہیں بلکہ غرض یہ ہے کہ اصل احسان واکرام کے مستحق وہی لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اقرباء ہوں۔ سو نفسِ احسان ان کے ساتھ بھی ثواب ہے۔۱۲۔ مترجم)

اور اللہ تعالیٰ سبحانہ کا ارشاد ہے انما المؤمنون اخوۃ۔ پس جب ایمان ثابت ہو گیا تو برادری ثابت ہوگئی اور جب برادری ثابت ہوئی تو شفقت ورحمت ضروری ہوئی اور شفقت ورحمت کے اس کے سوائے کوئی معنی نہیں کہ تم اپنے بھائی کو عذابِ دوزخ سے نکال کر جنت کی طرف لے جاؤ اور جہل سے علم کی طرف اور مذامت سے حمد کی طرف اور نقصان سے کمال کی طرف منتقل کرو اس لئے کہ کوئی بندہ اپنے ایمان کو مکمل نہیں کر سکتا جب تک کہ اپنے بھائی مسلمان کے لئے وہی پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے جیسا کہ اس کو امام مسلم نے اپنی کتاب میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرمایا ہے اور تمام مسلمان دوسرے کے مقابلہ میں ایک ہاتھ کی طرح متحد ہیں اور مسلمان مسلمان کے لئے مثل تعمیر مکان ہے کہ ایک اینٹ سے دوسری اینٹ کو قوت ہے پس سمجھ لیجئے کہ اس حکمِ نبوی کی بناء پر مسلمانوں کو غفلت سے آگاہ کرنا اور جہالت کی نیند سے بیدار کرنا اور دوزخ کے غار سے جس کے اوپر وہ کھڑے ہوئے ہیں ان کو نجات دینا واجب ہے۔ پھر مسلمان بہت سے مراتب پر منقسم ہیں۔ منجملہ ان کے ایک مرتبہ تصوف ہے جس کو ایک جماعت نے اختیار کیا ہے جو صوفیاء کے نام سے نامزد کی جاتی ہے اور جس کا حال یہ ہے کہ وہ آخرت کو دنیا پر اور حق تبارک وتعالیٰ کو تمام مخلوق پر ترجیح دیتے ہیں (احقر مترجم کہتا ہے کہ ان حضرات کے پیش نظر یہ ارشاد حق رہتا ہے کہ ما عندکم ینفد وما عنداللّٰہ باق جو کچھ

تمہارے پاس ہے وہ ختم ہو جائے گا اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ہی باقی رہنے والا ہے)

و یطربنی قول بعضھم فی ھذاالمعنی ۔

لکل شیٔ اذا فارقتہ عوض و لیس للہ ان فارقت من عوض

ترجمہ: ''ہر چیز کا بعد اس کی مفارقت کے بدل مل سکتا ہے۔لیکن اگر (خدانخواستہ) اللہ تعالیٰ سے مفارقت ہوگئی تو اس کا کوئی بدلہ نہیں۔''

اور مسلمانوں کے جتنے طوائف اور طبقات مختلف مراتب و مشارب کی وجہ سے ہیں ان میں ہر طبقہ دو حالتوں پر منقسم ہے ایک تو وہ لوگ جو اپنے مشرب و مذہب میں سچے اور صاحبِ حقیقت ہیں۔ دوسرے وہ جو محض مشرب کے مدعی ہیں اور حقیقت کا ان کے پاس کوئی حصہ نہیں۔ پس قرابتِ ہر جماعت کی ان ہی لوگوں کے ساتھ ہے جو ان کے طریق و مشرب میں ان کے ساتھ ہیں خواہ فقط صورت اور ظاہر کے اعتبار سے ساتھ ہوں اور وہ وہ لوگ ہیں جو محض مدعی ہیں اور حقیقت کچھ نہیں کر سکتے اور خواہ ظاہر و باطن اور صورت و سیرت دونوں کے اعتبار سے ساتھ ہوں اور وہ محققین ہیں۔ پس ہمارے ذمہ ضروری ہوگیا کہ ہم ان کے اقرباء و رشتہ دار ہونے کی وجہ سے ان کو عذاب الٰہی سے ڈرائیں اور مسلمان ہونے کی وجہ سے ان کی خیر خواہی کریں اور برادری کی وجہ سے ان پر شفقت کریں۔

طریقت ہی صراطِ مستقیم ہے

اور خوب سمجھ لیجئے کہ یہ طریق یعنی اللہ کا راستہ وہی صراطِ مستقیم ہے جو سب راہوں سے زیادہ بڑا اور سب سے زیادہ اعلیٰ ہے اس لئے کہ راستہ کی شرافت یا دناوت اس کی غایت اور منزلِ مقصود تک اعتبار سے ہوتی ہے اور جبکہ اس طریق کی غایت حق سبحانہٗ وتعالیٰ ہے جو اشرف موجودات و اعز معلومات ہے۔ جس کے سوا کوئی معبود نہیں اس لئے اس کا راستہ بھی سب سے اشرف و افضل ہوا اور جو شخص اس راستہ کا رہبر ہے وہ سب رہبروں اور رہنماؤں سے اکمل و اعلیٰ ہوا اور جو راستہ پر چلنے والا ہے وہ سب راستوں کے چلنے والوں سے زیادہ خوش نصیب اور نجات پانے والا ہے۔ اس لئے عقل مند کے لائق ہے کہ اس

راستہ کے سوا کسی راستہ کو اختیار نہ کرے کیونکہ اس کا تعلق اُس کی ابدی سعادت وراحت کے ساتھ ہے۔ یہ سمجھ لیجئے کہ اللہ کے راستہ پر چلنے والے دو قسم کے لوگ ہیں ایک صادق اور دوسرا صدیق یعنی ایک تابع وخادم دوسرا مخدوم ومتبوع۔ تابع کو مرید یا سالک یا شاگرد کہتے ہیں۔ اور مخدوم ومتبوع کو شیخ اور استاذ اور معلم کہا جاتا ہے اور شیخ سے ہماری مراد وہ شخص ہے جو شیخ اور معلم بننے کی استعداد وقابلیت رکھتا ہو خواہ بحالتِ موجودہ کسی کا شیخ یا معلم ہو یا نہ ہو اور میری غرض اس رسالہ میں یہ ہے کہ مقامِ شیخوخیت اور اس کے لوازم وآداب کو نیز مرید کے مقام اور اس کے لوازم کو بیان کروں جس پر اہلِ طریق کا باہمی معاملہ ہونا چاہئے اور جس صورت پر طریق الٰہی میں چلنا چاہئے اور اسی لئے میں نے اس کا نام "**الحکم المربوط فیما یلزم اهل طریق الله تعالٰی من الشروط**" رکھا ہوا ہے کیونکہ زمانہ لمبے چوڑے جھوٹے دعوؤں سے بھرا ہوا ہے نہ کوئی مرید ہی صادق اور سلوک میں ثابت قدم نظر آتا ہے اور نہ کوئی شیخ ہی محقق نظر پڑتا ہے جو مرید کی خیر خواہی کرے اور اُس کو نفس کی رعونت اور خود رائی سے نکالے اور طریقِ حق اس کے سامنے ظاہر کردے۔ پس مرید شیخوخیت اور بڑائی کا مدعی ہو جاتا ہے اور یہ سب خبط اور تلبیس ہے۔

طریقت میں شیخ کی ضرورت

خوب سمجھ لینا چاہئے کہ دعوت الی اللہ کا مقام وہ نبوت کا مقام ہے یا نبوت کی وراثت کاملہ کا مقام اور جو شخص ❶ اس مقام میں قائم ہوتا ہے اس کو زمانِ نبوت میں نبی کہا جاتا ہے اور زمانہ نبوت کے بعد (یعنی حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) اُس کو شیخ اور اُستاذ اور وارث کہا جاتا ہے جو علماءِ حق ہوں بغیر اس کے کہ وہ انبیاء ❷ ہوں۔ اور شیخ وہ ہے کہ جس کے حق میں اکابر اہلِ طریق نے فرمایا ہے

❶ ﴿اس عنوان سے شبہ نہ کیا جاوے کہ اس مقسم کی دونوں قسموں میں صرف یہی تفاوت ہے کہ ایک قسم زمان نبوت میں ہے اور دوسری قسم زمانِ غیر نبوت میں۔ بلکہ خود دونوں کے کمالات ذاتیہ میں بھی غیر محدود تفاوت ہے۔۱۲﴾

❷ ﴿شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہو گیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی قسم کی نبوت باقی وجاری نہیں مانتے۔ اس لئے فتوحات کی وہ عبارت جس سے شبہ پڑتا ہے یا اُن کی عبارت نہیں جیسا کہ شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے یواقیت میں لکھا ہے اور مؤول ہے﴾

کہ جس شخص کا کوئی اُستاد نہ ہو اس کا اُستاد شیطان ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُستاد جبرئیل علیہ السلام ہیں اور ہروی نے اپنی کتاب درجات لتائبین میں روایت کیا ہے اور یہی روایت مجھے شیخ شریف اجمال الدین یونس بن یحییٰ سے ۹۹ھ حرم بیت اللہ میں رکنِ یمانی کے سامنے حاصل ہوئی جس کو انہوں نے مستقل سند سے روایت کیا ہے اور وہ حدیث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا اور جبرئیل آپ کے پاس پہلے سے تشریف رکھتے تھے۔ اس فرشتہ نے کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ نے آپ کو اختیار دیا ہے کہ آپ چاہیں تو نبی عبد بنیں اور چاہیں نبی بادشاہ بنیں (یعنی نبی بھی ہو اور دنیوی بادشاہ بھی) جبرئیل علیہ السلام نے اشارہ کیا کہ آپ کو تواضع اختیار کرنی چاہئے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نبی عبد بننے کو پسند کرتا ہوں اور ہماری غرض اس حدیث کے نقل سے تعلیمِ جبرئیل کا ثبوت ہے اور یہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسی چیز کو پسند کیا جس کو جبرئیل علیہ السلام نے پسند کیا۔ پس اس جگہ جبرئیل علیہ السلام شیخ معلّم کے قائم مقام تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم متعلم کے مقام میں۔

مترجم عرض کرتا ہے کہ یہاں سے کسی کو شبہ نہ ہونا چاہئے کہ جبرئیل علیہ السلام کا افضل المخلوقات حضرت سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے افضل ہونا لازم آتا ہے جو جمہور مسلمین کے عقیدہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ درحقیقت معلم اور مؤدب حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا خود حق سبحانہ ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام محض واسطہ اور قاصد ہیں مگر صورۃً ① معلم اور شیخ کے قائم مقام ہیں اور اس عرض کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جو چند سطر کے بعد اسی رسالہ میں مذکور ہے۔ ان اللّٰہ ادّبنی فاحسن ادبی یعنی اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا اور تعلیم دی۔ (مترجم)

اور اسی مضمون کے متعلق حق تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ارشاد

① ﴿اس مقولہ کو بعض لوگوں نے حدیث رسول کی صورت میں ذکر کیا ہے مگر حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنی شان کے موافق تحقیق سے کام لیا اور اس کو حدیث نہ فرمایا بلکہ مقولہ شیخ۔ شان وشوکت ظاہری بھی مثل بادشاہوں کے ہو ورنہ آپ کا بادشاہ ہونا یقینی ہے﴾

فرمایا ہے ''لا تحرّک بہٖ لسانک لتعجل بہ ان علینا جمعہٗ و قرانہ فاذا قرانہ فاتبع قرانہ'' نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ادب سکھایا ہے بہترین ادب سکھایا۔

الغرض اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سالک کے لئے مؤدب کی سخت ضرورت ہے اور اسی کا نام اصطلاح میں استاذ اور معلم اور شیخ ہے اس لئے کہ یہ طریق چونکہ شرف و عزت میں انتہائی درجہ رکھتا ہے اس لئے اُس پر ہر طرف سے اور موانع اور ایسے اُمور کا ہجوم ہے جو اِنسان کو ہلاک کرنے والے ہیں اس لئے اس راستہ پر وہی چل سکتا ہے جو بہادر قوی الہمۃ اور پیش قدمی کرنے والا ہو اور اس کے ساتھ کوئی ماہر تجربہ کار رہبر بھی ہو اُس وقت اس راستے پر چلنے کا فائدہ ظاہر ہو سکتا ہے۔

اس لئے شیخ کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنے مرتبہ اتادیب و تعلیم کا حق پورا کرے اور مرید کے ذمہ واجب ہے کہ طریق کا حق ادا کرے، خوب سمجھ لیجئے کہ مقامِ شیخوخیت (یعنی کسی کا پیر اور مصلح ہو جانا) یہ انتہائی مقصود نہیں کیونکہ شیخ بھی اپنے رب سے اُس مرتبہ کا طالب ہے جو اس کو حاصل نہیں اس لئے کہ حق تعالیٰ اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فرماتا ہے وَ قل رب زدنی علماً اور دُعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم زیادہ کیجئے۔ اس لئے شیخ اور استاد کی یہ صفت ہونی چاہئے کہ وہ خواطر نفسانی و شیطانی اور ملکوتی اور ربانی سے پورا واقف ہو۔ احقر مترجم کہتا ہے کہ توضیح اس کی یہ ہے کہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہر انسان کے قلب میں ایک شیطان مسلط ہے اور ایک فرشتہ۔ قلب میں جو خطرات و خیالات پیدا ہوتے ہیں وہ کبھی تو شیطان کی طرف سے۔ (رواہ مسلم) انہی کو اس عبارت میں خطرات شیطانی و ربانی سے تعبیر کیا ہے الغرض شیخ کے لئے ان خطرات کے درمیان تمیز کرنا ضروری ہے نیز اس اصل کا پہچاننا بھی ضروری ہے جس سے یہ خطرات منبعث (یعنی پیدا) ہوئے اور یہ بھی ضروری ہے کہ ان خطرات کے ظاہری حرکات سے یعنی (انبعاثات سے)

جن کا وجود محسوس ہے اور ان میں جو امراض وعلل ہیں جو عین حقیقت کی طرف پہنچنے سے مانع ہیں، پورا واقف ہو (خواطر نفسیہ وشیطانیہ میں تو بالذات بھی امراض وعلل واقع ہو جاتے ہیں اور خواطر ملکیہ وربانیہ میں بعض اوقات دوسرے عوارض سے بعض علل کی آمیزش ہو جاتی ہے۔ تو شیخ کا ان سب سے واقف ہونا شرط ہے۔

اور ضروری ہے کہ امراض کی دواؤں اور اُن کی کیفیات وحقیقت سے بھی واقف ہو اور ان اوقات سے بھی واقف ہو جن میں مرید کو ان دواؤں کے استعمال پر آمادہ کیا جائے نیز مریدوں کے اختلاف مزاج اور خارجی علائق وموانع کو مثلاً والدین اور اہل وعیال اور بادشاہ وغیرہ (تعلقات کی مانعیت) کو جانتا ہو اور ان کی سیاست وتدبیر سے واقف ہو اور مریض مرید کو ان کے (یعنی ان علائق وموانع کے) پنجہ سے نکالے۔ اور یہ سب اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ مرید کو اللہ کے راستہ میں رغبت ہو اور اگر اُسی کو رغبت نہیں تو پھر کوئی نفع نہیں۔

آداب شیخ

شیخ اکبر رحمۃ اللہ علیہ نے اس رسالہ میں آداب شیخ کو شروط کے لفظ سے تعبیر کیا ہے اس لئے احقر نے بھی ان آداب کا عنوان ''شرط'' ہی رکھا (مترجم)۔

شرط 1: شیخ کے لئے یہ شرط ہے کہ مرید کو آزاد نہ چھوڑے کہ جہاں چاہے جائے، بلکہ جب گھر سے نکلے تو اجازت لے کر نکلے اور جس کام کے لئے جائے شیخ کی اجازت سے جائے۔

شرط 2: شیخ کی شرائط سے یہ بھی ہے کہ مرید کو ہر لغزش پر جو اُس سے صادر ہو تنبیہ وزجر وتوبیخ کرے اور اس میں عفو ومساحت کو راہ نہ دے اور اگر عفو سے کام لیا تو اُس نے اس مقام شیخوخیت کا حق ادا نہ کیا جس پر وہ قائم ہے۔ بلکہ وہ ایک بادشاہ ہے جو اپنی رعیت سے خیانت کرتا ہے اور اپنے رب کی حرمت وعظمت پر قائم نہیں۔ اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں من ابدی لنا صفحة اقمنا علیه الحد ''یعنی جو شخص ہمارے سامنے اپنا چہرہ ظاہر کرے گا (مراد یہ ہے کہ جس کا جرم ظاہر ہو جاوے

گا) ہم اُس پر حد قائم کردیں گے"۔ (اسی طرح شیخ کو غلطیوں پر مواخذہ کرنا چاہیے)

شرط 3: منجملہ شرائطِ شیخ کے ایک یہ بھی ہے کہ مرید سے عہد لے کہ وہ شیخ سے کوئی خطرۂ قلبی یا حال باطنی پوشیدہ نہ رکھے گا اور جبکہ طبیب جڑی بوٹیوں کی صورت و خواص سے واقف نہ ہو اور ترکیب ادویہ کو نہ جانتا ہو تو وہ مریض کے لئے مہلک ہے اس لئے خواص کا علم بغیر صورت پہچاننے کے کافی نہیں۔

دیکھئے اگر کوئی دوا فروش (عطار) مریض کا دشمن ہو اور اس کو ہلاک کرنا چاہتا ہو تو طبیب اس کے لئے حسب تجویز دوا طلب کرے گا مگر وہ دوا کی صورت و حقیقت کو پہچانتا نہیں۔ اگر اس وقت عطار اس کو کوئی ایسی چیز دے دے جس سے مریض ہلاک ہو جائے اور طبیب بوجہ ناواقفیت کے وہی دوا مریض کو پلا دے اور مریض ہلاک ہو جائے تو اس کا گناہ عطار اور طبیب دونوں کی گردن پر ہوگا کیونکہ طبیب کا فرض تھا کہ وہ کوئی ایسی چیز نہ پلائے جس کی حقیقت و صورت کو نہ جانتا ہو۔ ایسے ہی شیخ جبکہ صاحب ذوق نہ ہو اور طریق کو محض کتب تصوف دیکھ کر یا لوگوں سے سُن کر حاصل کیا اور وجاہت و ریاست کے لئے مریدوں کی اصلاح و تربیت کرنے بیٹھ گیا تو وہ مرید کے لئے مہلک ہے اس لئے کہ وہ طالب سالک کے مصدر و مورد اور تغیر حالات کو نہیں سمجھتا اس لئے ضروری ہے کہ شیخ کو انبیاء علیہم السلام کا دین اور اطباء کی تدبیر اور بادشاہوں کی سیاست حاصل ہو اُس وقت اُس کو اُستاد کہا جاسکتا ہے اور شیخ پر واجب ہے کہ کسی مرید کو بغیر امتحان و آزمائش کے قبول نہ کرے۔

شرط 4: اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ کسی مرید کے ہر سانس اور ہر حرکت کا محاسبہ کرے اور جتنا زیادہ اس کو مطیع و منبع دیکھے اُس پر اس معاملہ میں تنگی کرے کیونکہ یہ راستہ ہی شدت کا ہے اس میں نرمی کو دخل نہیں کیونکہ رخصتیں تو عوام کے لئے ہیں اس لئے کہ وہ تو صرف اس پر قناعت کرتے ہیں کہ ان پر اسلام و ایمان کا نام آجائے اور صرف اِن چیزوں کو ادا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض کی ہیں

اور جو شخص اعلیٰ درجہ ① کو اور عوام کے مرتبہ سے زیادتی کو طلب کرتا ہے۔

اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حاصل کرنے میں سختیاں برداشت کرے اور جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اپنے سینہ پر موتیوں کا ہار دیکھے اس پر ضروری ہے کہ قعرِ دریا کی ظلمت کو برداشت کرے اور رُوحِ حیات یعنی سانس کو چلنے سے روک دے کیونکہ دریا میں غوطہ لگانے کے لئے ضروری ہے کہ اپنے سانس کو روکے اسی سے ہمارا مدعا ثابت ہوا اور ہمارے امام ابومدین فرمایا کرتے تھے کہ مرید کو رخصتوں سے کیا واسطہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: **والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا**۔ (جو ہماری اطاعت میں مجاہدہ (کوشش) کرتے ہیں ہم اُن کو سیدھا راستہ بتا دیتے ہیں) اب دیکھ لو تم کہاں پڑے ہوئے ہو مجاہدہ کے بعد صحیح راستہ ظاہر ہوگا اور اُس وقت اُس راستہ پر چلنا ہوگا اور راستہ کا قطع کرنا ایک سفر ہے اور سفر ایک قطعہ ہے عذاب کا اس لئے کہ مسافر ایک تکلیف سے دوسری تکلیف کی طرف منتقل ہوتا رہتا ہے پھر راحت کہاں۔

شرط 5: اور شیخ کے شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ شیخوخت (پیری) کی جگہ پر اس وقت تک نہ بیٹھے جب تک اُس کو کوئی شیخ (پیر) اس جگہ پر خود نہ بٹھائے یا حق تبارک ② وتعالیٰ خود اُس پر الہام فرمادیں اور اس کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہی معاملہ ہو کہ بلاواسطہ شیخ تربیت کی جاتی ہو۔

شرط 6: منجملہ شرائط شیخ ایک یہ بھی ہے کہ جب کسی مسئلہ میں کلام کرے اور اُس کے مقابلہ میں کوئی جھگڑا کرنے والا کھڑا ہو جائے تو اپنے کلام کو قطع کر دے اس لئے ان حضرات (صوفیاء) رحمہم اللہ تعالیٰ کا جھگڑا کرنے والوں کے ساتھ کوئی کلام نہیں رہتا کیونکہ ان کے علوم، منازعت (جھگڑے) کو قبول نہیں کرتے اس لئے کہ یہ علوم

---

① ﴿یہ اس زمانہ کے طالبین کی حالت تھی اب تو فرائض کی مشقت کو بھی جو کہ معتد بہ مشقت بھی نہیں، برداشت نہیں کرتے، اُس میں بھی شیخ کی سیاست کو گراں سمجھتے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے فرائض کو صرف ظاہری ارکان اسلام میں اور انہیں بھی صرف صورت کے درجہ میں منحصر سمجھ رکھا ہے﴾۔

② ﴿حضرت قدس سرہٗ نے ارشاد فرمایا کہ اس میں شرط یہ ہے کہ اس زمانہ کے مشائخ طریقت اس کو قبول کر لیں۔۱۲﴾

وراثت ہیں اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کسی بات پر جھگڑا ہوتا تو آپ فرما دیتے کہ نبی کے سامنے منازعت مناسب نہیں اور یہ اس لئے کہ معارف الٰہیہ اور ارشاداتِ لطیفہ ربانیہ احاطۂ عقول سے خارج ہیں۔

یعنی عقل اپنی نظر و فکر سے اُن کا احاطہ نہیں کر سکتی اگرچہ اس کے ادراک کی قابلیت خداداد اس میں موجود ہے اس لئے ان علوم میں (جبکہ عقل کی نظر و استدلال کا راستہ نہیں) تو اب کشف کے سوا کوئی ذریعہ حصول نہ رہا۔ اور جو شخص معائنہ اور مشاہدہ کر کے کوئی خبر بیان کرے تو سامع کو نہ چاہئے کہ اُس میں کوئی منازعت کرے بلکہ احکامِ طریقت کے موافق اُس پر دو چیزوں میں سے ایک واجب ہے یعنی اگر اس صاحبِ کشف کا مُرید ہے تو اُس کی تصدیق واجب ہے اور اگر مُرید نہیں تو تسلیم واجب ہے ❶ کیونکہ مرید اگر اپنے شیخ کے قول کو سچا ہونے کا اعتقاد نہیں رکھتا تو کہاں فلاح پا سکتا ہے اور جب تم کسی شیخ کو دیکھو کہ وہ مُرید کو آزاد چھوڑے ہوئے ہے اور مرید اُس کے مقابلہ (یعنی مخاطبہ) میں ادلہ شرعیہ یا عقلیہ سے استدلال کرتا ہے اور شیخ اس کو زجر و توبیخ نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ وہ تربیت میں خیانت کر رہا ہے اس لئے کہ مرید کے لئے بجز ان اشیاء کے جن کا مشاہدہ معائنہ کر لے اور کسی چیز میں کلام کرنا مناسب نہیں (اور ابھی یہ درجہ اس کو نصیب نہیں ہوا اس لئے اس کو کلام نہ کرنا چاہئے) بلکہ اُس کے ذمہ سکوت واجب ہے اور ایسے اُمور میں) رائے و فکر اُس پر حرام ہے اور دلائل میں نظر کرنا اس پر ممنوع ہے پس جو شیخ اپنے مرید کو اس حالت پر چھوڑے رکھتا ہے وہ اس کا مرشد نہیں، بلکہ اُس کی ہلاکت میں کوشش کرنے والا اور اُس کے حجاب کو بڑھانے والا اور اس کے لئے حق تعالیٰ کے دروازے سے مردود بننے کا باعث ہے اور شیخ کے لئے اولیٰ یہ ہے کہ جب وہ کسی مرید کو دیکھے کہ وہ نظریات میں اپنی عقل کا استعمال کرتا ہے اور شیخ نے جو کچھ اُس کو بتلایا ہے اس میں شیخ کی رائے کی طرف

---

❶ ﴿مراد تسلیم سے یہ ہے کہ اگر تصدیق نہیں کر سکتا تو اس میں کوئی منازعت اور جھگڑا بھی نہ کرے بلکہ سکوت و تسلیم سے کام لے۔ ۱۲۔ مترجم﴾

رجوع نہیں کرتا تو چاہئے کہ اُس کو اپنی مجلس یا خانقاہ سے نکال دے اس لئے کہ وہ دوسرے مریدوں کو بھی خراب کردے گا اور خود کوئی فلاح نہ پائے گا اس لئے کہ مریدین تو عرائس اللہ ہیں یعنی دُلہنوں اور حوروں کی طرح اپنے خیموں میں مقصور ہیں ہر منظر و مجلس سے اپنی نظر بچانے والے ہیں سوا اس منظر کے جس کی طرف اُن کا شیخ اُن کو لے جارہا ہے اور شیخ کے لئے واجب ہے کہ جب یہ سمجھے کہ کسی مُرید کے قلب میں سے اُس کی حرمت اور بڑائی نکل گئی تو اس کو اپنی سیاست کے ذریعہ اپنے گھر سے نکال دے کیونکہ وہ سب سے بڑا دشمن ہے جیسا کہ شاعر نے کہا ہے ۔

احذر عدوک مرة واحذر صدیقک الف مرة
اپنے دشمن سے ایک مرتبہ ڈر تو دوست سے ہزار مرتبہ ڈرو
فلوبما انقلب الصدیق فکان اعرف بالمضرة

''اس لئے کہ بسا اوقات دوست منقلب ہو کر دشمن بن جاتا ہے تو وہ نقصان کے راستے زیادہ جانتا ہے''۔

اور ایسے شخص کیلئے ظواہر شریعت اور عام طریق عبادت کا اشتغال واجب ہے اور ایسے مرید کے درمیان اپنے تمام متعلقین اولاد و اعزہ کے درمیان دروازۂ آمدورفت و میل و ملاقات بند رکھے کیونکہ مرید کے لئے کوئی چیز اس شخص کی صحبت سے زیادہ مضر نہیں جو اس طریق کا قائل یا پابند نہ ہو (جیسا کہ یہ بدر کردہ مرید ہو گیا)

اور شیخ کے لئے تین مجلسیں ہونی چاہئیں

ایک مجلس عوام کے لئے اور دوسری اپنے تمام مریدین و اصحاب کے لئے اور تیسری ہر مرید کے لئے جداگانہ پھر واجب ہے کہ مجلسِ عام ① میں کسی مرید کو شریک نہ ہونے دے اور اگر اُن کو اس مجلس میں شریک کیا تو اُن کے حق میں سخت برائی کی۔

---

① ﴿یعنی جس مجلس میں معارف کا تذکرہ نہ ہو جیسے دنیاداروں کے ساتھ اُن کی مباح حاجتوں میں گفتگو کرنے کا اتفاق ہو جاتا ہے یا جیسے عوام صلحاء کے ساتھ مبادی طریقت و آداب و آداب شریعت کا بیان کیا جاتا ہے سو مجلس عام کی دو قسمیں ہیں قسم اوّل کا عام ہونا بالکل ظاہر تھا اس لئے شیخ نے صرف قسم ثانی کا تذکرہ فرمایا﴾

شرط 7: متعلق مجلسِ عام

اور شیخ کی شرط مجلس عام میں یہ ہونی چاہئے کہ معاملات (یعنی احوال) کہ معاملہ عبد کا ہے حق کے ساتھ) اور کرامات (کہ معاملہ حق کا ہے عبد کے ساتھ) کے نتائج (یعنی آثار) سے اور آداب شریعت کی محافظت اور احترام سے جس پر اللہ تعالیٰ کے خاص بندے گذرے ہیں (یعنی ان چیزوں کے تذکرے سے) تجاوز نہ کرے (غالباً غرض یہ ہے کہ تصوف کے دقیق مضامین اور علوم مکاشفہ کو (جو مجلس خاص میں ذکر کئے جاتے ہیں) اس مجلس میں بیان نہ کرے کیونکہ وہ ان کی سمجھ سے باہر اور اُن کیلئے مضر ہیں۔

شرط 8: متعلق مجلس خاص

اور مجلس خاص میں شیخ کے لئے لازم یہ ہے کہ اذکار وخلوات اور مجاہدات سے اور ان کے راستوں کی توضیح وتلبین سے تجاوز نہ کرے جو آیت کریمہ ''**والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سُبُلنا**'' سے متعلق ومنسوب ہیں۔

شرط 9: متعلق مجلسِ انفراد

اور جب شیخ اپنے مرید کے ساتھ جداگانہ بیٹھے اس کے لئے لازم ہے کہ اس کو زجر وتوبیخ کرتا رہے اور یہ کہ جو حالات مرید پیش کرے اس کے متعلق یہ ظاہر کرے کہ یہ ادنیٰ درجہ کا اور ناقص حال ہے اور اُس کو اُس کی کم ہمتی پر متنبہ کرے اور اپنے حال پر مغرور ومفتون نہ ہونے دے (مترجم عرض کرتا ہے کہ اصل تعلیم یہی ہے لیکن آج کل چونکہ عام طور پر ہمتیں پست ہیں اور قلوب میں رغبت کم۔ اس لئے مرید کے حالات کو بکلی ناقص وادنیٰ ظاہر کرنے سے یہ احتمال ہے کہ مایوس ہو کر چھوڑ نہ بیٹھے اس لئے کچھ ترغیبات سے بھی کام لیا جائے البتہ اس حد تک نہ پہنچنے دے کہ وہ اپنے حال پر مغرور ہو جائے اور غالباً حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اصل میں یہی غرض ہے ورنہ سلف سے بطورِ ترغیب کے بعض حالات پر مبارک باد دینا اور عالی حال ہونے کی

تصریح کرنا منقول ہے اور یہ بھی کہ ۔

در طریقت ہرچہ پیش سالک آید خیر اوست

اور آج کل مرشد المرشدین سیدی وسندی حکیم الامت تھانوی قدس سرہٗ کی تربیت میں بھی موجودہ حالات کی نزاکت اور عام بے رغبتی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس جزو کا خاص لحاظ ہے اور اُس کے ساتھ ہی اکثر احوال واردات کے متعلق یہ بات ذہن نشین کردی جاتی ہے کہ طالب ان چیزوں کو اصل مقصود نہ سمجھے۔ جس کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ ایسے احوال محمود تو ہیں (اوران سے ہمت افزائی ہوتی ہے) اور مقصود نہیں (اس لئے وہ مغرور ومعجب نہیں ہونے پاتا۔ حضرت شیخ کا اصل مقصود یہی جزو ہے)

شیخ کو خود اپنے لئے بھی کوئی خلوت کا وقت رکھنا چاہیئے

اور شیخ پر واجب ہے کہ اپنے لئے کوئی وقت خلوت مع اللہ کے لئے رکھے اور اُس وقت حضور پر اعتماد نہ کرے جو اس کو حاصل ہو چکی ہے اس لئے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ میرے لئے بعض وقت ایسا ہوتا ہے کہ جس میں خدا کے سوا کسی کی گنجائش نہیں ہوتی اور یہ اس لئے کہ نفس کو قوت حضور اس طرح حاصل ہوئی ہے کہ ایک زمانہ تک عادت حضور پر اور اللہ کے سوا تمام ظاہری اور باطنی چیزوں کے ترک پر مداومت کی پس اسی طرح عادتِ نقیض کے حکم پر بھی ہمیں کرنا چاہیئے (یعنی ایسا نہ ہو کہ آہستہ آہستہ حضور کے خلاف (یعنی غیبت کی عادت پڑ جائے بالخصوص جبکہ انسان کی جبلّت وطبیعت بھی اس کی (یعنی غیبت وغفلت کی) مؤید ہو۔

پس جبکہ ہر روز شیخ اپنے حالات کی نگرانی اُسی طریق سے نہ کرے جس سے اُس کو یہ تمکین (یعنی دوامِ اطاعت اور کثرتِ ذکر کی عادت) حاصل ہوئی ہو تو (عجب نہیں) کہ وہ دھوکہ میں پڑ جائے اور آہستہ آہستہ طبیعت وعادت قدیمہ اس کو اپنی طرف کھینچ لے اور پھر وہ خلوت میں بھی رہنا چاہے تو اُنس حاصل نہ ہو بلکہ خلوت سے وحشت ہونے لگے اور یہی حال ہے ان تمام حالات کیفیات کا جو نفس کی طبیعت وجبلت کے موافق نہیں

کہ اُن کے حالات کے حصول پر اعتماد نہ کرنا چاہئے کیونکہ وہ بہت سریع الزوال ہوتے ہیں اور ہم نے بہت سے مشائخ کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے درجہ سے گر گئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور اُن کو عافیت عطا فرمائے (آمین) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے "ان الانسان خلق هلوعاً واذا مسه الشر جزوعاً و اذا مسه الخير منوعاً"۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے نفس کے تمام رذائل کو جمع فرمادیا ہے اور بیان فرمادیا ہے کہ جتنے فضائل نفس کو حاصل ہیں وہ اس کے جبلی اور طبعی نہیں اس لئے اُن کا تحفظ واجب ہے۔

شرط 10: اور شیخ کے آداب لازمہ میں سے یہ بھی ہے کہ جب مرید اُس سے کوئی اپنا خواب بیان کرے یا کوئی کشف و مشاہدہ جو پیش آیا ہو ظاہر کرے تو اس کی حقیقت پر اُس کے سامنے کلام ہرگز نہ کرے لیکن اُس کو ایسے اعمال بتلادے جس سے اُس کی مضرت وحجاب رفع ہو جاوے (یہ اس وقت جبکہ خواب و کشف کسی امر مضر کے متعلق ہو) یا اُس کو اس سے اعلیٰ حال کی طرف متوجہ کردے (اور یہ اُس وقت جبکہ خواب اور کشف سے کوئی اَمر مفید ثابت ہو) اور غرض اُس کی یہ ہے کہ مرید کو اپنے حال سے بڑائی پیدا نہ ہوجائے (نیز تا کہ تفتیش کشفیات کی اس کو عادت نہ ہوجائے جو کہ مضرِ طریق ہے) اور جب شیخ مرید کے خواب یا کشف وغیرہ (کی حقیقت) پر کلام کرے تو اُس کے حق میں برائی کرے گا کیونکہ مرید کے قلب سے اُسی قدر شیخ کی حرمت کم ہوجائے گی جس قدر اُس سے کلام میں بے تکلفی کرے گا۔ ① اور جس قدر حرمت کم ہوگی اُس قدر اس کے اتباع سے انکار پیدا ہوگا اور جب اتباع اور اخذ تربیت سے انکار پیدا ہوگا تو عمل بھی جاتا رہے گا اور جب عمل نہ رہے گا تو (حق تعالیٰ کے اور اس کے درمیان) حجاب حائل ہو کر مردود ہوجائے گا اور طریق کے حکم سے نکل جائے گا۔ پھر اُس کی مثال کُتّے کی سی ہوجاوے گی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور تمام مسلمانوں کے لئے اُس سے عافیت طلب کرتے ہیں۔ (اللہم آمین)

---

① ﴿اور چونکہ اس حقیقت پر کلام کرنا غیر ضروری تھا۔ غیر ضروری کلام سے بے تکلفی بڑھ جاتی ہے۔۱۲)﴾

شرط 11: اور شیخ کے شرائط وآداب میں سے یہ بھی ہے کہ مرید کو کسی کے پاس نہ بیٹھنے دے۔ سوا اُن برادران طریقت کے جو اُس کے ساتھ کام میں اُسی شیخ کے جمع ہیں (اور اس کو ہدایت کرے) کہ نہ وہ کسی سے ملنے جائے اور نہ اس کے پاس کوئی ملنے آئے۔ اور کسی سے اچھا یا بُرا کلام نہ کرے اور جو کچھ اس کو حال پیش آئے یا کرامت ظاہر ہو تو اپنے برادرانِ طریقت میں بھی کسی سے بیان نہ کرے اور اگر شیخ مرید کو اِن افعال میں سے کوئی اس کے کرنے پر آزاد چھوڑ دے تو اس کے حق میں برائی کرتا ہے۔

شرط 12: اور شیخ کے لئے یہ بھی لازم ہے کہ اپنے مریدین کے ساتھ مجالست رات دن میں ایک مرتبہ سے زیادہ ① نہ کرے اور اس (یعنی شیخ) کے لئے ایک گوشہ تنہائی گھر میں ہونا چاہئے جس میں اُس کی اولاد میں سے کوئی بھی نہ جا سکے بجز اس کے جس کو یہ خاص کر دے اور اولیٰ یہ ہے کہ اس تنہائی میں کسی کو خاص بھی نہ کرے تا کہ اُس میں کسی مخلوق کی صورت نہ دیکھے۔ کیونکہ کسی کا دیکھنا اس کے حال میں اس متنفس کی قوت روحانیہ کے اندازہ کے موافق اثر رکھتا ہے اور بسا اوقات اس شخص کی وجہ سے شیخ کا حال اپنی خلوت میں متغیر ہو جاتا ہے اور اس کو ہر شیخ نہیں پہچان سکتا۔ اور ضروری ہے کہ شیخ کیلئے کوئی گوشہ اپنے اصحاب کے ساتھ اجتماع ومجالست کے لئے بھی مقرر ہو۔

شرط 13: شیخ کے لوازم میں سے یہ بھی ہے کہ اپنے ہر مرید کے لئے گوشۂ تنہائی مقرر کر دے جو اس کے لئے مخصوص ہو دوسرا کوئی اُس میں نہ جا سکے۔

اور شیخ کیلئے مناسب ہے کہ جب کسی مرید کے لئے کوئی گوشہ مقرر کرے تو پہلے اُس میں ② خود داخل ہو اور اس میں دو رکعتیں پڑھے اور مرید کی قوتِ روحانیہ اور مزاج میں اور جو اُس کے حال کا مقتضا ہو اُس میں غور کرے۔

پھر شیخ ان دو رکعتوں میں ایسے حضور و جمعیت کو اختیار کرے جو اس مرید کے مناسب حال ہے۔ (غالباً یہ مراد ہے کہ شیخ ابوالوقت ہوتا ہے، ان رکعتوں میں اپنے اُوپر

① ﴿تا کہ وہ بے تکلف نہ ہو جاوے اور تا کہ زیادہ وقت اپنے فرض میں صرف کرے﴾

② ﴿یہ فارغ شیخ کیلئے ہے اور جس کو دوسرے مشاغل دینیہ بھی ہوں وہ اس عمل کی رُوح پر اختصار کرے اور وہ رُوح خاص حالات مناسبہ کا فریضہ ہے، جو بدون دو رکعت کے بھی ممکن ہے﴾

وہ حالات طاری کرلے جن کا اضافہ اُس پر اس وقت مناسب ہے) پھر اس کو گوشہ میں بٹھاوے۔ کیونکہ شیخ اگر ایسا کرے گا تو مرید کیلئے مقصود کا فتح باب قریب ہو جائے گا اور اس کی برکت سے اس کی خیر اس کو جلدی پہنچے گی۔

اور شیخ کو چاہئے کہ مریدین کو آپس میں بھی اپنی مجلس کے علاوہ جمع نہ ہونے دے۔ اور جو شیخ اس میں مسامحت کرے وہ مریدین کے حق میں بُرا کرتا ہے۔

و هذا اخر ما اورده الشيخ الاكبر رحمه الله من اداب الشيخ و شرئطه ترجمتها بالهداية فى فلتات الاوقات والحمد لله الذى بعزته وجلاله تتم الصالحات و كان تسويد ، فى عشرة ذى الحجة س ۱۳۴۹هجرى تسع و اربعين بعد ثلثمائة و الف.

بندۂ ناکارہ وآوارہ

محمد شفیع دیوبندی کان اللہ لہٗ ومشائخہٗ

۱۲/ذی الحجہ ۱۳۴۹ھ یوم الجمعہ

مَعارِفُ العَوارِف
یعنی
ترجمہ عوارف المعارف

حضرت حکیم الامت مجدد الملت جامع الکمالات منبع الحسنات ماہر العلوم القرآنیۃ واقف الاسرار الفرقانیۃ، راس المفسرین مقدام الراسخین صاحب الشریعۃ والطریقۃ، بحر المعرفۃ والحقیقۃ کاشف الاسرار الخفی منہا والجلی اعنی بہ

مولانا محمد اشرف علی التھانوی
نور اللہ مرقدہٗ وجعل الجنۃ مثواہ

یہ کتاب عارف معروف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس سرہ اللہ روحہ کی مشہور عام تالیف ''عوارف المعارف'' کا ترجمہ ہے جو کہ ''معارف العوارف'' کے نام سے منسوب ہے۔ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ نے رسالہ ''القاسم والرشید'' کیلئے تحریر فرمایا۔ پھر یہ سلسلہ ماہنامہ ''الامداد'' میں جاری و ساری رہا۔ زیر نظر کتاب ''معارف العوارف'' کا مآخذ بھی ۱۳۳۶ھ کے شائع شدہ ''الامداد'' کے رسائل ہیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

معارف العوارف یعنی ترجمہ اُردو عوارف المعارف

بعد الحمد والصلوٰۃ احقر اشرف علی عفی عنہ مدعا نگار ہے کہ مدت سے بفضلہٖ تعالیٰ رسالہ القاسم والرشید کے لئے مضامین نافعہ بھیجنے کا التزام چلا آتا ہے چونکہ گاہ گاہ مضامین کی تجویز کرنے میں قدرے تکلف ہوتا تھا اس لئے خیال ہوا کہ کوئی مضمون منقول مسلسل ایسا تجویز کیا جائے کہ مدت معتد بہا تک اس تکلف کی حاجت نہ رہے اور وہ فی نفسہ بھی غایت درجہ کا مفید ہو۔ آخر منجانب اللہ کتاب عوارف المعارف تصنیف عارف معروف حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی قدس اللہ تعالیٰ روحہ کہ وہ ایسی ہی ہے ذہن میں آئی جس کے مصنف کی نسبت تاریخ ابن خلکان میں لکھا ہے کہ وہ فقیہ شافعی المذہب اور شیخ صالح ورع کثیر العبادت والریاضت تھے اور اپنی آخر عمر میں لاثانی تھے اپنے عم بزرگوار حضرت شیخ ابوالنجیب قدس اللہ سرہٗ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہٗ کی صحبت سے استفادہ فرمایا۔ سہرورد میں کہ عراق عجم میں زنجان کے پاس ایک شہر ہے آخر رجب یا اوائل شعبان ۵۳۹ھ میں پیدا ہوئے اور بغداد میں غرہ محرم ۶۳۲ھ میں وفات فرمائی اور وردیہ میں مدفون ہوئے۔ کتاب موصوف میں یہ خصوصیت ہے کہ زمانہ متقدمین کی تصنیف ہے جس میں اصل فن محفوظ تھا مصنف حجۃ

عندالکل ہیں اور تصنیف تمام ضروریات طریق کو جامع ہے اوران خصوصیات کے سبب سے وہ بلاکسی خدشہ کے قابل عمل ہے چنانچہ مجھ سے میرے ایک موثوق بہ عزیز اور دوست نے افضل المتاخرین نموذج المتقدمین میں حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کا اس کے باب میں یہ مقولہ نقل کیا ہے کہ شیخ طریقت کے لئے فلاں فلاں صفات کے ساتھ موصوف ہونا چاہئے جو اس زمانہ میں نادر ہیں۔اور جس کسی کو ایسا قابل اطمینان مرشد میسر نہ آئے تو وہ عوارف کے مطالعہ کو لازم پکڑے۔اھ

پس ایسی حالت اور ایسی شہادت کے بعد اس کے غایت نافع ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے مگر چونکہ عربی زبان میں تھی اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ اس کا اردو ترجمہ دونوں (چند روز تک یہ ترجمان دونوں رسالوں میں شائع ہوتا رہا پھر سرپرستان رسالتین کی اجازت سے محرم الحرام ۱۳۳۶ھ سے رسالہ الامداد میں شائع ہونے لگا اور مناسب معلوم ہوا کہ اول ہی سے درج کیا جائے باقی التزامات ترجمہ میں کوئی فرق نہیں ہوا ۱۲ منہ) رسالوں میں شائع کیا جائے اس طرح کہ اس کی اول جلد کا ترجمہ القاسم میں اور جلد ثانی کا ترجمہ الرشید میں تاکہ ہر رسالہ کے ملاحظہ کے وقت اُس کتاب سے انتفاع ہوسکے نیز چونکہ کتاب بڑی ہے ایک ہی رسالہ میں شائع ہونے سے اور زیادہ زمانہ صرف ہوتا یہ بھی ارادہ ہے کہ جہاں کوئی مقام شرح طلب ہو وہاں صرف ترجمہ پر اکتفا نہ کیا جائے ضرورت کے موافق مزید شرح بھی کردی جائے اور اس کے اول میں حرف (ف) اور اُس کے ختم پر علامت (اھ) بنا کر اس کو ترجمہ سے ممتاز کر کے پھر حرف (ت) سے ترجمہ شروع کیا جائے البتہ اگر توضیح وغیرہ کے لئے درمیان میں کہیں مختصر اضافہ کیا جائے تو صرف احاطہ قوسین پر کفایت کی جائے اور شاید اگر کہیں کوئی مسئلہ مختلف فیہا آجائے تو وہاں اپنے مذہب حنفی پر بھی مطلع کردیا جائے اور نام اس کا اصلی نام کی ترتیب بدل کر معارف العوارف رکھا گیا اور اس کے ساتھ ہی رسالتین موصوفتین کے سلسلہ مضامین میں قدیم میں سے جب کوئی مضمون بلا

تکلف ذہن میں آ جایا کرے گا اس کو بھی منقطع نہ کیا جائے گا۔

ومن الله التوفيق وهو خير معين ورفيق كتبه سادس (في هذا العبارة لطيفة وهي جمعها اعدادا مرتبة من الواحد الى السابع يومًا وساعة وسنةً وتاريخا وان كان ذكر الخمس في ضمن خمسين لانه خمس من العشرات ١.٢ منه) ربيع الأخرا وسابعه يوم الجمعة حين كنت ابن اربع وخمسين عاماً مع زيادة يومين وثلث ساعات.

تمہید جلد اوّل کتاب معارف العوارف

اس میں بتیس باب ہیں جس کے مضامین کی ملخص (اور جلد ثانی کے مضامین کی ملخص فہرست اس کے شروع میں ہے ملاحظہ فرمائیں۔۱۲ منہ) فہرست یہ ہے۔

علوم صوفیہ۔فضائل۔عادات۔اخلاق۔آداب۔اوضاع۔رسوم صالحہ

اب بنام خدا ترجمہ شروع ہوتا ہے مگر خطبہ کا ترجمہ بوجہ طول کے نہیں کیا گیا۔

باب اوّل علوم صوفیہ کے مأخذ میں

حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ یعنی شیخ الاسلام ابو النجیب عبدالقاہر بن عبداللہ بن محمد سہروردی نے بطور املاء کے اپنے الفاظ سے شوال ۵۶۰ھ میں اور فرمایا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو شریف نور الہدیٰ ابو طالب حسین بن محمد زینبی نے اور انہوں نے کہا خبر دی ہم کو کریمہ بنت احمد بن محمد مروزیہ مجاورہ مکہ محروسہ نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو الہیثم محمد بن مکی کشمیہنی نے اور انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو عبداللہ محمد بن یوسف فربری نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو عبداللہ محمد بن اسماعیل یعنی امام بخاری نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابو کریب نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابو اسامہ نے برید سے انہوں نے ابو بردہ سے انہوں نے حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ

آپ نے ارشاد فرمایا کہ میری حالت اور اس دین کی حالت جس کے ساتھ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے مثل اس شخص کی حالت کے ہے کہ وہ ایک قوم کے پاس آیا اور کہا کہ اے میری قوم میں نے اپنی آنکھوں سے ایک لشکر دیکھا ہے اور میں بے غرض اطلاع کرنے والا ہوں سو اپنے کو بچاؤ اپنے کو بچاؤ۔

پس اس کی قوم میں سے ایک جماعت نے تو اس کا کہنا مان لیا اور شبا شب چل دیئے اور باطمینان چلے گئے اور بچ گئے اور ان میں سے ایک جماعت نے (اس شخص کو) جھوٹا قرار دیا اور اپنی اُسی جگہ پر صبح تک رہے پس صبح ہوتے ہی وہ لشکر ان پر آ پڑا اور ان کو ہلاک کر دیا اور ان کا استیصال کر دیا پس یہی حالت ہے اس شخص کی جس نے میرا کہنا مانا اور میرے لائے ہوئے دین کی پیروی کی اور حالت اس شخص کی جس نے میرا کہنا نہ مانا اور جو دین حق میں لایا ہوں اس کو جھٹلایا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ نے جو ہدایت اور علم دے کر بھیجا ہے اس کی مثال اس کثیر بارش کی سی ہے جو کسی زمین کو پہنچی سو اس میں کا ایک قطعہ تو قابل کاشت تھا جس نے پانی کو قبول کیا پھر اس میں گھاس اور سبزہ کثیر پیدا ہوا اور اس (شیخین نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے مگر اس میں بجائے لفظ اخادات، بمعنی الغدران جمع اخادۃ کما فی القاموس کے اجادب بمعنی الارض الصلبہ آیا ہے وہ اس کی طرف بھی راجع ہوسکتا ہے اور اس کی دوسری توجیہ بھی ہوسکتی ہے ۱۲ منہ) میں کا ایک قطعہ تالاب تھا جس نے پانی کو جمع کر لیا سو اللہ تعالیٰ نے اس سے لوگوں کو نفع پہنچایا۔

پس انہوں نے پیا بھی اور (مواشی کو) پلایا بھی اور آبپاشی بھی کی اور اس میں کا ایک اور قطعہ (غیر قابل کاشت) تھا جو محض ہموار میدان تھا کہ نہ تو وہ پانی کو جمع کرتا ہے (بوجہ نشیب نہ ہونے کے) اور نہ گھاس اگاتا ہے (بوجہ غیر قابل کاشت ہونے کے) پس یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے دین الٰہی میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اس کو اس علم نے نفع دیا جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے پس اس نے خود بھی جانا

اور دوسروں کو بھی بتلایا (اور پھر اس میں دو درجے ہیں ایک درجہ تو مثال ہے اس قطعہ کی جس میں گھاس وغیرہ جما اور ایک درجہ مثال ہے۔

اس قطعہ کی جس میں پانی جمع ہو کر تالاب بن گیا چنانچہ ان دونوں درجوں کا بیان عنقریب خود حضرت شیخ مؤلف رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں آتا ہے) اور مثال ہے اس شخص کی جس نے اس (علم ودین) کی طرف سر بھی نہیں اٹھایا اور اس ہدایت کو قبول نہیں کیا جو مجھ کو دے کر اللہ تعالیٰ نے بھیجا ہے (یہ مثال ہے اخیر کے قطعہ کی جس میں نہ گھاس جما نہ پانی جمع ہوا) حضرت شیخ نے (اس کی شرح میں ارشاد فرمایا ہے کہ حق تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لائے ہوئے طریقہ کے قبول کرنے کے واسطے سب سے زیادہ صاف قلوب کو اور سب سے زیادہ پاک نفوس کو مہیا (اور تجویز) فرمایا ہے سو (اُن کے) صفائی کے تفاوت اور پاکی کے اختلاف کا ظہور (اس) فائدہ اور نفع کے تفاوت (کے ضمن) میں ہوا (جو اُن قلوب ونفوس سے بندگان حق کو پہنچا)۔ سو بعض قلوب تو بمنزلہ اس زمین قابل کاشت کے ہیں جس نے گھاس اور سبزہ کثیرہ اگایا (جس کا ذکر حدیث میں سب سے اول ہوا ہے) اور یہ مثال ہے اس شخص کی جو علم (دین) سے خود منتفع ہوا اور ہدایت حاصل کی اور اس کے علم نے اس کو نفع بخشا اور اس کو صراط مستقیم متابعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بتلایا (یعنی خود عمل کیا اور گو دوسروں کو بھی اس نے نفع پہنچایا مگر کیفیت اور کمیت میں تالاب کے برابر نہیں۔ اور بعض قلوب ایسے ہیں جو بمنزلہ تالابوں کے ہیں (جن سے دوسروں کو بھی نفع کثیر اور مدید پہنچ رہا ہے) پس نفوس علماء زاہدین یعنی حضرات صوفیہ ومشائخ کے پاک ہو گئے اور قلوب ان کے صاف ہو گئے پھر مزید فائدہ رسانی کے ساتھ مخصوص ہو گئے۔

پس وہ حضرات (گویا) تالاب بن گئے (چنانچہ) حضرت مسروق (تابعی) کہتے ہیں کہ میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ رہا پس میں نے ان کو تالابوں کی طرح پایا کیونکہ ان کے قلوب واعیہ یعنی خازن ہو گئے علوم (موہوبہ)

کے (جس کو آگے علوم وراثت سے تعبیر فرمائیں گے) بذریعہ اس صفاء فہم کے جوان کو عطا ہوئی ہے (اور ایسے حضرات کی مثال وسط حدیث میں ہے اور ان دونوں قلوب کو حدیث مذکور کا یہ مضمون شامل ہے کہ یہی مثال ہے اس شخص کی جس نے دین الٰہی میں سمجھ بوجھ حاصل کی اور اس کو اس علم نے نفع دیا جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھیجا ہے پس اس نے خود بھی جانا اور دوسروں کو بھی بتلایا جیسا بندہ مترجم نے اوپر اشارہ بھی کیا ہے خلاصہ یہ ہوا کہ تعلم و تعلیم والوں کی دو قسمیں ہوئیں ایک علماء ظاہر کہ مشابہ گھاس والی زمین کے ہیں کہ نافع ہے مگر تالاب کے برابر نہیں اور علماء باطن کہ مشابہ تالابوں کے ہیں جو نافع ہونے میں اکمل واوسع ہیں جس کی وجہ آگے آئے گی۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ علماء ظاہر کے علوم صرف علوم مکتسب ہیں جن کا لقب آگے علوم دراستہ آتا ہے اور علماء باطن کے علوم علاوہ علوم دراستہ کے علوم موہوبہ بھی ہیں جن کا لقب آگے علوم وراثت آتا ہے آگے یہی مضمون مفصل ہے۔

چنانچہ فرماتے ہیں کہ) خبر دی ہم کو شیخ امام رضی الدین ابوالخیر احمد بن اسمٰعیل نے بطور اجازت کے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوسعید محمد خلیلی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو قاضی ابوسعید محمد فرخزاری نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابواسحاق احمد بن محمد ثعالبی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابن فنجویہ نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابن حیان نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے اسحاق بن محمد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے میرے باپ نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابراہیم بن عیسٰی نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے علی بن علی نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابوحمزہ ثمالی نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی مجھ سے عبداللہ بن الحسن نے کہا انہوں نے کہ جس وقت کہ یہ آیت نازل ہوئی وتعیھا اذن واعیہ یعنی محفوظ رکھتے ہیں اس (تذکرہ یعنی نصیحت وعبرت) کو محفوظ رکھنے والے کان تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا میں نے حق

تعالیٰ سے دعا کی ہے کہ تمہارے کان کو واعیہ یعنی محفوظ رکھنے والا بنادے۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ پھر اس کے بعد میں کچھ نہیں بھولا اور نہ ہوسکتا تھا کہ بھولوں (کیونکہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ دعا قبول ہوگئی تھی پس حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس قول سے واعیہ کا مفہوم اور اس کی تفسیر معلوم ہوگئی کہ علم کے ایسے حاضر ہونے کو کہتے ہیں جس کو پھر غیبت نہ ہو اور یہ شان علم مکتسب کی نہیں ہے صرف علم موہوب کی شان ہے جس کا سبب تعلق خاص مع اللہ ہے اور یہ تعلق باقی و دائم ہے پس جو علم اس سے ناشی اور اس کا معمول ہے وہ بھی باقی و دائم ہوگا دوسرے وہ ذوقی اور حالی ہے مثل طبعی کے اور طبعیات میں زوال نادر ہے۔

جب واعیہ کی تفسیر یہ ہے اور حضرت مسروق نے قلوب صحابہ کو واعیہ کہا ہے تو ان حضرات کا صاحب علوم موہوبہ ہونا ثابت ہوگیا اور اگر واعیہ کے مفہوم میں صرف حافظ و خازن ہونا معتبر ہوتا گو بقا کے ساتھ نہ ہو جو کہ علوم مکتسبہ میں بھی متحقق ہے تو حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ نہ فرماتے کہ نہ ہوسکتا تھا کہ بھولوں کیونکہ اجابت دعائے نبوی مطلق حفظ الی زمان معتدبہ بلا بقاء سے بھی متحقق ہوسکتی تھی جیسے کسی بزرگ نے دعا کردی کہ زید کو قرآن حفظ ہوجائے تو اگر ایک بار پورا اچھی طرح یاد ہوجائے پھر خواہ بھول ہی جائے تو کیا نہ کہیں گے کہ ان بزرگ کی دعا قبول ہوگئی تھی) ابوبکر واسطی (واعیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ایسے کان مراد ہیں) جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس کے اسرار کو مخزون کرلیا۔ اور انہوں نے (اس کی تفسیر میں) یہ بھی فرمایا ہے کہ وہ پورے جمع (فی القاموس وعاہ حفظ وجمعہ الخ ۱۲ منہ) یعنی پُر کرنے والے ہیں اپنے معاون میں (مطلوب کو) کہ اُن میں بجز اس چیز کے جس کا انہوں نے مشاہدہ کیا ہے اور کوئی چیز نہیں (ورنہ وہ مطلوب کے پورے جامع نہ ہوتے بلکہ کچھ مطلوب پر کچھ غیر مطلوب پر مشتمل ہوتے) پس (لزوماً) وہ اس (مشاہدہ کی ہوئی چیز) کے ماسوا سے خالی ہیں۔ سو طبائع میں جو اضطراب ہوتا ہے (جس سے وہ مقتضائے علم سے متزلزل

ہو جاتے ہیں) وہ (اضطراب) ایک قسم کا جہل ہوتا ہے (اور صوفیہ اس اضطراب سے مبرا ہیں) تو (سبب اس کا یہی ہے کہ) صوفیہ کے قلوب (علوم کاشفہ حقائق مطلوبہ کے) خازن ہیں (جس کی) وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اساس تقویٰ کو محکم کر کے دنیا میں بے رغبتی اختیار کی سو تقویٰ سے ان کے نفوس پاک ہو گئے اور زہد سے ان کے قلوب صاف ہو گئے پھر جب انہوں نے شواغل دنیا کو زہد کے سبب ترک کر دیا اُن کے باطن کے مسامات کشادہ ہو گئے اور اُن کے قلوب کے کان سننے لگے اور ان کے زہد فی الدنیا نے ان کی اعانت کی (یہ تحقیق تھی قلوب صوفیہ یعنی علماء باطن کے واعیہ ہونے کی جن کو حدیث بالا میں تالابوں کے مشابہ فرمایا ہے۔

آگے علماء ظاہری کے علوم کو جن سے انہوں نے دین کی خدمت کی اور جن کو اوپر حدیث میں گھاس والی زمین سے تشبیہ دی ہے بیان فرماتے ہیں یعنی) پس علماء تفسیر اور ائمہ حدیث اور فقہاء اسلام نے کتاب و سنت کے علوم کا استیعاب فرمایا اور اُن دونوں سے احکام مستنبط کئے اور جدید الوقوع حوادث کو نصوص میں سے کسی اصل کی طرف راجع کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطہ سے دین کی حفاظت فرمائی اور علماء تفسیر نے توجیہات تفسیر اور علوم تاویل اور مذاہب عرب متعلقہ لغت اور غرائب نحو و صرف اور اصول قصص اور اختلاف وجوہ قرأت کو سمجھا اور اس باب میں کتابیں تصنیف فرمائیں اور ان کے اس طریقہ سے امت پر قرآن کے علوم وسیع ہو گئے اور ائمہ حدیث نے صحیح اور حسن حدیثوں کو متمیز کیا اور رواۃ و اسامی رجال کی معرفت میں متفرد ہوئے اور جرح و تعدیل کا حکم لگایا تاکہ (حدیث) صحیح (حدیث) سقیم سے ظاہر اور غیر مستقیم مستقیم سے متمیز ہو جائے پھر ان کے اس طریقہ سے روایت اور سند کا طریق سنت کی حفاظت کے لئے محفوظ ہو جائے اور فقہاء ان کاموں کیلئے مستعد (انتدب اجاب او ضمن او تکفل او سارع الخ قاموس ۱۲ منہ) ہو گئے۔

احکام کا استنباط کرنا۔ مسائل میں تفریع کرنا تعلیل کا سمجھنا فروع کا اصول کی

طرف علل جامعہ سے راجع کرنا۔ واقعات کا حکم نصوص کے ساتھ احاطہ کرنا اور علم فقہ د احکام سے علم اصول فقہ و علم خلاف اور علم خلاف سے علم جدل (یعنی مناظرہ) متفرع ہوا اور علم اصول فقہ نے کسی قدر علم اصول دین (یعنی علم عقائد و کلام) کی حاجت واقع کی اور ان فقہاء کے علوم میں سے ایک علم فرائض بھی ہوا اور اس سے علم حساب و جبرو مقابلہ لازم ٹھہرا اور اس کے علاوہ اور علوم بھی (اسی طرح حسب حاجت مستخرج و مدون ہوتے گئے) پس شریعت خوب قائم اور قوی (تمہد تمکن ۱۲ قاموس) ہوگئی اور دین اسلامی مستقیم ہوگیا اور طریق نبوی مصطفوی ذی فروع و ذی اصول ہوگیا پس قلوب علماء کی اراضی نے بواسطہ ہدایت اور علم کے اس آب حیات کے جس کو انہوں نے قبول کیا (خوب) گھاس اور سبزہ اگایا (آگے یک آیت ہے جس میں ان علوم موہوبہ پر دلالت ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ نازل فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی سو بہنے لگے نالے اپنے اندازہ کے موافق۔ فرمایا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ یہ پانی علم ہے اور نالے (یعنی جن میں پانی جمع ہو کر چلتا ہے) قلوب ہیں۔

ابوبکر واسطی کہتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے ایک صاف موتی پیدا کیا پھر چشم جلال سے اس کو ملاحظہ فرمایا سو وہ حق تعالیٰ سے شرما کر پگھل گیا اور بہنے لگا پس اللہ تعالیٰ نے (اس کی نسبت) فرمایا ہے کہ اُتارا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی سو بہنے لگے نالے اپنے اندازہ کے موافق۔ سو قلوب کی صفائی ان میں اسی پانی کے پہنچنے سے ہوتی ہے اور ابن عطاء نے فرمایا کہ یہ جو ارشاد ہے کہ نازل کیا آسمان سے پانی۔

یہ ایک مثال ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ (کی حالت) کے لئے بیان فرمائی ہے اور یہ اس طرح ہے کہ جب نالوں میں سیلاب بہتا ہے تو نالوں میں کوئی نجاست نہیں رہتی جس کو وہ صاف اور دور نہ کر دیتا ہو اسی طرح جب وہ نور جس کو اللہ تعالیٰ نے بندہ کے لئے تقسیم فرمایا ہے اس کے نفس میں بہتا ہے تو اس (بندہ) میں نہ کوئی غفلت باقی رہتی ہے اور نہ ظلمت (پس تاویل آیت کی اس طرح ہوگی کہ) اُتارا اللہ

تعالیٰ نے پانی یعنی اس نور کا حصہ پھر بہتے ہیں نالے اپنے اندازہ کے موافق یعنی قلوب میں انوار (بہتے ہیں) جس طور پر اللہ تعالیٰ نے ازل میں ان کا حصہ رکھا ہے پھر جو کوڑا کرکٹ ہے وہ بیکار جاتا رہتا ہے (اسی طرح قلوب میں جو مواد رذیلہ ہیں وہ زائل ہو جاتے ہیں) پس قلوب منور ہو جاتے ہیں جن میں جہالت نہیں رہتی اور جو لوگوں کے لئے نفع رساں ہے وہ زمین میں رہ جاتا ہے (یعنی) باطل چیزیں (قلوب میں سے) جاتی رہتی ہیں اور حقیقی چیزیں رہ جاتی ہیں اور بعض نے (اس کی تفسیر میں یہ) کہا ہے کہ نازل کیا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی یعنی انواع کرامات (یعنی فیوض و برکات) پس ہر قلب نے اپنا حصہ اور نصیبہ لے لیا۔

سو علماء تفسیر و حدیث و فقہ کے قلوب کے نالے تو اپنے اندازہ کے موافق بہنے لگے اور صوفیہ یعنی ان علماء کے جو دنیا میں زاہد ہیں اور جو حقیقی تقویٰ کے ساتھ متمسک ہیں ان کے قلوب کے نالے اپنے اندازہ کے موافق بہنے لگے چنانچہ جس کے باطن میں محبت دنیا یعنی فضول مال و جاہ اور طلب منصب و ترفع کا لوث تھا اس کا وادی قلب تو اپنے اندازہ (واستعداد) کے موافق (پر ہو کر) بہنے لگا یعنی اس نے علم (ظاہری) کا ایک مناسب حصہ حاصل کیا اور حقائق علوم سے وہ بہرہ ور نہیں ہوا اور جس شخص نے دنیا (کے مقاصد مذکورہ) میں زہد اختیار کیا اس کا وادی قلب بہت وسیع ہو گیا اور اس میں علوم کے پانی بہنے لگے اور مجتمع ہو گئے اور تالاب بن گئے (جن کا ذکر اوپر کی حدیث میں بھی تھا) حضرت حسن بصری سے (کسی مسئلہ کے بارہ میں) کہا گیا کہ فقہاء نے اسی طرح کہا ہے انہوں نے فرمایا تو نے کبھی کوئی فقیہ دیکھا بھی ہے فقیہ تو صرف وہ ہے جو زاہد فی الدنیا ہو۔ سو صوفیہ نے (اوّل) علوم (شیخ کا یہ کلام قابل غور ہے دیکھئے اس میں صوفیہ کے لئے علوم ظاہرہ کا بھی ضروری ہونا صاف بتلا رہے ہیں ۱۲ منہ) درسیہ حاصل کئے اور ان کو ان علوم درسیہ نے عمل بالعلم کا فائدہ بخشا پھر جب انہوں نے اپنے علم پر عمل کیا اس عمل نے ان کو علوم وراثت (یعنی علم باطنی) کا فائدہ بخشا۔

سو یہ حضرات دوسرے علماء کے ساتھ ان کے علوم میں بھی شریک ہیں اور کچھ علوم زائدہ کے اعتبار سے کہ وہ علوم وراثت ہیں ان سے متمیز بھی ہیں اور فقہ فی الدین (جس کی فضیلتیں آتی ہیں اس کی حقیقت) یہی علوم وراثت ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس ایسا کیوں نہ کیا کہ ہر بڑی جماعت میں سے ایک باہر جاتی تا کہ دین میں تفقہ حاصل کریں اور تا کہ اپنی قوم کو (دین کے باب میں) ڈرائیں جبکہ ان کی طرف واپس آئیں سوانذار (یعنی ڈرانا جو اس آیت میں مذکور ہے) فقہ سے مستفاد ہوا ہے (چنانچہ لینذروا کا لیتفقھوا کے بعد ترتیب میں فرمانا اس کا قرینہ ہے) اور انذار (کی حقیقت) منذر (یعنی جس کو انذار ہوا ہو اس) کا آب علم سے زندہ کرنا ہے اور علم سے زندہ کرنا یہ (خاص) رُتبہ ہے فقیہ فی الدین کا۔ پس (اس سے ثابت ہوا کہ) فقہ فی الدین اکمل مراتب اور اعلیٰ مراتب سے ہوا اور یہ (فقہ) ایسے عالم کا علم ہے جو زاہد فی الدنیا ہو متقی ہو جو اپنے علم کے ذریعہ سے انذار کرنے کے رتبہ تک پہنچ جائے۔ سو علم اور ہدایت کا محل ورود اولاً جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں کہ آپ پر ہدایت اور علم من جانب اللہ تعالیٰ وارد ہوا اور آپ اس سے ظاہراً و باطناً سیراب ہو گئے پس آپ کی ظاہری سیرابی سے دین ظاہر ہوا اور دین (کی حقیقت) انقیاد اور خشوع ہے (اور یہ) مشتق ہے دُوں سے (بمعنی پست) پس جو چیز پست ہو وہ دوں ہے سو دین (کا حاصل) یہ ہوا کہ انسان اپنی ذات کو اپنے پروردگار کے سامنے پست کر دے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے (جو) فرمایا ہے (اس سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے اور وہ یہ مضمون ہے کہ) مقرر فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے وہ دین جس کے ساتھ وصیت کی اس نے نوحؑ کو اور وہ (دین) جس کو ہم نے آپ کی طرف وحی کیا اور وہ (دین) جس کے ساتھ وصیت کی ہم نے ابراہیمؑ اور موسیٰ اور عیسیٰؑ کو (اور وہ) یہ (ہے) کہ قائم رکھو دین کو اور اسمیں تفرق مت کرو سو (یہ امر مشاہد ہے کہ) دین میں تفرق کرنے سے جوارح پر پژمردگی چھا جاتی ہے اور ان (جوارح میں) سے علم کی تازگی جاتی رہتی

ہے (جس کو اوپر پستی کہا ہے جو کہ علم کا اثر ہے پس اس سے تائید ہوگئی کہ انقیاد و خضوع ظاہری کی پستی بھی دین ہی سے ہے ایک مقدمہ تو یہ ہوا۔ اور دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ) ظاہر کی تازگی جو جوارح کو انقیاد فی النفس والمال کے ساتھ مزین کرنے کے ذریعہ سے حاصل ہوتی ہے وہ قلب کی سیرابی سے مستفاد ہوتی ہے (یہ دوسرا مقدمہ ہوا پس مقدمہ اولیٰ سے معلوم ہوا تھا کہ دین کا ظہور حضور کی ظاہر کی سیرابی سے ہوا اور دوسرے مقدمہ سے معلوم ہوا کہ ظاہر کی سیرابی سے قلب کی سیرابی ہوتی ہے پس دونوں سے ثابت ہوا کہ تمام دین کا ظہور حضور کے باطن کی سیرابی سے ہوا ہے اور قلب (اور باطن) اپنے سیرابی بعلم (کی صفت) میں بمنزلہ بحر کے ہے (وجہ تشبیہ باطن کا اصل اور مبدأ اور منبع ہونا ہے دوسرے تمام ظاہری سیرابیوں اور ان کے آثار کے لئے جس طرح بحر اصل اور مبدأ اور منبع ہوتا ہے دوسرے تمام سامان سیرابی یعنی انہار و جداول کے لئے جب قلب اس صفت میں بمنزلہ بحر کے ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے لئے اس صفت سیرابی کا ہونا ابھی ثابت ہو چکا)۔

پس (اس دلیل سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلب مبارک علم اور ہدایت کا ایک بحر مواج (ثابت) ہوگیا پھر وہ (علم وہدی) آپ کے بحر قلب سے (آپ کے) نفس تک پہنچا تو آپ کے نفس شریف پر علم کی رونق اور سیرابی ظاہر ہوئی جس سے نفس کی صفات اور اس کے اخلاق متبدل ہو گئے پھر (آپ کے) جوارح تک (اس علم کی) ایک نہر پہنچی جس سے (وہ جوارح) سیراب اور تازہ ہو گئے پھر جب آپ تازگی میں کامل ہو گئے اور سیرابی سے پر ہو گئے تب اللہ تعالیٰ نے آپ کو خلق کی طرف مبعوث فرمایا پس آپ اُمت پر ایسے قلب سے متوجہ ہوئے جو آب علوم سے مواج تھا اور آپ نے انہار افہام کی طرف رخ کیا اور آپ کے بحر (قلب) سے ہر نہر (فہم مستفیدین) میں خاص خاص حصہ اور نصیب (ہر ایک کی استعداد کے موافق) جاری ہو کر پہنچا اور یہ حصہ جو ان افہام تک پہنچا یہی فقہ فی الدین ہے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی ایسی چیز کے ذریعہ سے نہیں کی گئی جو فقہ فی الدین سے افضل ہو اور ایک فقیہ (فی الدین) شیطان پر ہزار عابد سے زیادہ گراں ہے اور ہر چیز کا ایک مدار قیام ہوتا ہے اور اس دین کا مدار قیام فقہ ہے۔

حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابوالنجیب نے لکھوانے کے طور پر کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے سعید بن حفص نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ابوطالب زینی نے کہا خبر دی ہم کو کریمہ بنت احمد بن محمد مروزیہ نے کہا خبر دی ہم کو ابوالہیثم نے کہا خبر دی ہم کو فربری نے کہا خبر دی ہم کو امام بخاری نے کہا حدیث کی ہم سے ابن وہب نے یونس سے انہوں نے ابن شہاب سے انہوں نے حمید بن عبدالرحمٰن سے کہا انہوں نے سنا میں نے معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حالت خطبہ میں کہ کہتے تھے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے۔ فرماتے تھے جس شخص کے ساتھ اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کو دین میں فقہ عنایت فرماتا ہے اور میں صرف تقسیم کنندہ ہوں اور معطی (حقیقی) حق تعالیٰ ہے۔

حضرت شیخ (ابوالنجیب) نے فرمایا ہے کہ جب علم قلب تک پہنچ جاتا ہے تو دل کی آنکھ کھل جاتی ہے سو وہ حق و باطل کو دیکھ لیتا ہے اور اس کے سامنے ہدایت متمیز ہو جاتی ہے گمراہی سے۔ اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک اعرابی پر یہ آیت پڑھی **فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره ومن يعمل مثقال ذرة شرا يره**۔ اعرابی نے کہا مجھ کو یہ بس ہے مجھ کو یہ بس ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ شخص صاحب فقہ ہو گیا۔ اور عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے کہ افضل عبادۃ فقہ فی الدین ہے۔ اور حق سبحانہ وتعالیٰ نے فقہ کو قلب کی صفت قرار دی ہے چنانچہ فرمایا ان کے لئے ایسے قلوب ہیں کہ وہ ان سے نہیں سمجھتے غرض جب وہ (حضرات) صاحب فہم ہو گئے تو ان کو علم حاصل ہو گیا اور

جب علم حاصل ہوگیا تو انہوں نے عمل کیا اور جب عمل کیا تو عارف ہوگئے اور جب عارف ہوگئے تو مقصود تک راہ پائی۔ سو جو شخص زیادہ صاحب فقہ (وفہم) ہوگا اس کا نفس قبول (امر حق) میں زیادہ دوڑنے والا ہوگا اور احکام دین کے لئے زیادہ منقاد ہوگا اور نور یقین سے زیادہ بہرہ ور ہوگا۔

پس علم ایک مجموعہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی جانب سے قلوب کو عطا کیا جاتا ہے اور معرفت اس مجموعہ کو متمیز کر دیتی ہے۔ اور ہدایت یہ ہے کہ قلوب اس کا ادراک کرنے لگیں سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب یہ فرمایا کہ مثال میری اور مثال اس ہدایت اور علم کی جس کو دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھ کو مبعوث فرمایا الخ تو (اس ارشاد میں گویا) یہ خبر دیدی کہ قلب نبوی نے علم کا ادراک فرمایا اور آپ کا قلب ہدایت کنندہ اور ہدایت یافتہ ہوگیا اور آپ کا علم (محض) وراثت تھا جو آپ کی ذات مبارک میں خمیر کیا ہوا تھا آدم ابوالبشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ نے تمام اسماء کی تعلیم فرمائی اور اسماء ہی شناخت ہوتے ہیں اشیاء کی سو ان کو اللہ تعالیٰ نے علم (اشیاء) کے ساتھ معزز فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا ہے کہ انسان کو وہ چیزیں سکھائیں جن کو وہ نہ جانتا تھا پس آدم علیہ السلام میں جب علم و حکمت مرکب کر دیا گیا تو وہ ان اوصاف کے ساتھ موصوف ہوگئے فطانت و معرفت و شفقت و لطف و حب و بغض و فرح و غم و رضا و غضب و زیرکی۔ پھر ان سب اوصاف سے کام لینے کا ان پر تقاضا ہوا اور ان کے قلب میں بصیرت رکھ دی اور اس نور کے ذریعہ سے جو کہ ان کو عطا کیا گیا تھا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف راہ پائی۔

سو (ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اپنی) امت کی طرف ایسے نور کو لے کر مبعوث ہوئے جو آپ کو میراث میں ملا تھا اور آپ کو خاص عطا کیا گیا تھا اور بعض نے فرمایا ہے کہ جب حق تعالیٰ نے آسمان و زمین کو یہ خطاب فرمایا کہ تم دونوں یا تو خوشی سے (ہمارے حکم کی طرف) آؤ یا مجبوری سے آؤ دونوں نے عرض کیا کہ ہم دونوں خوشی سے حاضر ہیں تو (بعض علماء نے فرمایا ہے کہ) زمین میں

سے تو یہ گفتگو اور جواب اس موضع نے دیا جہاں کعبہ ہے اور آسمان میں سے اس (قطعہ) نے (جواب دیا) جو کہ اس (حصہ کعبہ) کے مقابل ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا ہے کہ اصل طینت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ناف زمین سے ہے جو کہ مکہ میں واقع ہے۔

سو بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ قول (ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا مع انضمام اس اوپر کے قول کے کہ زمین میں سے اس موضع نے جواب دیا جہاں کعبہ ہے) اس امر کا مشعر ہے کہ زمین میں سے جس موضع نے جواب دیا وہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرہ تھا اور (یہ امر اپنے محل میں ثابت ہے کہ) تمام زمین کعبہ ہی کے موضع سے بچھائی گئی ہے سو (اس بناء پر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی اصل ہوئے تکوین (عالم) میں اور تمام کائنات آپ کے تابع ہوئی اور اسی کی طرف اشارہ ہے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد میں کہ میں نبی تھا اور آدم (ہنوز) پانی اور مٹی ہی کے درمیان میں تھے۔

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آدم روح اور جسد کے درمیان میں تھے اور بعض نے کہا ہے کہ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لقب اُمی رکھا گیا کیونکہ مکہ اُم القریٰ اور آپ کا ذرہ اُمّ الخلائق ہے اور کسی شخص کی تراب جہاں کی ہوتی ہے وہی اس کا مدفن ہوتا ہے سو یہ اس کو مقتضی تھا کہ آپ کا مدفن بھی مکہ ہی ہوتا چونکہ آپ کی تراب مکہ کی تھی لیکن (اس کی وجہ میں) بعض نے فرمایا ہے کہ جب پانی نے موج ماری تو اس نے کف کو اطراف کی طرف پھینک دیا سو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جوہر (جس سے آپ کے جسد مبارک کی خلقت ہوئی) آپ کی تربت کی محاذاۃ میں گرا جو کہ مدینہ میں ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکی بھی تھے مدنی بھی تھے میلان آپ کا مکہ کی طرف تھا اور تربت آپ کی مدینہ میں اور ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جس ذرّہ کا ذکر کیا ہے۔

اسی کی طرف اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں کہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ آپ کے پروردگار نے بنی آدم سے یعنی ان کی پشتوں سے ان کی ذریت کو باہر نکالا اوران کی ذات پران سے اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں سب نے عرض کیا (بلیٰ، یعنی) بیشک (آپ ہمارے رب ہیں) اور حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی کمر پر مسح کیا یعنی ہاتھ پھیرا اوراس میں سے ان کی اولاد کو نکالا جیسے (ذرے یعنی) چیونٹیاں ہوتی ہیں ان چیونٹیوں کو آدم علیہ السلام کے بالوں کے مسامات سے نکالا سو وہ چیونٹیوں پسینہ کی طرح نکلیں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ ہاتھ پھیرنا (بامرحق) بعض ملائکہ سے تھا پس (اس) فعل کو مسبب (یعنی حضرت حق تعالیٰ) کی طرف منسوب کر دیا اور بعض نے کہا ہے کہ اس قول کے معنی کہ مسح کیا یہ ہیں کہ اندازہ کیا جیسا زمین کا اندازہ کیا جاتا ہے پیائش سے (پس مسح مساحت سے ماخوذ ہوگا یعنی کمر کی مساحت کی) اور یہ قصہ بطن نعمان میں ہوا اور یہ ایک وادی ہے عرفات کے برابر میں مکہ اور طائف کے درمیان میں پھر جب اللہ تعالیٰ نے ان ذروں سے خطاب فرمایا اور انہوں نے بلیٰ سے جواب دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس عہد کو ایک باریک سفید کاغذ میں لکھا اور ملائکہ کو اس پر گواہ بنایا اور حجر اسود کے اندر رکھ دیا سو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرہ (ہی) روئے زمین سے (اول) جواب دینے والا تھا اور علم اور ہدایت آپ میں خمیر کئے ہوئے تھے۔

پس آپ علم و ہدیٰ کو جو کہ آپ کا موروث و موہوب (واصل فطرت من مودع) تھا لیے ہوئے مبعوث ہوئے (اکتساب کی حاجت نہیں ہوئی) اور بعض نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے جبرائیل ومیکائیل علیہما السلام کو بھیجا تا کہ وہ ایک مٹھی (خاک) زمین سے لے آئیں اور زمین نے عذر کیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے عزرائیل علیہ السلام کو بھیجا اور انہوں نے زمین میں سے مٹھی بھر لی اور (اس کے قبل) ابلیس تمام زمین پر اپنے قدموں سے پھر چکا تھا سو کچھ زمین اس کے

دونوں قدموں کے درمیان رہ گئی اور کچھ زمین اس کے مواضع اقدام کے درمیان رہ گئی (اور یہ دونوں موقعے اس کے مس قدم سے بچے رہے اور خود ان دونوں میں یہ فرق ہے کہ اول موقع تو اس کی سیر کے محاذاۃ میں ہے گو اس سے مس نہیں ہوا اور دوسرا موقع اس محاذاۃ سے بھی علیحدہ ہے اس طرح ا......ب......ج......د یعنی ابلیس نے اثنائے سیر میں اب کو قطع کیا اور ج د کو بھی اور دونوں خطوں کے درمیان جو فرجہ ہے اس پر وہ چلا ہی نہیں پس یہ فرجہ تو دوسرا موقع ہے اور ان دونوں خطوں میں ا پر ایک قدم پڑا اور ب پر دوسرا تو ا اور ب کے درمیان پہلا موقع ہے علی ہذا د اور ج کے درمیان بھی اور یہ دونوں موقعے عدم مس قدم شیطان میں مشترک ہیں) پس نفس تو اس (زمین) سے پیدا ہوا جس کو قدم ابلیس نے مس کیا تھا اور بعض زمین پر قدم ابلیس کا نہ پہنچا تھا (جیسا ابھی مذکور ہوا) سو اس مٹی سے اصل ہے انبیاء و اولیاء کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذرّہ قبضہ عزرائیل میں سے خدا تعالیٰ کی نظر کا موقع تھا کہ اس کو بھی قدم ابلیس نے مس نہ کیا تھا پس آپ کو ذرا بھی اثر جہل کا نہیں پہنچا بلکہ آپ میں سے جہل بالکلیہ خارج کر دیا گیا (اور) آپ کا حصہ علم میں سے کامل کر دیا گیا۔

پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے علم وہدایت کے ساتھ مبعوث فرمایا اور وہ علم آپ کے قلب سے دوسرے قلوب کی طرف اور آپ کے نفس سے دوسرے نفوس کی طرف منتقل ہوا پس (اصل) مناسبت تو باعتبار اصل طہارت طینت کے واقع ہوئی اور زیادۃ الفت (وموافقت) تعارف اول کے سبب واقع ہوئی (جس کا ذکر دوسری روایت میں ہے **الارواح جنود مجندۃ فما تعارف منها ائتلف الحدیث** اور اس کو اول باعتبار تعارف ثانی فی الدنیا کے کہا گیا) سو جو شخص طہارت طینت کے تعلق کے اعتبار سے مناسبت میں آپ سے قریب تر ہوگا اس کا خط بھی آپ کے لائے ہوئے طریق کے قبول میں وافر تر ہوگا پس صوفیہ کے قلوب (اس) مناسبت

میں قریب تر تھے (جیسا کہ آثار سے معلوم ہوتا ہے) اس لئے انہوں نے علم سے بھی حظ وافر لیا اور ان کے باطن مثل تالابوں کے ہوگئے (جن کا ذکر اوپر حدیث میں) پس انہوں نے خود بھی علم حاصل کیا اور دوسروں کو بھی تعلیم کیا جیسا تالاب ہوتا ہے کہ اس سے پانی بھی پیا جاتا ہے اور اس سے زراعت بھی کی جاتی ہے۔

اور انہوں نے دونوں علموں یعنی علم درسی و علم وہبی کے فائدوں کو اساس تقویٰ کے مستحکم کرنے کی بدولت جمع کرلیا اور جب (اُن کے) نفوس پاک ہوگئے تو ان کے قلوب کے آئینے اس تقویٰ کے ذریعہ سے صاحب جلا ہوگئے جس نے ان (قلوب) کو صیقل کردیا پس ان (قلوب) میں اشیاء کی صورتیں اپنی (اصلی) حالت اور حقیقت پر ظاہر ہوگئیں سو دنیا تو اپنی قبح کے ساتھ ظاہر ہوگئی تو انہوں نے اس کو چھوڑ دیا اور آخرت اپنے حسن کے ساتھ ظاہر ہوئی تو انہوں نے اس کو طلب کیا پھر انہوں نے دنیا کے متعلق زہد اختیار کیا تو ان کے باطن کی طرف اقسام علوم کثرت سے فائض ہوئے اور علم درسی کے ساتھ علم وراثت کا اضافہ ہوگیا اور جاننا چاہئے کہ جس حال شریف کو ہم اس کتاب میں صوفیہ کی طرف منسوب کریں گے وہ مقرب کا حال ہوگا اور صوفی سے مراد مقرب ہی ہے اور قرآن مجید میں لفظ صوفی نہیں ہے اور لفظ صوفی (اپنے مدلول لغوی بمعنی لابس صوف میں استعمال کرنے سے) متروک کردیا گیا اور (مدلول اِصلاحی یعنی) مقرب کے لئے وضع کرلیا گیا۔

جبکہ عنقریب اس کے باب میں ہم اس کی شرح بیان کریں گے (یہ مضمون باب سادس کی اس عبارت میں آئے گا **واللہ تعالیٰ ذکر فی القرآن طوائف الی قولہ مشتمل علی جمیع المتفرق فی ھذہ الاسماء المذکورۃ** جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جماعات خیر کو مختلف اوصاف سے ذکر فرمایا ہے اور اکمل وہی ہے جو ان سب اوصاف کا جامع ہو اور لامحالہ اس جامع کے لئے کوئی لفظ جامع ہونا ضرور تھا اور ان میں سے کوئی لفظ سب کو جامع نہ تھا۔

اس لئے ایک ایسا لفظ یعنی صوفی تجویز کرلیا گیا جو ان سب اوصاف کو جامع ہو) اور (اب) بلادِ اسلام کے جانب شرق سے جانب غرب تک یہ لفظ اہل قرب کے لئے متعارف نہیں رہا بلکہ محض اہل رسم کے لئے متعارف ہوگیا اور بہت سے مردانِ مقربین بلادِ مغرب و بلادِ ترکستان و ماوراء النہر میں موجود ہیں اور وہ صوفی نہیں کہے جاتے اس لئے کہ وہ صوفیہ کی وضع نہیں رکھتے اور الفاظ (اصطلاحیہ) میں کوئی مزاحمت کی بات نہیں غرض یہ بات معلوم کرلی جائے کہ ہم صوفیہ سے مراد مقربین لیں گے پس ان صوفیہ کے جو مشائخ تھے جن کا نام طبقات وغیرہ کتابوں میں پایا جاتا ہے۔

یہ سب طریق مقربین میں تھے اور ان کے (احوال کے) علوم احوال مقربین کے علوم ہیں اور (باقی جو شخص (اعمال کے اعتبار سے تو) ابرار میں سے ہو (اور احوال مقامات خاصہ کے ساتھ متصف نہ ہو لیکن) مقام (وحال) مقربین کی طرف توجہ (و طلب) رکھتا ہو تو وہ متصوف ہے جب تک کہ ان (مقربین یعنی صوفیہ) کے حال کے ساتھ متصف نہ ہو جائے اور جو ان دونوں (یعنی صوفی و متصوف) کے علاوہ ہو کہ کسی وضع سے ممتاز ہوگیا اور ان کی طرف منسوب ہونے لگا تو وہ متشبہ (کہلاتا) ہے اور ہر علم والے سے بڑھ کر دوسرا علم والا ہے (یا تو یہاں اس کا یہ مطلب ہے کہ متشبہ سے بڑھ کر متصوف اور اس سے بڑھ کر صوفی اور یا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے علم کے موافق تحقیق کردیا ہم سے زیادہ جاننے والے اور ہوں گے۔

وعلی ھذا الی ان ینتھی الی اللہ تعالٰی.

باب دوم

(قرآن وحدیث کو) اچھی طرح سننے کیساتھ صوفیہ کے خاص ہونے میں

حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب سہروردی نے بطور املاء کے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو منصور مقری نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو امام حافظ ابوبکر خطیب نے کہا خبر دی ہم کو ابو عمرو ہاشمی نے کہا خبر دی ہم کو ابو علی لؤلؤی نے کہا خبر دی ہم کو ابو داؤد بجستانی نے کہا حدیث بیان کی ہم سے مسدد نے کہا حدیث بیان کی ہم سے یحییٰ نے شعبہ سے کہا انہوں نے حدیث بیان کی مجھ سے عمر بن سلیمان نے اولاد عمر بن الخطاب سے عبدالرحمٰن بن ابان سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا انہوں نے سنا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہ فرماتے تھے تروتازہ کرے اللہ تعالیٰ اس شخص کو جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی پھر اس کو یاد رکھا یہاں تک کہ دوسرے کو (بعینہ) پہنچادے کیونکہ بہت سے ایسے لوگ ہیں جو فقہ کو ایسے شخص کی طرف لے جاتے ہیں جو کہ ان سے بھی زیادہ فقیہ ہوتا ہے اور بہت سے حامل فقہ ہیں اور خود فقیہ نہیں ہیں (اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوا کہ اچھی طرح سمجھنا مطلوب ہے یہ بھی معلوم ہوا کہ سمجھ میں سب برابر نہیں بعض لوگ اچھی سمجھ سے حدیث میں سے بہت سے اچھے علوم نکال لیتے ہیں اب یہ بات رہ گئی کہ ان اچھی باتوں کے نکالنے کی بنیاد کیا ہے تو آگے اس کو بتلاتے ہیں کہ) تمام اچھی باتوں کی بنیاد اچھی طرح سننا ہے (اور آگے فمن

تملکتہ الوساوس میں بتلائیں گے اور اچھی طرح سننا موقوف ہے اخلاء باطن عن الخرافات پر اور وہ خاص ہے صوفیہ کے ساتھ۔

پس اچھی طرح سننا اور اچھی طرح سمجھنا مخصوص ہوا صوفیہ کے ساتھ اور یہی مقصود ہے باب کا اب آگے اس مقدمہ مذکورہ کو کہ تمام اچھی باتوں کی بنیاد اچھی طرح سننا ہے بتلاتے ہیں یعنی فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور اگر جانتا اللہ تعالیٰ ان لوگوں میں خیر تو ان کو ضرور سناتا۔ (مراد یہ کہ اچھی طرح اور بطریق نافع سناتا کیونکہ ویسے تو سنتے ہی تھے) بعض کا قول ہے کہ سننے میں خیر کی علامت یہ ہے کہ بندہ حق تعالیٰ کے غناء اوصاف ونعوت کو سنے اور (پھر) اس کو طریق حق کے ساتھ ایسے شخص کو سنا دے جو اس کا اہل ہے بعض نے (آیت موصوفہ کی تفسیر میں) کہا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو سننے کا اہل جانتا تو ان کے کان سننے کے لئے کھول دیتا سو جس شخص پر وساوس (اختیاریہ) کا قبضہ ہوگا اور اس کے باطن پر حدیث النفس (اختیاری) کا غلبہ ہوگا وہ حسن استماع پر قادر نہ ہوگا (اور یہ ظاہر ہے کہ اس کو ان ہی خرافات کے سوچنے سے فرصت نہیں تو اس حالت میں دوسری طرف کیسے توجہ تام کرے گا۔

اور اسی تعلیل سے معلوم ہوا کہ مراد خطرات اختیاری ہیں کیونکہ غیر اختیاری میں جب خود اُدھر متوجہ نہیں تو استماع للحق سے اس کو کوئی مانع نہیں ہے) پس صوفیہ و مقربین نے جب معلوم کرلیا کہ حق تعالیٰ کا کلام اس کے پیام ہیں اس کے بندوں کی طرف اور اس کے خطابات ہیں بندوں کو تو انہوں نے اس کے کلام میں سے ہر ہر آیت کو بوجہ اس کے متضمن ہونے کے ظاہر علم کو اور باطن علم کو اور جلی علم کو اور خفی علم کو منجملہ علم کے دریاؤں کے ایک دریا دیکھا اور (انہوں نے اس ہر ہر آیت کو) باعتبار اس عمل کے جس پر وہ (آیت) متنبہ کرتی ہے یا اس کی طرف بلاتی ہے۔

منجملہ جنت کے دروازوں کے ایک دروازہ دیکھا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کو کہ آپ کی شان یہ ہے کہ آپ اس (کلام) کے ساتھ

خواہش نفس سے نطق نہیں فرماتے وہ صرف وحی ہے جو من عنداللہ وحی کی جاتی ہے (خواہ وحی جزئی ہو یا کلی جس میں اجتہاد بھی داخل ہو گیا کیونکہ موجب اس کا نفسانی غرض نہ ہوتی تھی۔ شرعی غرض ہوتی تھی حاصل یہ کہ انہوں نے آپ کے اس کلام کو اس نظر سے) دیکھا کہ اس کی طرف (دل سے) کان لگانا (اور فہم و عمل کے قصد سے سننا) متعین (اور مقرر شدہ یعنی لازمی اور حتمی) بات ہے (خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے کلام کی نسبت بھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کلام کی نسبت بھی استماع بقصد اطلاع و اتباع کو ضروری سمجھا) پس ان کے نزدیک سب سے زیادہ امر اہم استماع کے لئے مستعد ہو جانا ٹھہرا اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ حسن استماع ہی (گویا) دروازہ ملکوت کا کھٹکھٹانا ہے اور رغبت و رہبت کے برکات کا نازل کراتا ہے۔

اور انہوں نے یہ بھی دیکھا کہ وساوس ایک قسم کے دخانات ہیں جو آتش نفس سے اٹھتے ہیں جو کہ امارہ بالسوء ہے اور (وہ وساوس) ایک قسم کا غبار ہے جو شیطان کے دم کرنے سے مجتمع ہو جاتا ہے اور (انہوں نے) یہ (بھی دیکھا) کہ خطوط عاجلہ اور حصص دنیویہ جو کہ مدار ہے ہوائے نفس کا اور جو کہ محل ہے برانگیختگی (اسباب) ہلاکت کا بمنزلہ اُس ایندھن کے ہیں جس سے آگ کا اشتعال بڑھتا ہے اور جس کے سبب قلب کی تنگی زائد ہوتی ہے پس (یہ سب باتیں سمجھ کر) انہوں نے دنیا کو چھوڑ دیا اور اس میں بے رغبتی اختیار کی سو جب آتش نفس سے اس کا ایندھن بند ہو گیا اور اس کی آگ دھیمی ہو گئی اور اس کا دھواں کم ہو گیا تو ان کے بواطن و قلوب علوم (حقیقیہ) کے مصادر (منابع) میں حاضر ہو گئے پھر ان (علوم) کے موارد (مشارب) کو صفاء فہم سے (آبخواری فیوض کے لئے) مہیا کر دیا پھر جب (وہ قلب سے) حاضر ہو گئے تو (حسن استماع کے ساتھ) سننے لگے (نیز) حق تعالیٰ کا ارشاد ہے بیشک اس (قرآن) میں ایسے شخص کے لئے نصیحت ہے جس کے پاس قلب ہو یا وہ کان کو اس حال میں متوجہ کرے کہ وہ (قلب سے) حاضر ہو شبلی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

قرآن کی موعظت ایسے شخص کے لئے ہے جس کا قلب حاضر مع اللہ ہو کہ اس سے ایک لحہ بھی غافل نہ ہو یحیٰی بن معاذ رازی فرماتے ہیں کہ قلب دو طرح کا ہے ایک وہ قلب جو اشغال دنیا سے پُر ہے یہاں تک کہ جب اُمور طاعت میں سے کوئی امر پیش آئے تو اس قلب والے کو مشغولی بالدنیا کے سبب یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں کیا کروں اور ایک وہ قلب جو احوال آخرت سے پُر ہے یہاں تک کہ جب امور دنیا میں سے کوئی امر پیش آئے تو اس قلب والے کو بسبب توجہ الی الآخرۃ کے یہ بھی خبر نہ ہو کہ میں کیا کروں سو غور کرنا چاہئے کتنا فرق ہے ان افہام پائیدار کی برکت میں اور ان اشغال ناپائیدار کی نحوست میں جنہوں نے تجھ کو طاعت سے اپاہج کر دیا۔

بعض نے (اس آیت کی تفسیر میں) کہا ہے کہ جس کے پاس ایسا قلب ہو جو اغراض و امراض سے سالم ہو حسین بن منصور نے (اس کی تفسیر میں) کہا ہے کہ جس کے پاس ایسا قلب ہو جس میں بجز حضور رب کے کوئی دوسرا خطرہ نہ آتا ہو اور (پھر ایسے قلوب کی کمیابی میں) یہ شعر پڑھا (جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) میں تجھ کو ایسے قلوب کے مفقود ہونے کی خبر سناتا ہوں کہ سحاب وحی اس میں بحار حکمت کو برساتے تھے اور ابن عطاء نے (اُس کی تفسیر میں) کہا ہے کہ ایسا قلب جو حق تعالیٰ کا چشم تعظیم سے ملاحظہ کرے پھر اس کے سامنے گداختہ ہو جائے اور سب ماسوا سے منقطع ہو کر اسی کا ہو رہے اور واسطی نے (اس کی تفسیر میں) کہا ہے کہ (اس قرآن میں) ایک خاص قوم کے لئے نصیحت (نافع) ہے نہ کہ سب کے لئے (یعنی صرف) اُس کے لئے جس کے پاس قلب ہو یعنی ازل میں (اُس کی سلامتی فطری ہو) اور یہ وہی لوگ ہیں جن کے حق میں حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ کیا جو شخص (پہلے) مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا (مراد اس سے یہی فطری حیاۃ ہے) اور واسطی نے تفسیر سابق پر جس میں قلب کو مشاہدہ کے ساتھ موصوف کیا ہے اپنی اس تفسیر کی ترجیح کی دلیل میں) یہ بھی فرمایا ہے کہ مشاہدہ ذہول کا سبب ہوتا ہے اور حجاب فہم کا سبب ہوتا ہے (پس اگر

قلب سے مراد قلب صاحب مشاہدہ ہوگا تو اس کے لئے ذکری وفہم کا حکم صحیح نہ ہوگا اس لئے قلب غیر صاحب مشاہدہ مراد لینا چاہئے اور حجاب سے بھی عدم مشاہدہ مراد ہے البتہ سلامت فطریہ اس میں ضرور ہے کہ فہم کی وہ شرط ہے۔

آگے اس کی دلیل ہے کہ مشاہدہ ذہول کا سبب ہوتا ہے یعنی) اس لئے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی شے پر تجلی فرماتا ہے تو وہ شے اس کے سامنے مغلوب اور پست ہو جاتی ہے (اور مشاہدہ تجلی ہے جس کے لئے مغلوبیت لازم ہے اور مغلوبیت میں کہ وہ فناء ہے فہم کہاں کہ وہ موقوف ہے صحو وشعور پر) اور (آگے صاحب عوارف واسطیؒ کی اس دلیل کا جواب دیتے ہیں جس کے بعد تفسیر اول صحیح رہے گی وہ جواب یہ ہے کہ) یہ جو واسطی نے (مشاہدہ اور فہم کے جمع نہ ہونے کی نسبت) فرمایا ہے بعض لوگوں کے حق میں (بیشک) صحیح ہے (مگر سب کے حق میں عام نہیں) اور اس آیت میں اس (مذکور) کے خلاف دوسرے لوگوں کے حق میں (یہ) حکم کیا گیا ہے (اور ان کے اعتبار سے وہ تفسیر سابق بھی صحیح رہ سکتی ہے کیونکہ وہ مشاہدہ اور فہم دونوں کے جامع ہیں) اور وہ لوگ اہل تمکین ہیں کہ ان کے لئے (منجانب اللہ) مشاہدہ اور فہم میں جمع کر دیا جاتا ہے (اس طرح سے کہ دونوں فعلوں کا محل الگ الگ ہے اور کسی فعل کا اثر دوسرے محل پر غالب نہیں آتا) سو فہم کا موضع تو محل ہے محادثت ومکالمت کا اور وہ سمع قلب ہے اور مشاہدہ کا موضع بصر قلب ہے اور سمع کے لئے جدا حکمت اور فائدہ ہے اور بصر کے لئے جدا حکمت اور فائدہ ہے سو جو شخص حال سکر میں ہوتا ہے (اور صاحب تمکین نہیں ہوتا) اس کی سمع (وفہم) تو بصر (ومشاہدہ) میں غائب ہو جاتی ہے اور جو شخص حال صحو وتمکین میں ہوتا ہے اس کی سمع اس کی بصر میں غائب نہیں ہوتی بوجہ اس کے کہ وہ ناصیۂ حال کا مالک (یعنی حال پر غالب) ہے اور وہ ظرف (یعنی محل) وجودی سے سمجھتا ہے جس میں فہم مقال کی استعداد ہے کیونکہ فہم ہی الہام اور سماع کا مورد ہے اور الہام اور سماع دونوں محل وجودی کو چاہتے ہیں (پس وہ محل وجودی وہی ہے جو مستعد للفہم ہے) اور یہ

وجود (جس کے ساتھ یہ محل وجودی متصف ہے) ایک موہوب چیز ہے بانشاء جدید اُس شخص کے لئے پیدا کیا گیا ہے جو مقام صحو میں متمکن ہوا ہے۔

(یہ جواب ہے ایک سوال کا کہ مشاہدہ کے لئے فناء لازم ہے اور فنا میں وجود مضمحل ہوجاتا ہے پھر اس صاحب مشاہدہ کے لئے محل وجودی کا تحقق کیسے ہوگیا۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ وجود جدید ہے) اور یہ اُس وجود کا مغائر ہے جو اس وقت مضمحل ہوجاتا ہے جبکہ نور مشاہدہ کا ایسے شخص کے لئے ظہور ہوتا ہے جو گزرگاہ فنا پر گزرتا ہوا مستقر بقاء کی طرف جاتا ہے (یہ وجود اولی فانی ہوجاتا ہے پھر وجود ثانی جس کو بقاء کہتے ہیں عطا ہوتا ہے تو وہ اس فناء کے ساتھ مجتمع ہوسکتا ہے پس یہ شبہ رفع ہوگیا کہ صاحب مشاہدہ کے لئے محل وجودی کا تحقق کیسے ہوگیا اور تفسیر سابق صحیح رہی) اور ابن سمعون نے (اُس کی تفسیر میں یوں) کہا ہے کہ اس قرآن میں نصیحت ہے ایسے شخص کے لئے جس کے پاس ایسا قلب ہو جو کہ آداب خدمت کو اور آداب قلب کو جانتا ہو اور وہ آداب تین چیزیں ہیں سو قلب جب لذت عبادت کو چکھتا ہے وہ غلامی شہوت سے آزاد ہوجاتا ہے۔

پس جو اپنی شہوت سے رُک گیا اُس نے ایک ثلث ادب حاصل کرلیا اور جس شخص نے اُس ادب میں مشغول ہوکر جو کہ اس کو حاصل ہوچکا تھا (درگاہ حق میں) اپنی احتیاج اس ادب کی طرف ظاہر کی جو کہ اس کو حاصل نہیں ہوا اس نے دو ثلث ادب حاصل کرلیا (مطلب یہ کہ ثلث مذکور ادب کا حق پورے طور سے ادا کیا اور مزید کا طالب ہوا حق تعالیٰ نے اس طاعت وطلب کی برکت سے بفحوائے لئن شکرتم لازیدنکم حال مذکور میں ترقی فرمائی اور وہ مبتدی تھا اب متوسط ہوگیا) اور تیسرا (درجہ ادب کا) قلب کا پُر ہوجانا ہے اُس ذات (کے تعلق) سے جس نے محض فضل سے (بلا کسی استحقاق کے) عنایت کی ابتدا فرمائی جب (اس کا) عہد (وحکم) وفا کیا گیا (اس وفا کرنے سے مراد درجہ اول ہے ادب کا اور اس ابتداء فضل سے مراد عطاء

مزید ہے جو درجہ ثانیہ ہے ادب کا اور ابتداء اس لئے کہا کہ ایفاء احکام سے بندہ کا کوئی استحقاق تو نہیں ہوا تھا یہ عطاء مزید محض ابتداءً فضل کرنا ہے مطلب یہ ہوا جس نے درجہ اول کے بعد درجہ ثانیہ عطا فرمایا اس کے تعلق سے قلب کا پُر ہو جانا اور غیر کا بالکل دل سے نکل جانا یہ درجہ ثالثہ ہے ادب کا جو کہ باقی رہ گیا تھا) پس (اس درجہ کے بعد اس شخص نے) پورا ادب حاصل کرلیا (اور یہ مقام ہے منتہی کا) اور امام محمد باقر بن علی زین العابدین نے فرمایا ہے کہ قلب کی موت شہوات نفس سے ہوتی ہے۔

پس جب کسی شہوت کو چھوڑے گا اور اسی قدر حصہ حیات کا حاصل کرے گا پھر سماع (جس کا ذکر اس آیت میں تھا او القی السمع) احیاء کے لئے ہے نہ کہ اموات کے لئے (اور حیات ترک شہوت پر موقوف ہے پس سماع بھی مخصوص ہوگا اسی کے ساتھ جو تارک شہوات ہو پس قلب سے مراد (آیت میں) قلب ذی حیات ہوا (آگے اس کی دلیل ہے کہ سماع مخصوص ہے احیاء کے لئے) فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ نہیں سناتے مردوں کو سہیل بن عبداللہ نے کہا ہے کہ قلب ایک نازک چیز ہے کہ اُس میں خطرات مذمومہ (جو بقصد ہوں) اثر کرتے ہیں اور (بوجہ نزاکت کے) قلیل کا اثر بھی اس پر کثیر ہوتا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور جو شخص ذکر رحمان سے کور چشم ہو جائے ہم اس کے لئے ایک شیطان مسلط کر دیتے ہیں سو وہ اس کا قرین ہو جاتا ہے۔

سو قلب ہر وقت کام کرتا رہتا ہے اور نفس (ہر وقت) بیدار رہتا ہے سوتا ہی نہیں سو اگر بندہ اللہ تعالیٰ کی طرف کان لگانے والا ہوا فبہا ورنہ وہ شیطان اور نفس کی طرف کان لگانے والا ہو جاتا ہے (جس کی وجہ اوپر کے مقدمہ سے ظاہر ہے کہ نہ قلب معطل رہتا ہے اور نہ نفس یا وہ اللہ کی طرف توجہ کرے گا ورنہ شیطان کی طرف) پس جو چیز اس استماع (الی اللہ) کو بند کرے گی وہ حرکت نفس سے ہوگی اور اس کی اس حرکت میں شیطان درآمد ہو جاتا ہے اور (اخبار میں) وارد ہوا ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے قلوب پر دورہ نہ کرتے ہوتے تو آسمانی ملکوت کی طرف اُن کی نظریں پڑا

کرتیں اور حسین نے کہا ہے کہ اہل بصیرت کی بصیرتیں اور عارفین کی معرفتیں اور علماء ربانیین کے انوار اور سابقین اہل نجات کے طریقے اور ازل اور ابد اور ان دونوں کے درمیان کے حوادث (کے ساتھ جن علوم نافعہ کا تعلق ہے) یہ سب اس شخص کے ساتھ خاص ہیں جس کے لئے قلب ہو یا وہ کان کو متوجہ کرے۔

اور ابن عطاء نے فرمایا ہے کہ وہ ایسا قلب ہے جو حق کا ملاحظہ اور مشاہدہ کرتا ہو اور اس سے (ذرا) غائب نہ ہوتا ہو نہ بطور خطرہ (غیر) کے اور نہ سستی کی راہ سے پس وہ (قلب) اسی (حق) کے سبب سے سنتا ہے بلکہ خود اسی سے سنتا ہے اور وہ اسی کے سبب مشاہدہ کرتا ہے بلکہ خود اسی کا مشاہدہ کرتا ہے پس جب یہ قلب حضرت حق کا عین جلال سے مشاہدہ کرتا ہے تو ترساں اور لرزاں ہوتا ہے اور جب اس کا عین جمال سے مطالعہ کرتا ہے تو مطمئن اور ساکن ہوتا ہے اور بعض نے (آیت موصوفہ کی تفسیر میں) کہا ہے کہ (مراد یہ ہے کہ یہ نصیحت ہے) ایسے شخص کے لئے جس کے پاس ایسا قلب ہو کہ صاحب بصیرت ہو جو حق تعالیٰ کے ساتھ تجرید و تفرید اختیار کرنے کی قوت رکھتا ہو یہاں تک کہ وہ دنیا سے اور خلق سے اور نفس سے جدا ہو جائے اور غیر اللہ کے ساتھ مشغول نہ ہو اور ماسوی اللہ کی طرف مائل نہ ہو۔

پس صوفی کا قلب تمام اکوان سے مجرد (و بے تعلق) ہوتا ہے اُس نے اپنے کام کو (اس کی طرف) متوجہ کر دیا اور اس کی بصر نے مشاہدہ کر لیا سو اس نے سننے کی چیزوں کو سن لیا اور دیکھنے کی چیزوں کو دیکھ لیا اور مشاہدہ کی چیزوں کو مشاہدہ کر لیا۔ اس وجہ سے کہ اس کی خدا تک رسائی ہوگئی اور اس کے سامنے اس کو جمعیت ہوگئی اور اشیاء بتمامہا حق تعالیٰ کے پاس ہیں اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے اس لئے اس نے (مسموعات کو) سن لیا اور (مشہودات کا) مشاہدہ کر لیا۔ غرض ان (اشیاء) کے مجمل درجہ کو دیکھ اور سن لیا اور ان (اشیاء کی تفاصیل کو نہیں سنا اور نہیں مشاہدہ کیا اس لئے کہ درجہ مجمل بسبب فراخی چشم شہود کے اِدراک میں آ سکتا ہے اور تفاصیل بسبب تنگی

ظرف وجود کے ادراک میں نہیں آسکتے (مطلب یہ کہ اِدراک اجمالی کے لئے جتنی وسعت نظر کی ضرورت ہے وہ چشم شہود کو حاصل ہے اور ادراک تفصیلی کے لئے جتنی وسعت نظر کی ضرورت ہے وہ مدرک کے وجود کو حاصل نہیں) اور اللہ تعالیٰ سب اجمالی اور تفصیلی درجوں کو جانتے ہیں اور بعض حکماء (اسلام) نے استماع (مذکور) میں لوگوں کے متفاوت ہونے کی ایک مثال بیان کی ہے اور کہا ہے کہ ایک تخم بونے والا اپنا تخم لے کر (بونے کے لئے) چلا اور اس نے اس کی ایک لپ بھر لی تھی سو کچھ تو اس میں سے سر راہ گر گیا اور بلا توقف اس پر ایک پرندہ گرا اور اس کو اُچک کر لے گیا اور کچھ اس میں سے ایک پتھر کی چٹان پر گرا جس پر تھوڑی سی مٹی اور کسی قدر نمی تھی اور وہ (اس میں) جم آیا یہاں تک کہ جب اس کی جڑیں (مٹی سے گزر کر) پتھر تک پہنچیں تو اس کو آگے جگہ نہ ملی جس میں وہ نفوذ کرتیں پس وہ (جما ہوا) خشک ہو گیا۔

اور کچھ اس میں سے زمین قابل زراعت میں گرا جس میں کچھ خاردار درخت جمے تھے سو وہ دانہ نکلا پھر جب ابھرا تو اس کو خاردار درخت نے دبا لیا اور اس کو برباد کر دیا اور اس میں مختلط ہو گیا اور کچھ اس میں سے ایسے قطعہ زمین قابل زراعت میں گرا جو نہ سر راہ ہے اور نہ چٹان پر ہے اور نہ اس میں خاردار درخت ہے پس وہ جما اور بڑھا اور (ہر طرح) ٹھیک (اور کارآمد) ہو گیا پس تخم بونے والے کی مثال تو حکیم (عالم دین) کی ہے اور تخم کی مثال صحیح مضمون کی ہے اور جو تخم سرِ راہ گر گیا تھا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کوئی مضمون سن لیتا ہے اور اس کا ارادہ سننے کا نہیں ہوتا۔

سو شیطان ذرا توقف نہیں کرتا کہ اس کو اس کے قلب سے لے بھاگتا ہے سو وہ اس کو بھول جاتا ہے اور جو تخم پتھر پر گر گیا تھا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کلام کو سنتا ہے اور پسند بھی کرتا ہے (مگر) پھر یہ ہے کہ وہ مضمون ایسے قلب میں جاتا ہے جس میں عزم عمل نہ تھا پس وہ اس کے قلب سے محو ہو جاتا ہے اور جو تخم زمین قابل زراعت میں گرا تھا جس میں خاردار درخت تھا اس کی مثال اس شخص کی ہے جو کلام کو سنتا ہے اور

اس کی نیت بھی عمل کی ہے پھر جب شہوات اس کے سامنے آ جاتی ہیں تو وہ اس کو عمل پر مستعد ہونے سے مانع ہو جاتی ہیں سو اس نے عمل کرنے کی جو نیت کی تھی اب اس کو غلبۂ شہوت سے ترک کر دیتا ہے جیسے وہ کھیتی کہ خاردار درخت سے دب گئی تھی اور جو تخم (پورے طور سے) قابل زراعت زمین میں گرا تھا اس کی مثال اس سننے والے کی ہے جو عمل کی نیت رکھتا ہے پھر اس کو سمجھتا ہے اور عمل کرتا ہے اور اپنی خواہش نفس سے علیحدہ رہتا ہے اور یہ شخص جو ہوائے نفسانی سے علیحدہ رہا اور طریق ہدایت پر چلا وہ صوفی ہے کیونکہ ہوائے نفس میں ایک حلاوت ہے اور اس نفس میں جب حلاوت ہوائے نفس کی رچ جاتی ہے تو وہ اس کی طرف مائل ہوتا ہے اور اس کو لذیذ سمجھتا ہے۔

اور ہوائے نفس کا یہ لذیذ سمجھنا ہی وہ چیز ہے جو مثل خاردار درخت کے نبات کو دبا لیتی ہے (یہ تو حالت ہوئی ہوائے نفس اور اس کی حلاوت کی) اور صوفی کے قلب میں حب صافی (حضرت حق) کی حلاوت نازل ہو چکی ہے اور حُبّ صافی (کی حقیقت) روح کا حضرت الٰہیہ کے ساتھ متعلق ہونا ہے اور چونکہ روح کی کشش حضرت الٰہیہ کی طرف بہت قوی ہے اس قوت کشش سے وہ روح بواسطہ اُس حب کے داعیہ کے قلب اور نفس کو اپنے تابع بنا لیتی ہے اور حضرت الٰہیہ کی محبت کی حلاوت ہوائے نفس کی حلاوت پر غالب ہوتی ہے کیونکہ ہوائے نفس کی حلاوت تو مثل اس ردی درخت کے ہے جو زمین کے اوپر ہی سے اکھاڑ لیا گیا اور اس کو کچھ ثبات نہ تھا وجہ یہ کہ یہ (حلاوت) حد نفس سے آگے ترقی نہیں کرتی اور محبت (حضرت حق) کی حلاوت مثل اس نافع درخت کے ہے جس کی جڑ محکم ہے اور اس کی شاخیں بلندی میں چلی گئی ہیں وجہ یہ کہ وہ (حلاوت حب حق) روح کے اندر جڑ پکڑے ہوئے ہے۔

اس کی شاخیں حق تعالیٰ کے قریب ہیں اور اس کے ریشے زمین نفس کے اندر جا گھسے ہیں پس جب یہ شخص قرآن مجید یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کا کوئی کلمہ سنتا ہے تو وہ اس کو روح اور قلب اور نفس میں رچا لیتا ہے اور اس کلمہ پر سرتاپا

فدا ہو جاتا ہے اور (بزبان حال) یوں کہتا ہے (شعر جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اے مخاطب میں تجھ سے ایک نسیم کو سونگھتا ہوں جس کو میں پہچانتا نہیں۔ میرا گمان یہ ہے کہ سرخ لب معشوقہ (فی القاموس اللمی سمرة الشفقة الی قوله وهو المی وهی لمیا ۱۲منہ) نے تجھ کو اپنا دامن (فی القاموس الردن بالضم اصل الکم ج اردان ۱۲منہ) لگا دیا ہے پس وہ کلمہ (قرآن وحدیث کا) اُس (کے تمام رگ وریشہ کو) عام اور شامل ہو جاتا ہے اور اس کا ہر ہر بال گوش اور اس کا ہر ہر ذرہ چشم بن جاتا ہے پس یہ شخص (اُس مسموع کے) ہر جزو کو (اپنے) ہر ہر جزو سے سنتا ہے اور (اُس مبصر کے) ہر ہر جزو کو (اپنے) ہر ہر جزو سے دیکھتا ہے اور (بزبان حال) یوں کہتا ہے (شعر جس کا ترجمہ یہ ہے کہ) اے محبوب اگر تم میں تامل کرتا ہوں تو میرا کُل وجود آنکھیں ہو جاتا ہے یا تم کو یاد کرتا ہوں تو میرا کُل وجود قلوب ہو جاتا ہے۔

(اور) فرمایا اللہ تعالیٰ نے پس آپ خوشخبری دے دیجئے ان لوگوں کو جو بات کو سنتے ہیں پھر اس نہایت اچھی بات کا اتباع کرتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ جن کو اللہ تعالیٰ نے راہ دکھلایا اور یہی ہیں اہل عقل بعض نے (اس کے متعلق) کہا ہے کہ عقل کے سو حصے ہیں ننانوے تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ہیں اور ایک حصہ تمام مومنین میں ہے اور جو حصہ تمام مومنین میں سے ہے (پھر) اکیس حصے ہیں۔

سو ایک حصہ میں تو تمام مومنین شریک ہیں اور وہ شہادت ہے لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی اور بیس حصوں میں وہ بقدر اپنے حقائق ایمان کے متفاوت ہیں بعض نے کہا ہے کہ اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت کا اظہار ہے یعنی نہایت اچھی بات (سے مراد) وہ (طریقہ) ہے جس کو آپ (خدا کی طرف سے) لائیں (اور وہ سب سے اچھی بات) اس لئے (ہے) کہ آپ کے لئے جب تمکین کی محبت اور ثبات مقارنت قبل ایجاد خلق کے واقع ہوئی تو آپ پر تمام احوال میں انوار ظاہر ہوئے اور سب سے زیادہ اچھا خطاب بھی آپ ہی کو ہوا اور تمام

مقامات میں سبقت بھی آپ ہی کو ہوئی کیا تم کو معلوم نہیں کہ آپ فرماتے ہیں ہم آخر ہیں سابق میں یعنی وجود میں آخر ہیں اور خطاب اول میں باعتبار فضیلت کے محل قدس میں سابق ہیں اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اے ایمان والو! اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کہنا مانو جب وہ تم کو ایسی چیز کی طرف بلائیں جو تم کو حیات بخشے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا ہے کہ ان حضرات نے اس چیز کی خوشبو سونگھی جس کی طرف حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو بلایا پس وہ اس علائق کے محو کرنے کی طرف دوڑے جو غافل کرنے والے تھے اور انہوں نے اپنے نفوس کو تقویٰ کے ساتھ معالقہ کرنے پر جاڈالا اور انہوں نے محنت کشی کی تلخی کو نوش کیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ میں صادق ہوئے اور جس چیز کی طرف انہوں نے توجہ کی تھی اس میں وہ اچھی طرح ادب بجالائے اور ان پر مصیبتیں آسان ہوگئیں اور جس چیز کے وہ طالب تھے اس کی انہوں نے قدر پہچانی اور اپنی ہمتوں کو انہوں نے بجز اپنے محبوب کے اور کسی شے کی طرف التفات کرنے سے بند کرلیا۔

سو وہ حیات ابدیہ کے ساتھ یعنی ایسی زندگی کے ساتھ جو ازلی ابدی ہے زندہ ہوگئے اور حضرت واسطی نے (اس کی تفسیر میں) فرمایا کہ حیات ان (نفوس وقلوب) کی ان کا تصفیہ کرنا ہے تمام علتوں (المعلول مفعول بمعنی المصدر ای العلۃ ۱۲ منہ) سے قولاً اور عملاً اور بعض نے (اس کی تفسیر میں) کہا ہے کہ اللہ کا کہنا مانو اپنے بواطن سے اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کہنا مانو اپنے ظواہر سے (اس کا مطلب تقسیم کرنا نہیں بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ ہر وقت بواطن کا علم نہیں ہوتا آپ کی نظر صرف ظاہر کی درستی پر پڑتی تھی یہ معنے ہیں تخصیص ظواہر کے حضور کے ساتھ مقصود یہ ہے کہ ظاہر اور باطن دونوں کو درست کرو اگرچہ حضور کی نظر صرف ظاہر پر ہوتی تھی)۔

پس نفوس کی حیات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متابعت سے ہے اور قلوب کی حیات مشاہدہ غیوب سے ہے اور وہ (مشاہدہ) حیاء کرنا ہے اللہ تعالیٰ سے

اپنی تفسیر پر نظر کر کے اور ابن عطاء نے اس آیت (کی تفسیر) میں کہا ہے کہ استجابت (یعنی کہنا ماننا چار طور پر ہے اول اجابت توحید دوم اجابت تحقیق سوم اجابت تسلیم چہارم اجابت تقریب (یعنی اول توحید کو قبول کیا پھر احکام کی تحقیق کی پھر ان پر عمل کیا پھر زیادت قرب کے طریقے اختیار کئے) کیونکہ استجابت بقدر سننے کے ہے اور سننا بحیثیت فہم کے ہے اور فہم باندازہ معرفت رتبہ کلام کے ہے اور کلام) کے رتبہ) کی معرفت باندازۂ معرفت اور علم (رتبہ) متکلم کے ہے (اور اس میں مراتب متفاوت ہیں پس استجابت کے مراتب بھی مختلف ہوں گے) اور فہم کے وجوہ غیر محصور ہیں اس لئے کہ (خود) کلام کے وجوہ غیر محصور ہیں۔

فرمایا حق تعالیٰ نے سوائے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) آپ کہہ دیجئے کہ اگر بحر (اعظم) میرے پروردگار کے کلمات کے لئے روشنائی ہوجائے تو قبل اس کے کہ میرے رب کے کلمات ختم ہوں وہ بحر ختم ہوجائے پس قرآن کے ہر کلمہ میں اللہ تعالیٰ کے اتنے کلمات (اور مضامین) ہیں کہ ان کے ختم ہونے سے پہلے بحر ختم ہوجائے سو پورا کلام (اللہ) ذاتِ واحدہ پر نظر کرنے کے اعتبار سے ایک کلمہ ہے اور (اس میں کا) ہر کلمہ علم ازلی کی وسعت پر نظر کرنے کے اعتبار سے متعدد کلمات ہیں حدیث کی ہم سے ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو رئیس ابوعلی بن بنہان نے کہا، انہوں نے خبر دی ہم کو حسن بن شاذان نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو دعلج بن احمد نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوالحسن علی بن عبدالعزیز بغوی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوعبید قاسم بن سلام نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے حجاج نے حماد بن سلمہ سے انہوں نے علی بن زید سے انہوں نے حضرت حسن (بصری) سے اور وہ اس کو نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم تک پہنچاتے تھے کہ آپ نے فرمایا قرآن مجید میں جتنی آیتیں نازل ہوئی ہیں سب کے ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے اور ہر حرف کے لئے ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے ایک محل ہے اطلاع کا (علی بن زید) راوی کہتے ہیں کہ

میں نے (حسن سے) کہا کہ اے ابوسعید وہ محل اطلاع کیا ہے۔

انہوں نے کہا کہ وہ لوگ مطلع ہوتے ہیں جو اس پر عمل کرتے ہیں (یعنی محل اطلاع عمل ہے کہ اس کی برکت سے انوار حاصل ہوتے ہیں پھر ان سے اسرار منکشف ہوتے ہیں) ابوعبید راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ حسن کا یہ قول عبداللہ بن مسعود کے قول کی طرف راجع ہوتا ہے (جو آگے مذکور ہے یعنی) ابوعبید کہتے ہیں کہ حدیث کی مجھ سے حجاج نے شعبہ سے انہوں نے عمرو بن مُرہ سے انہوں نے مرہ سے انہوں نے عبداللہ بن مسعود سے انہوں نے فرمایا کہ جتنے حروف یا آیتیں ہیں سب پر کسی نہ کسی قوم نے عمل کیا یا اس کے لئے ایک قوم ہوگی جو اس پر عمل کریں گی پس محل اطلاع محل صعود ہے کہ اس پر اپنے معرفتِ علم سے صعود کیا جاتا ہے پس (حاصل معنی) محل اطلاع (کا) فہم ہے جس کو اللہ تعالیٰ ہر ایسے قلب پر کشادہ فرماتا ہے جس کو نور عطا کیا جاتا ہے اور لوگوں نے ظہر اور بطن کے معنی میں اختلاف کیا ہے۔

سو بعض لوگوں نے کہا ہے کہ ظہر لفظ قرآن ہے اور بطن اس کی تاویل ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ظہر صورت قصہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی قوم پر اپنے غضب فرمانے کی اور اس قوم کو سزا دینے کی خبر دی ہے۔ پس ظاہر اس کا ان کی خبر دینا ہے اور باطن اس کا نصیحت اور تنبیہ ہے امت میں سے اس شخص کیلئے جو پڑھے اور سنے اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہر اُس کا نازل فرمانا ہے جس پر ایمان لانا واجب ہے، اور باطن اس کا اس پر عمل کا واجب ہونا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہر اس کا موافق نزول کے تلاوت کرنا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور قرآن کو ترتیل سے پڑھو اور اس کا باطن اس میں تدبر اور تفکر کرنا ہے فرمایا اللہ تعالیٰ نے یہ ایک کتاب ہے جس کو ہم نے آپ کی طرف نازل کیا یہ برکت والی ہے تاکہ لوگ اس کی آیات میں تدبر کریں اور تاکہ اہل عقل (اس سے) نصیحت قبول کریں اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جو (حدیث مذکور میں) ارشاد ہے کہ ہر حرف کے لئے ایک حد ہے یعنی تلاوت میں (یہ حد ہے کہ) اُس مصحف سے تجاوز نہ

کرے جو امام ہے (یعنی مصحف عثمانی) اور تفسیر میں (یہ حد ہے کہ) مسموع منقول سے تجاوز نہ کرے اور تفسیر اور تاویل میں فرق ہے (تو تفسیر کے مقصور علی السمع ہونے سے یہ شبہ نہ کیا جائے کہ تمام اقوال مفسرین کے کہاں منقول ہیں)۔

سو تفسیر تو علم ہے نزول آیت اور شان نزول اور ان قصص اور اسباب کا جن کے بارہ میں وہ آیت نازل ہوئی اور یہ وہ علم ہے کہ اس میں بدون سماع اور نقل کے کچھ گفتگو کرنا تمام لوگوں پر ممنوع ہے اور رہی تاویل سو وہ آیت کو ایسے معنی کی طرف منصرف کرنا ہے جس کو وہ آیت محتمل ہو جب کہ وہ معنی محتمل جس کو یہ فحص رائے سے سمجھا ہے کتاب وسنت کے موافق ہو (یعنی معارض نہ ہو نہ یہ کہ منقول ہو) پس تاویل باختلاف حال اہل تاویل مختلف ہو جاتی ہے جیسا کہ ہم نے اوپر صفاء فہم اور رتبۂ معرفت اور منصب قرب مع اللہ (میں متفاوت ہونے) کو بیان کیا ہے۔

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ کوئی شخص پورا فقیہ نہیں ہوتا جب تک کہ قرآن میں وجوہ کثیرہ کو نہ سمجھے پس عبداللہ ابن مسعود کا قول (مذکور بالا) کیسا خوشنما ہے کہ جتنی آیتیں ہیں ان کے لئے ایک قوم ہوگی جو ان پر عمل کریں گی اور یہ کلام ہر طالب صاحب ہمت کو اس امر کی ترغیب دینے والا ہے کہ وہ کلام کے گھاٹوں کو صاف کرے اور اس کے دقیق معانی اور اسرار غامضہ کو اپنے قلب سے سمجھے پس صوفی کے لئے بسبب اس کے کمال زہد فی الدنیا اور اخلاء قلب عن غیر اللہ کے ہر آیت میں ایک محل اطلاع ہے اور اس کے لئے تلاوت کے ہر بار میں مطلع جدید ہے اور فہم مہیا ہے اور (پھر) اس کے لئے ہر فہم پر عمل جدید ہے پس ان کا فہم داعی الی العمل ہے اور ان کا عمل اسرار خطاب میں صفاء فہم ونظر دقیق کا جالب ہے سو فہم سے علم ہوتا ہے اور علم سے عمل۔ اور علم وعمل اس (فہم) میں برابر نوبت بنوبت آتے رہتے ہیں (یعنی یہ بسلسلہ برابر جاری رہتا ہے کہ فہم پھر علم پھر علم پھر فہم پھر علم پھر عمل وعلیٰ ہذا) اور یہ عمل جو ابھی مذکور ہوا عمل قلوب ہے، اور عمل قلوب مغائر ہے عمل قالب کا اور یہ اعمال قلوب اپنے لطافت

اور صرافت کے سبب علوم کے ہمرنگ ہیں کیونکہ یہ اعمال محض نیتیں اور مخفی خصلتیں اور تعلقات روحیہ اور تہذیبات قلبیہ اور محادثات باطنیہ ہیں اور جب ان اعمال (قلبیہ) میں سے وہ کوئی عمل کرتے ہیں تو ان کا ایک علمی پرچم بلند ہوتا ہے اور فہم آیت کے متعلق وہ ایک جدید محل اطلاع پر مطلع ہوتے ہیں اور میرے دل میں (اس حدیث کے متعلق) یہ مضمون حرکت کرتا ہے کہ وہ مطلع یہ نہیں کہ صفاء فہم کے سبب اس آیت کے کسی معنی دقیق اور سر غامض پر واقف ہو جائے بلکہ وہ مطلع یہ ہے کہ ہر آیت کے نزدیک وہاں متکلم کے مشہود ہونے پر مطلع ہو کیونکہ وہ آیت اس کے اوصاف ونعوت میں سے کسی نہ کسی وصف ونعت کا محل ودیعت ہے۔

پس اس کو آیات کی تلاوت وسماع کے سبب تجلیات جدیدہ ہوں اور اس کے سامنے بہت سے آئینے ہو جائیں جو اس کی جلال عظیم کے مخبر ہوں اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے وہ فرماتے ہیں بیشک اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں ایسے بندوں کے لئے تجلی فرمائی ہے لیکن وہ دیکھتے نہیں پس ہر آیت کے لئے اسطور سے ایک مطلع ہوتا ہے پس (حدیث مذکور میں جو ہے کہ ہر حرف کے لئے ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے ایک مطلع ہے اس میں) حد سے مراد حد کلام ہے اور مطلع وہ ترقی ہے حد کلام سے مشاہدہ متکلم تک اور (نیز) حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ وہ حالت نماز میں بے ہوش ہو کر گر گئے پھر آپ سے پوچھا گیا آپ نے فرمایا میں آیت کو بار بار پڑھ رہا تھا یہاں تک کہ میں نے اس کو متکلم سے سنا (بس اس سے بے ہوش ہو گیا) پس صوفی کو جب ناصیہ توحید کا نور نمایاں ہوتا ہے اور وہ وعدہ اور وعید کے سننے کے لئے اپنے کانوں کو اور تجرد عن ماسوی اللہ کے لئے اپنے قلب کو متوجہ کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہو جاتا ہے کہ اپنی زبان کو یا دوسرے کی زبان کو تلاوت میں شجرہ موسیٰ علیہ السلام کی طرح خیال کرتا ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ نے اس درخت میں سے یہ خطاب سنایا تھا کہ میں خدا ہوں۔

پس جب اس کا سننا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتا ہے اور اس کا کان لگانا بھی اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتا ہے تو اس کی سمع بعینہ اس کی بصر ہو جاتی ہے اور اس کی بصر بعینہ اس کی سمع ہو جاتی ہے اور اس کا علم اس کا علم ہو جاتا ہے اور اس کا عمل اس کا علم ہو جاتا ہے اور اس کا آخر اس کا اوّل اور اس کا اوّل اس کا آخر ہو جاتا ہے اور حقیقت اس کی یہ ہے کہ (اول) حق تعالیٰ نے ان ذرات کو (یعنی ارواح کو جو کہ اس شکل میں تھیں) **الست بربکم** کے ارشاد سے مخاطب فرمایا تو انہوں نے اس نداء کو غایت صفاء کی حالت پر سنا (اس لئے کہ اس وقت کوئی حجاب نہ تھا) پھر وہ ذرات برابر اصلاب میں متبدل اور ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے۔

(چنانچہ) حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ ایسا ہے جو آپ کو دیکھتا ہے جب آپ کھڑے ہوتے ہیں اور ساجدین میں آپ کے تقلب کو بھی دیکھتا ہے یعنی آپ کے ذرہ کے تقلب کو جو اہل سجود کے یعنی آپ کے آباء انبیاء کے اصلاب میں واقع ہے سو وہ ذرات برابر منتقل ہوتے رہے یہاں تک کہ اپنے اجساد کی طرف انہوں نے ظہور کیا پس (اس مرتبہ میں آ کر) وہ حکمت (یعنی علوم عقلیہ) کی وجہ سے قدرت سے اور عالم شہادت کی وجہ سے عالم غیب سے محجوب ہو گئے اور اطوار مختلفہ میں تقلب کے سبب ان کی ظلمتیں یکے بعد دیگر جمع ہو گئیں پس جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے لئے حسن استماع (کے عطا فرمانے) کا ارادہ کرتا ہے اس طرح سے کہ اس کو صوفی صافی بنائے تو اس کو تزکیہ تخلیہ کے مراتب میں ترقی دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ عالم حکمت کی تنگ جگہ سے فضاء قدرت کی طرف پہنچ جاتا ہے اور اس کی بصیرت سے حکمت کا پردہ اٹھا دیا جاتا ہے سو اس کا **الست بربکم** کو سننا کشف اور عیاں ہو جاتا ہے اور اس کی توحید و عرفان ظہور اور برہان ہو جاتا ہے اور اس کے لئے اطوار مذکورہ کی ظلمتیں انوار کی تابشوں میں درج (ہو کر غائب) ہو جاتی ہیں۔

اور بعض نے کہا ہے کہ مجھ کو **الست بربکم** کا خطاب یاد ہے یہ اس قائل سے

اس حال کی طرف اشارہ ہے (جو اوپر مذکور ہوا ہے کہ اس کا الست بر بکم کو سننا کشف و عیاں ہو جاتا ہے مع اس کے سیاق و سباق کے) پس جب اس وصف کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے اس کا وقت (یعنی حال) سرمدی ہو جاتا ہے اور اس کا حضور ابدی ہو جاتا ہے اور اس کا سننا پیاپے اور نو بنو ہو جاتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے کلام کو ایسا سنتا ہے جیسا سننے کا حق ہے۔

سفیان بن عیینہ نے کہا ہے کہ علم کا اوّل مرتبہ سننا ہے پھر سمجھنا پھر یاد رکھنا پھر عمل کرنا پھر اشاعت کرنا اور بعض نے کہا ہے کہ اچھی طرح سننا بھی سیکھ لو جیسا اچھی طرح بولنا سیکھے ہو اور بعض نے کہا ہے کہ حسن استماع میں یہ بھی داخل ہے کہ متکلم کو اتنی مہلت دینا کہ وہ اپنی بات پوری کرے (یعنی بیچ میں نہ بول پڑے) اور ادھر ادھر التفات نہ کرنا اور اپنے رخ اور نظر کو متکلم کی طرف متوجہ کرنا اور یاد رکھنا (مجلس کے اندر تاکہ بتلائی ہوئی بات کو مکرر پوچھ کر متکلم کو اذیت نہ دے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی علیہ السلام سے فرمایا اور آپ قرآن کے ساتھ جلدی نہ کیجئے قبل اس کے کہ اس کی وحی آپ کی طرف پوری کی جاچکے اور یہ بھی فرمایا کہ اس قرآن کے ساتھ اپنی زبان کو حرکت نہ دیجئے تاکہ آپ اس کے ساتھ عجلت فرمائیں سو یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حسن استماع کی تعلیم ہے بعض نے اس کے یہ معنی کہے ہیں کہ آپ اس کو صحابہ پر پیش نہ کیجئے یہاں تک کہ (پہلے) خود اس کے معانی میں تدبر کر لیجئے تاکہ آپ اول وہ شخص ہوں جو اس کے غرائب و عجائب سے منتفع ہو اور بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر جب جبرئیل علیہ السلام نازل ہوتے تھے اور آپ پر وحی آتی تھی تو آپ ذہن سے نکل جانے اور بھول جانے کے اندیشہ سے قرآن مجید کا پڑھنا موقوف نہ فرماتے تھے۔

پس آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس سے منع فرما دیا یعنی اس کے پڑھنے میں قبل اس کے کہ جبرائیل علیہ السلام اس کو آپ پر القاء کرنے سے فارغ ہو جائیں جلدی نہ کیجئے

اور کبھی علوم کا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخبار کا مطالعہ کرنا سماع کے حکم میں ہو جاتا ہے اور جو شخص ان علوم و اخبار کو اور اہل صلاح کی سیر و حکایات کو اور انواع انواع حکمتوں اور امثال کو جن میں عذاب آخرت سے نجات ہو مطالعہ کرے وہ اس کا محتاج ہوگا کہ ان سب میں آداب حسن استماع کا عامل ہو کیونکہ مطالعہ بھی (حکماً) استماع ہی کی ایک قسم ہے (گو ظاہراً دونوں متقابل ہیں) اور (حکماً اس میں داخل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح قلب میں حسن استماع سے بواسطہ زہد و تقویٰ کے ایک خاص استعداد ہو گئی یہاں تک کہ ہر سنی ہوئی چیز میں سے اچھی اچھی باتوں کو لے لیا۔ سو (اسی طرح) مطالعہ سے بھی ہر چیز میں سے اچھی اچھی باتوں کا لینے والا ہو جاتا ہے (پس دونوں کا ایک ہی نفع ہوا پس مطالعہ بھی حکماً استماع میں داخل ہو گیا) اور منجملہ ادب مطالعہ کے یہ ہے کہ یہ شخص جب حدیث اور علم میں سے کسی چیز کے مطالعہ کا ارادہ کرے تو (اوّل) یہ جان لے کہ کبھی اس کا تقاضا نفس کی خواہش سے اور ذکر و تلاوت و عمل پر صبر نہ کر سکنے سے ہوتا ہے پس وہ مطالعہ سے راحت حاصل کرتا ہے۔

جیسا لوگوں کے ساتھ مجالست و مکالمت سے راحت حاصل کرتا ہے (اور یہ غرض محمود نہیں) اس لئے سمجھدار آدمی کو چاہئے کہ اس باب میں اپنے نفس کی حالت تحقیق کر لے اور مطالعہ کتب کو اس حد تک لذیذ نہ سمجھے کہ وہ اس کا پورا وقت لے لے اور مطالعہ میں زیادتی ہو جانے کا خیال رکھے (کہ زیادتی نہ ہو جائے) پس جب کسی کتاب یا کسی علم کے مطالعہ کا ارادہ کرے تو اس میں بدوں تحقیق اور توجہ اور رجوع الی اللہ اور طلب تائید من رحمۃ اللہ کی جلدی نہ کرے کہ (ان امور کی برکت سے) کبھی مطالعہ سے ایسی بات نصیب ہو جاتی ہے جس سے اس کے حال کی ترقی ہو جاتی ہے اور گر اس کے لئے پہلے استخارہ بھی کر لے تو بہت ہی خوب ہے کہ (اس کی برکت سے) اللہ تعالیٰ اس پر فہم و تفہیم کا دروازہ محض موہبت کے طور پر کشادہ فرما دیتا ہے اور علم کی جو صورت نمایاں ہے یہ اس پر زیادت ہوتی ہے۔

سوعلم کی ایک ظاہری صورت ہے اور ایک باطنی حقیقت ہے اور وہ فہم (صحیح) ہے اور اللہ تعالیٰ نے فہم کے شرف پر اس قول میں متنبہ فرمایا ہے کہ ہم نے وہ مقدمہ سلیمان علیہ السلام کو سمجھا دیا اور دونوں کو ہم نے قوت فیصلہ اور علم عطا فرمایا تھا (اس قول میں) اللہ تعالیٰ نے فہم کے مزید اختصاص اور حکم وعلم سے اس کے متمیز ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے (اور) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بیشک سناتا ہے اللہ تعالیٰ جس کو چاہے پس جب سنانے والا اللہ تعالیٰ ہے تو وہ کبھی بواسطہ زبان کے سنادیتا ہے اور کبھی بواسطہ اس بیان کے جو مطالعہ کتب کے ذریعہ سے نصیب ہوا ہے پس اللہ تعالیٰ جو کچھ مطالعہ کتب کے ذریعہ سے مفتوح فرماتا ہے اس حسن استماع کی برکت سے وہ بھی اسی کے حکم میں ہوگیا جو سنتے ہوئے مضمون سے اس کو نصیب ہوتا ہے تاکہ یہ شخص اس حسن استماع کے بارہ میں اپنے حال کو دیکھ بھال لے اور اس کا علم اور ادب سیکھ لے کیونکہ یہ حسن استماع ایک باب کبیر ہے منجملہ ابواب خیر کے اور ایک عمل صالح ہے منجملہ اعمال مشائخ وصوفیہ وعلماء زاہدین کے جنہوں نے رحمت کے اور ہر شئے نافع سلوک آخرت کی ترقی کے دروازے کھلوانے کے لئے سب علاقے (ماسوی اللہ کے) قطع کرائے ہیں۔

باب سوم

علوم صوفیہ کی فضیلت اوران کے ایک نمونہ کی طرف اشارہ کرنے میں

حدیث کی ہم سے شیخ الاسلام ابوالنجیب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو عبدالرحمٰن صوفی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو عبدالرحمٰن بن محمد نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو محمد عبداللہ بن احمد سرخسی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو عمران سمرقندی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو نعیم بن حماد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے بقیہ نے احوص بن حکیم سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے کہا کہ ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شر کی تحقیق کے لئے سوال کیا آپ نے فرمایا تم مجھ سے شر کا سوال مت کرو مجھ سے خیر کا سوال کرو اس کو تین بار فرماتے تھے پھر (اصل سوال کے جواب میں) فرمایا کہ سب شروں سے بڑھ کر شر علماء شر ہیں اور سب خیروں سے بڑھ کر خیر علماء خیر ہیں پس علماء رہنمایان امت ہیں اور ارکان دین ہیں اور ظلمات جہالات جبلیہ کے چراغ ہیں اور دفتر اسلام کے سردار ہیں اور کتاب وسنت کی حکمتوں کے معدن ہیں اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں اس کے امین ہیں اور بندوں کے طبیب ہیں اور ملت حنیفیہ (یعنی شریعت) کے نقاد (کذا فی القاموس فی معنی الجہبذ ۱۲ منہ) ہیں اور امانت عظیمہ کے حامل ہیں۔

پس وہ لوگ تمام خلائق سے زیادہ حقیقت تقویٰ کے مستحق ہیں اور سب بندوں سے زیادہ زہد فی الدنیا کی ان کو ضرورت ہے کیونکہ یہ لوگ اس تقویٰ وزہد کے محتاج

ہیں اپنے لئے بھی اور اپنے غیر کیلئے بھی سو ان کا فساد بھی فساد متعدی ہے اور ان کی صلاح بھی صلاح متعدی ہے۔ سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ سب آدمیوں سے زیادہ جاہل وہ شخص ہے جو جانتے ہوئے علم پر عمل ترک کرے اور سب آدمیوں سے زیادہ عالم وہ شخص ہے جو جانتے ہوئے علم پر عمل کرے اور سب آدمیوں میں افضل وہ شخص ہے جو اللہ کیلئے زیادہ خشوع کرنے والا ہو اور یہ ایک صحیح قول ہے جو اس کا حکم کرتا ہے کہ عالم جب اپنے علم پر عمل نہ کرے تو وہ عالم نہیں۔ تجھ کو اس کی فصاحت اور زبان آوری اور مہارت اور قوت مناظرہ و مجادلہ فریفتہ نہ کرے کیونکہ وہ جاہل ہے عالم نہیں ہے مگر یہ کہ حق تعالیٰ اس کو بر کت علم کے توبہ کی توفیق دے دے (تو اور بات ہے) کیونکہ علم اسلامی رکھنے والے (اکثر) ضائع نہیں ہوتے اور علم کی برکت سے عالم کی رجوع (الی الحق) کی امید رہتی ہی ہے اور علم (میں دو درجے ہیں)۔

ایک فریضہ ہے دوسرا فضیلت سو فریضہ تو وہ علم ہے جس کا پہچاننا انسان کو ضروری ہے تا کہ دین کے حقوق واجبہ کا اہتمام کر سکے اور فضیلت وہ ہے جو اس کی قدر حاجت سے زائد ہو جو اس کے نفس میں ایک ایسی خاص فضیلت پیدا کر دے کہ وہ کتاب و سنت کے موافق ہو باقی جو علم ایسا ہو کہ نہ کتاب وسنت کے موافق ہو اور نہ ان علوم و فنون کے موافق ہو جو کتاب وسنت سے مستفاد ہیں یا ان کے فہم میں معین ہیں یا ان کی طرف مستند ہیں خواہ وہ کچھ ہی ہوں تو ایسا علم رذیلہ ہے فضیلت نہیں۔ اس سے انسان کی بے قدری اور رذیلہ میں زیادتی ہوگی دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

پس جو علم فریضہ ہے اس سے ناواقف رہنے کی تو کسی شخص کو گنجائش ہی نہیں جیسا کہ حدیث بیان کی ہم سے ہمارے شیخ شیخ الاسلام ابو النجیب نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو حافظ ابو القاسم مستملی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو شیخ عالم ابو القاسم عبدالکریم بن ہوازن قشیری نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو محمد عبداللہ بن یوسف اصفہانی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوسعید ابن الاعرابی نے انہوں نے کہا

حدیث کی ہم سے جعفر بن عامر عسکری نے انہوں نے کہا حدیث کی ہم سے حسن بن علیہ نے انہوں نے کہا حدیث کی ہم سے ابو عاتکہ نے انس بن مالک سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا طلب کرو علم کو اگرچہ وہ چین میں ہو (یعنی بہت دور ہو) کیونکہ علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے اور علماء نے اس علم (کے مصداق) میں اختلاف کیا ہے جو فرض ہے بعض نے تو کہا ہے کہ وہ طلب کرنا ہے علم اخلاص کا اور معرفت آفات نفس اور مفسدات اعمال کا کیونکہ اخلاص ویسا ہی مامور بہ ہے جیسا عمل مامور بہ ہے فرمایا اللہ تعالیٰ اور ان لوگوں کو یہی حکم کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کی عبادت کریں اس طرح سے کہ اخلاص کرنے والے ہوں۔

پس (بدلالت اس آیت کے) اخلاص مامور بہ ہوا اور (یہ امر مشاہد ہے کہ) نفس کا کید اور فریب اور اس کی دبی ہوئی خباثتیں اور پنہانی شہوتیں یہ سب اخلاص مامور بہ کی بناؤں کو خراب کر دیتی ہیں پس اس کا علم بھی فرض ہوگا چونکہ اخلاص فرض تھا اور (قاعدہ کلیہ ہے کہ) جو ایسی چیز ہو کہ بدون اس کے فرض پر عمل نہ ہو سکے وہ چیز بھی فرض ہوگی اور بعض نے کہا ہے کہ خواطر کا اور ان کی تفصیل کا پہچاننا فرض ہے کیونکہ فعل کی اصل اور اسکا مبدأ اور منشاء خواطر ہی ہیں اور اسی سے لمہ ملک ولمہ شیطان میں فرق معلوم ہوتا ہے سو بدون ان کی صحت کے فعل صحیح نہیں ہو سکتا۔

پس اس کا علم فرض ہوگا تا کہ عبد کی طرف سے اللہ کے لئے فعل صحیح ہو سکے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ طلب کرنا ہے علم وقت کا اور سہیل بن عبداللہ نے (بعنوان دیگر) فرمایا ہے کہ وہ طلب کرنا ہے علم حال کا (وقت کا بھی یہ مطلب ہے) یعنی اس شخص کے اس حال کا حکم جو اس کے درمیان اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں ہے اس کی دنیا کے اور اسکی آخرت کے بارہ میں اور بعض نے کہا ہے کہ وہ طلب کرنا ہے علم حلال کا چونکہ حلال کا کھانا فرض ہے اور (حدیث میں) وارد ہوا ہے کہ طلب کرنا حلال کا فرض ہے بعد فریضہ (مشہورہ) کے پس اس کا علم بھی فرض ہو گیا چونکہ وہ خود فرض ہے

اور بعض نے کہا ہے کہ وہ طلب کرنا ہے علم باطن کا اور وہ وہ علم ہے جس سے بندہ کا یقین زیادہ ہو جاتا ہے اور یہی وہ علم ہے جو صحبت سے اور ایسے صلحاء کی مجالست سے حاصل ہوتا ہے جو کہ علماء اہل یقین ہیں اور زہاد مقربین ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جنود سے بنایا ہے طالبین کو ان کی طرف لے جاتا ہے اور ان کو ان کے طریق سے تقویت دیتا ہے اور ان کو ان کے ذریعہ سے رہنمائی کرتا ہے۔

پس یہی لوگ وارث ہیں علم نبوی کے اور ان ہی سے علم یقین سیکھا جا سکتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ علم ہے بیع وشراء ونکاح وطلاق کا (مگر مطلقاً نہیں بلکہ) جب ان اُمور میں سے کسی امر میں داخل ہونے کا ارادہ کرے گا تو اس کے علم کا طلب کرنا اس پر واجب ہوگا اور بعض نے کہا ہے وہ (علم فرض) یہ ہے کہ بندہ کسی ایسے عمل کرنے کا ارادہ کرے جس میں اس کو یہ خبر نہ ہو کہ اس میں میرے ذمہ اللہ تعالیٰ کا کیا حق ہے پس اس کو اپنی رائے کے موافق وہ عمل کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ اس کو یہ خبر نہیں کہ اس میں اس کو کون امر نافع (وموجب ثواب) ہے اور کون امر مضر (وموجب عقاب) ہے۔

سو اس کو چاہئے کہ کسی عالم سے رجوع کرے یعنی اس سے سوال کرے تا کہ وہ اس کو بصیرت کے ساتھ جواب دے اور اپنی رائے پر عمل نہ کرے اور یہ علم ہے جس کا طلب کرنا واجب ہے چونکہ اس کو معلوم نہ تھا اور بعض نے کہا ہے کہ طلب کرنا علم توحید کا فرض ہے پھر بعض تو کہتے ہیں کہ اس کا (یعنی علم توحید کا) طریقہ نظر واستدلال ہے اور بعض کہتے ہیں کہ طریقہ اس کا نقل ہے اور بعض نے (علم توحید کے فرض ہونے میں تفصیل کی ہے اور) کہا ہے کہ جب بندہ سلامت باطن اور حسن استسلام اور انقیاد فی الاسلام کی حالت پر ہو اور اس کے دل میں کوئی چیز کھٹکتی نہ ہو۔

پس وہ شخص سالم ہے (اور سالم پر اسکا طلب کرنا فرض نہیں کیونکہ مقصود حاصل ہے تو دلائل کی کیا ضرورت ہے) اور اگر اس کے دل میں کچھ کھٹکے یا کوئی ایسا وسوسہ آتا ہو جو عقیدہ میں قدح کرے یا کسی شبہ میں مبتلا ہو جائے کہ اس کی خرابی سے اس کا

احتمال ہے کہ وہ اس کو کسی بدعت یا ضلالت کی طرف کھینچ لے جائے ایسے شخص پر واجب ہے کہ اشتباہ کے ازالہ کی طلب کرے اور اہل علم کی طرف اور ایسے لوگوں کی طرف جو اس کو طریق صواب سمجھا دیں رجوع کرے۔

اور شیخ ابو طالب مکی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ وہ علم ہے فرائض پنجگانہ کا جن پر اسلام کی بنیاد رکھی گئی ہے کیونکہ وہ سب مسلمانوں پر فرض ہیں اور جب ان کا عمل فرض ہے تو ان کے عمل کے طریقہ کا علم بھی فرض ہے اور انہوں نے یہ ذکر کیا ہے کہ علم توحید اسی میں داخل ہے کیونکہ ان فرائض کا اوّل شہادتین ہیں اور اس میں اخلاص بھی داخل ہے کیونکہ یہ (فرض شہادتین) ضرورت اسلام سے ہے اور علم اخلاص صحت اسلام میں داخل ہے اور (دلیل ابو طالب کے اس قول کی یہ ہے کہ) چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بتلایا ہے کہ وہ علم ہر مسلمان پر فرض ہے تو اس کا مقتضی یہ ہے کہ کسی مسلمان کو اس سے ناواقف رہنا جائز نہ ہو اور جتنے اقوال پہلے مذکور ہو چکے ہیں ان میں اکثر وہ ہیں کہ مسلمان کو ان سے ناواقف رہنا جائز ہے کیونکہ وہ مسلمان علم خواطر کو اور علم حال کو اور علم حلال بجمیع وجوہہ کو اور علم یقین کو جو کہ علماء آخرت سے مستفاد ہوتا ہے بعض اوقات نہیں جانتا اور اکثر مسلمان تو ان اشیاء سے ناواقف ہی ہیں اور اگر یہ اشیاء اس پر فرض کی جائیں تو ان سے اکثر خلق عاجز ہیں الا ماشاء اللہ (پس یہ مراد نہیں بخلاف ارکان پنجگانہ اسلام کے کہ اُس سے ناواقف رہنا کسی کو بھی جائز نہیں پس حدیث میں علم فرض سے ان کا علم مراد ہے۔

یہ خلاصہ ہے ابو طالب کے قول کا آگے مؤلف فرماتے ہیں) اور میرا میلان ان سب اقوال میں شیخ ابو طالب کے قول کی طرف زیادہ ہے اور نیز اُس شخص کے قول کی طرف بھی جو کہتا ہے کہ اُس شخص پر بیع وشراء ونکاح وطلاق کا علم بھی واجب ہے۔ جب ان معاملات میں داخل ہونے کا ارادہ کرے (پس مؤلف" مجموعہ قولین کو اختیار کرتے ہیں) اور واقعی (کان فی الاصل بعمری واماکان المقصود بنحو ذلک

القسم تاکید الکلام ترجمة بهذا اخذ اللحاصل ۱۲ منه) اس کا علم مسلمان پر فرض ہے اور ابو طالب کا قول بھی ایسا ہی ہے اور میرے پاس اس باب میں علم فرض کی طلب کی ایک حد جامع ہے واللہ اعلم پس (اُس حد کے بیان کے لئے) کہتا ہوں جس علم کا طلب کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

وہ امر و نہی کا علم ہے اور ماموروہ ہے جس کے فعل پر ثواب دیا جائے اور اس کے ترک پر عقاب دیا جائے اور منہی وہ ہے جس کے فعل پر عقاب دیا جائے اور اس کے ترک پر ثواب دیا جائے اور مامورات و منہیات بعض تو وہ ہیں جو مستمر اور بحکم اسلام عبد کے لئے لازم ہیں (جیسے فرائض اسلام و معاصی مطلقہ) اور بعض وہ ہیں جن میں وجود حادثہ کے وقت امر اور نہی متوجہ ہو جاتا ہے (اور بدون اس کے نہیں جیسے نکاح و بیع وغیرہ) پس جو حکم لازم ہے اور اس کا لزوم مستمر ہے اور وہ بحکم اسلام متوجہ ہے اس کا علم تو واجب ہے، اور ضرورت اسلام سے ہے اور جو حکم کہ حوادث سے متجدد ہوتا ہے اور (اُسی حالت میں) اُس کے متعلق امر و نہی متوجہ ہوتا ہے پس اس کا علم اس کے تجدد کے وقت فرض ہوگا (اور اس حد کے موافق جو علم فرض ہے) اس کا نہ جاننا مطلقاً کسی مسلمان کو جائز نہیں اور یہ حد سب وجود سابقہ سے اعم (واشمل) ہے واللہ اعلم۔

پھر مشائخ صوفیہ نے اور علماء آخرت نے جو کہ زہد فی الدنیا کے ساتھ موصوف ہیں علم فرض کے طلب میں کوشش کی یہاں تک کہ اُس کو معلوم کر لیا اور امر اور نہی کو قائم کیا اور اللہ تعالیٰ کی حسن توفیق سے اس سے عہدہ برآ ہو گئے پھر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کر کے اس میں مستقیم ہو گئے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو استقامت کا امر فرمایا ہے فاستقم کما امرت ومن تاب معک تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر علوم سابق الذکر (اخلاص و یقین و معرفت آفات نفس وغیرہ) کے ابواب مفتوح فرمائے بعض نے کہا ہے کہ استقامت کے اس مخاطبت کی طاقت کون رکھ سکتا ہے بجز ایسے شخص کے جو کہ (اس خطاب سے پہلے) مشاہدات قویہ اور انوار بینہ اور آثار صالحہ

کے ساتھ تائید کیا گیا ہو اس طرح سے کہ خیر عظیم کے ساتھ ثابت قدم کیا گیا ہو۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے الخ اور پھر (بعد اس تائید کے) مشاہدہ ومشافہت خطاب کے وقت محفوظ رکھا گیا ہو اور ایسا شخص وہی ذات ہے جو مقام قرب کے ساتھ مزین اور بساط انس پر مخاطب ہے یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے بعد آپ کو اس قول سے خطاب ہوا ہے:

فاستقم کما اُمرت اور اگر یہ مقدمات نہ ہوتے تو آپ بھی اُس استقامت کی طاقت نہ رکھتے جس کا آپ کو حکم کیا گیا ہے ابی حفص سے کہا گیا کہ اعمال میں کونسا عمل سب سے افضل ہے انہوں نے کہا استقامت کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مستقیم رہو اور اس کا احاطہ تو نہ کرسکو گے اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس قول میں **فاستقم کما امرت** فرمایا کہ حق تعالیٰ کی طرف صحت عزم کے ساتھ افتقار کر اور بعض صالحین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا وہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مجھ کو سورہ ہود اور اس کے امثال نے بوڑھا کر دیا آپ نے فرمایا ہاں میں نے عرض کیا اس میں وہ کون چیز ہے جس نے آپ کو بوڑھا کر دیا کیا انبیاء کے قصے اور امتوں کا ہلاک ہونا ہے آپ نے فرمایا نہیں لیکن وہ یہ قول ہے **فاستقم کما امرت** (ہود میں تو یہ الفاظ ہیں اور اُس کے امثال میں اس کے معنی ہیں پس جس طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بعد مقدمات مشاہدات کے اس کا خطاب ہوا ہے اور آپ سے حقائق استقامت کا مطالبہ ہوا ہے اسی طرح علماء آخرت زاہدین اور مشائخ صوفیہ مقربین کو اللہ تعالیٰ نے (اولاً) اس (مشاہدہ وغیرہ) میں سے ایک حصہ عطا فرمایا اس کے بعد واجب حق استقامت کے ساتھ مستعد ہونے کی طلب کا ان کو الہام فرمایا اور اُنہوں نے استقامت کو افضل مقصود اور اشرف مأمول سمجھا۔

ابو علی جوزجانی کہتے ہیں کہ طالب استقامت بن طالب کرامت مت بن

کیونکہ تیرا نفس تو طلب کرامت میں حرکت کرتا ہے اور تیرا رب تجھ سے استقامت طلب فرماتا ہے (تو نفس کی تجویز اچھی یا حق تعالیٰ کی) اور یہ جو ابو علی نے ذکر کیا ہے۔

یہ باب (سلوک) میں ایک اصل کبیر ہے اور سر عظیم ہے جس کی حقیقت سے بہت سے اہل سلوک اور طالبین غافل رہے ہیں اور یہ اس طرح ہے کہ مجاہدہ اور عبادت کرنے والوں نے صلحاء متقدمین کے حالات اور اُن کو جو کرامات و خوارق عادات عطا ہوئی تھیں ان کو سنا پس برابر ان کے نفوس کو اُن کرامات کی طرف نگرانی رہتی ہے اور تمنا کرتے ہیں کہ اُن کو اُن میں سے کچھ نصیب ہو اور عجب نہیں کہ ایسے لوگ شکستہ دل اور اپنے صحت عمل میں اپنے نفس پر بدگمانی کرنے والے رہتے ہوں جب ان میں سے کوئی چیز ان کو مکشوف نہ ہوتی ہو اور اگر اُن کو اسکی حقیقت معلوم ہوجائے تو اس باب میں قصہ اُن پر سہل ہوجائے اور وہ یہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کبھی بعض اہل مجاہدہ صادقین پر ان خوارق میں سے ایک دروازہ کھول دیتے ہیں اور حکمت اس میں یہ ہوتی ہے کہ خوارق عادات و آثار قدرت کے دیکھنے سے اُن کا یقین بڑھ جائے اور (یقین رکھنے سے) اس کا عزم زہد فی الدنیا اور خروج من دواعی الہویٰ پر اور زیادہ قوی ہوجائے (پس اصل مقصود یہی یقین اور عزم ہے لیکن اس شخص کی استعداد کا مقتضا یہ تھا کہ بواسطہ خوارق کے اس کو قوت دی جائے پس یہ خوارق واسطہ محضہ و مقصود بالعرض ہوئے) اور اُس کے بعض بندوں کو صرف یقین کا (بلا واسطہ) کشف ہوتا ہے اور اُن کے قلب سے حجاب اُٹھالیا جاتا ہے اور ایسے شخص کو رویت خوارق کی حاجت نہیں ہوتی کیونکہ مقصود تو اُن خوارق سے حصول یقین ہی تھا اور یقین حاصل ہو چکا پس اگر ایسے شخص کو جس کو صرف یقین عطا ہوا ہے۔

ان خوارق میں سے کوئی چیز مکشوف بھی ہوجائے تو اُس کا یقین نہیں بڑھتا (کیونکہ پہلے سے وہ کمال کے ساتھ متحقق ہے) پس حکمت الٰہیہ اس کو مقتضی نہیں ہوتی کہ اس شخص کے لئے خوارق کے ذریعہ سے کشف قدرت ہو بوجہ اس کے عدم حاجت

کے اور حکمت الٰہیہ دوسرے شخص کے لئے اس کشف بواسطہ الخوارق کو مقتضی ہوتی ہے بوجہ اس کی حاجت کے پس یہ دوسرا شخص (جو بالکل شروع کی عبارت میں دوسرا ہے) استعداد اور اہلیت میں اوّل سے اتم ہے کہ اس کو خوارق کا حاصل یعنی محض یقین بلاواسطہ رویت آثار قدرت کا عطا ہو گیا کیونکہ ان خوارق میں ایک آفت بھی تھی اور وہ عجب ہے پس اس کو ان خوارق کے رؤیت کی حاجت نہ رہی پس طالب صادق کا طریق نفس سے استقامت کا مطالبہ کرنا ہے۔

پس یہی بڑی کرامت ہے پھر اگر اثناء سلوک میں اس قسم کی کوئی بات واقع ہو جائے ممکن اور مستحسن ہے اور اگر نہ واقع ہو کچھ پروانہ کرے اور اس سے کچھ نقصان نہیں ہوتا البتہ نقصان واجب حق استقامت میں خلل ڈالنے سے ہوتا ہے پس اس کو خوب سمجھ لینا چاہئے کہ وہ طالبین کے لئے ایک اصل کبیر ہے پس علماء زاہدین اور مشائخ صوفیہ و مقربین جب واجب حق استقامت کے اہتمام کے ساتھ مشرف کئے گئے تو ان کو وہ سب علوم عطا ہوئے جن کی طرف متقدمین نے اشارہ کیا ہے جیسا ہم نے اوپر ذکر کیا۔ اور جس کو اُنہوں نے فرض کہا ہے سو منجملہ ان کے علم حال ہے اور علم مقام ہے اور علم خواطر ہے اور ہم علم خواطر اور اس کی تفاصیل کو ان شاء اللہ تعالیٰ ایک (مستقل) باب میں شرح کریں گے اور علم یقین ہے اور علم اخلاص ہے اور علم نفس کا اور اُس کی معرفت کا اور اُس کے اخلاق کی معرفت کا ہے۔

اور یہ علم نفس و معرفت نفس قوم کے عزیز ترین علوم سے ہے اور مقربین و صوفیہ کے طریق پر سب سے زیادہ قائم رہنے والا وہی ہوگا جو معرفت نفس میں سب سے زیادہ قائم ہو اور منجملہ اُن کے علم ہے معرفت اقسام دنیا کا اور وجوہ دقائق ہوئے وخفایا شہوات نفس کا اور علم ہے ضرورت کا اور نفس سے اقوال میں افعال میں لباس میں لباس اُتارنے میں کھانے میں سونے میں توقف علی الضرورت کے مطالبہ کرنے کا۔ اور علم ہے معرفت حقائق توبہ کا اور علم ہے خفی ذنوب کا اور ان سیئات کی معرفت جو ابرار کے

حسنات ہیں اور مطالبہ سے نفس کا ترک مالا یعنی کے ساتھ اور مطالبہ ہے باطن کا خطرات معصیت کے روکنے کے ساتھ پھر خطرات فضول کے روکنے کے ساتھ پھر علم ہے مراقبہ کا اور جس سے مراقبہ میں قدح ہو جاتا ہے اور علم ہے محاسبہ اور رعایت کا اور علم ہے حقائق توکل کا اور دوبارہ توکل کے متوکل کے ذنوب کا اور جو توکل میں قادح ہے اور جو قادح نہیں اور فرق اُس توکل میں جو بحکم ایمان واجب ہے اور اس توکل خاص میں جو اہل عرفان کے ساتھ خاص ہے اور علم ہے رضا کا اور مقام رضا کے ذنوب کا اور علم ہے زہد کا اور اُس زہد کا اُن چیزوں کے ساتھ محدود ہونا جو اس شخص کی ضروریات میں سے لازم ہیں (یعنی یہ چیزیں زہد کی حد ہیں کہ زہد ان سے باہر رہتا ہے کیونکہ یہ چیزیں محل زہد نہیں) اور جو چیزیں زہد میں قادح نہیں (مثلاً ضروریات کا اہتمام) اور معرفت ہے زہد فی الزہد کی اور معرفت ہے ایک زہد ثالث کی جو اس زہد فی الزہد کے بھی بعد ہے (اس کا بیان ساٹھویں باب ذکر ورع میں آئے گا)۔

اور علم ہے انابت والتجا کا اور معرفت ہے اوقات دعا کی اور معرفت ہے وقت سکوت عن الدعا کی (اس کا کچھ بیان بتیسویں باب کے آخر کی اس عبارت میں بھی آئے گا **قال الشبلی الانبساط بالقول مع الحق الی قوله کما یسأل الخطیر** اور علم ہے محبت کا اور فرق درمیان محبت عامہ کے جس کی تفسیر ہے امتثال امر اور درمیان محبت خاصہ کے اور بعض علماء دنیا نے علماء آخرت کی محبت خاصہ کے دعویٰ کا انکار کیا ہے جیسا رضا کا انکار کیا ہے اور یہ کہا ہے کہ بس صبر کے سوا کوئی اور چیز نہیں اور علم ہے محبت خاصہ کے انقسام کا محبت ذات اور محبت صفات کی طرف اور محبت قلب و محبت روح و محبت عقل و محبت نفس کے درمیان میں فرق اور محبّ اور محبوب اور مرید اور مراد کے مقام میں فرق پھر ان علوم کے بعد علوم ہیں مشاہدات کے جیسے علم ہیبت وانس کا اور قبض وبسط کا اور قبض اور ہم میں فرق اور بسط اور نشاط میں فرق اور علم اس فناء وبقاء کا اور ثقافت احوال فناء کا اور علم استتار اور تجلی کا اور جمع وفرق کا اور لوامع اور طوالع اور

بوادی کا اور صحو اور سکر کا۔ اور اس کے علاوہ بہت سے علوم اگر وقت میں وسعت ہوتی تو ہم ان کو ذکر کرتے اور کئی جلدوں میں ان کی شرح کرتے۔

لیکن عمر کوتاہ ہے اور وقت عزیز ہے (کہ اُس کو اس سے اہم یعنی ذکر میں صرف کرنا چاہئے) اور اگر غفلت کا تیر نہ ہوتا تو (جتنا ہم نے اب لکھا ہے) اس مقدار سے بھی وقت تنگ ہوتا (یعنی اتنا بھی نہ لکھا جاتا کیونکہ ذکر میں اس کی فرصت کہاں ہوتی تو اتنا بھی بدولت غفلت کے ہوا) اور یہ تالیف کیا ہوا مختصر رسالہ (باوجود اختصار کے) علوم قوم میں سے ایک معتد بہ حصہ پر مشتمل ہے ہم اللہ کریم سے امید کرتے ہیں کہ وہ اس رسالہ سے لوگوں کو نفع دے گا اور اس کو ہمارے فائدے کے لئے حجت بنادے گا اور ہمارے ضرر کیلئے حجت نہ بنائے گا اور یہ سب علوم ہیں کہ ان کے آگے اور علوم ہیں کہ علماء آخرت زاہدین نے ان کے مقتضاء پر عمل کیا ہے اور وہاں تک ان کی رسائی ہوگئی ہے اور علماء دنیا غیر زاہدین اُن سے محروم ہیں اور وہ علوم ذوقیہ ہیں کہ بدون ذوق ووجدان کے ان تک نظر کی رسائی نہیں ہوتی جیسے شکر کی شیرینی کی کیفیت کہ بیان سے حاصل نہیں ہوتی البتہ جو اُس کو چکھے گا وہ جان لے گا۔

اور صوفیہ وزہاد علماء کے علم کا شرف تم کو اس سے معلوم ہوگا کہ جتنے علوم ہیں کسی کا حاصل کرنا محبت دنیا اور کوتاہی حقیقت تقویٰ کے ہوتے ہوئے متعذر نہیں بلکہ بعض اوقات محبت دنیا اُن علوم کے اکتساب پر زیادہ معین ہوجاتی ہے کیونکہ اُن علوم میں مشغول ہونا نفس پر (اولاً) شاق تھا (اس لئے اُن کی تحصیل سے تقاعد کرتا تھا) اور جاہ و رفعت کی محبت نفس کی جبلت میں رکھی گئی ہے پس جب نفس نے اس جاہ کا حاصل ہونا اُس علم کے حاصل ہونے سے معلوم کیا اُسے کلفتوں کے برداشت کرنے کو اور شب کے بیدار رہنے کو اور بے وطنی اور سفر پر صبر کرنے کو اور لذات وشہوات کے میسر نہ ہونے کو منظور کرلیا (اور علم حاصل کیا پس دنیا اس علم کے لئے معین ہوگئی) اور اس قوم کے علوم محبت دنیا کے ساتھ حاصل ہی نہیں ہوسکتے اور بدون اجتناب ہوائے نفسانی

کے وہ منکشف ہی نہیں ہوتے اور بجز مدرسہ تقویٰ کے ان کا کہیں درس ہی نہیں ہوتا۔

فرمایا اللہ تعالیٰ نے اور تم اللہ سے تقویٰ کرو اور اللہ تعالیٰ تم کو علم دے گا (پس اس آیت میں) اللہ تعالیٰ نے علم کو تقویٰ کی میراث بنایا ہے اور ان حضرات کے علوم کے سوا اور علوم بدون اس کے بھی بلاشک وشبہ حاصل ہو جاتے ہیں پس اس سے علماء آخرت کے علم کی فضیلت معلوم ہوگئی کہ اس کا نقاب بجز اہل عقل کے کسی کے لئے نہیں کھلا اور اہل عقل درحقیقت وہی ہیں جو دنیا سے زاہد ہیں بعض فقہاء نے فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ وصیت کرے کہ میرا مال ان کو دینا جو سب آدمیوں سے زیادہ عاقل ہوں تو وہ زاہدوں کی طرف صرف کیا جائے گا کیونکہ تمام خلائق سے زیادہ عاقل وہی ہیں سہل بن عبداللہ تستری نے کہا ہے کہ عقل کے ہزار نام ہیں اور اُن میں سے ہر نام کے ہزار نام ہیں اور اُن میں ہر نام کا اول ترک کر دینا ہے۔

(آگے ایک حکایت ہے ان حضرات کے اعقل ہونے کی تائید میں احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے حاتم اصم کی نسبت فرمایا تھا ما اعقلہ یعنی وہ کیسے عاقل ہیں وہ حکایت یہ ہے کہ) حدیث کی ہم سے شیخ صالح ابوالفتح محمد بن عبدالباقی نے اُنہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابوالفضل احمد بن احمد نے اُنہوں نے کہا خبر دی ہم کو حافظ ابونعیم اصفہانی نے اُنہوں نے کہا حدیث کی ہم سے محمد بن احمد بن محمد نے اُنہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عباس بن احمد شاشی نے اُنہوں نے کہا حدیث کی ہم سے ابوعقیل وصانی نے انہوں نے کہا حدیث کی ہم سے ابوعبداللہ خواص نے اور یہ حاتم کے منتسبین میں سے تھے اُنہوں نے کہا کہ میں ابوعبدالرحمٰن حاتم اصم کے ساتھ رَی میں داخل ہوا اور (اُس وقت) ان کے ہمراہ تین سوبیس آدمی تھے جو حج کا ارادہ رکھتے تھے اور ان کے بدن پر صوف کا لباس اور صوف کے جبے (فی القاموس بالضم جبۃ من صوف معرب شتربانہ اے متاع الجمال ۱۲ منہ) تھے نہ اُن کے پاس تھیلے تھے (جس میں کپڑے یا اجناس ہوں) اور نہ کھانا تھا پس (اس حالت سے ہم ایک تاجر آدمی کے پاس داخل

ہوئے جو درویش منش تھا اور تارکین کو دوست رکھتا تھا سو اُس روز اُس نے ہماری مہمانی کی جب اگلا روز ہوا اُس نے حاتم سے کہا اے ابا عبدالرحمٰن کیا تمہارا کچھ کام ہے کیونکہ ہمارا ایک فقیہ ہے جو علیل ہے میں اس کی عیادت کرنا چاہتا ہوں (تو اگر کوئی تمہارا کام ہو تو اُس کو پورا کر کے پھر اس کی عیادت کو جاؤں) حاتم نے کہا کہ اگر تمہارا کوئی فقیہ علیل ہے تو فقیہ کی عیادت میں خاص فضیلت ہے اور فقیہ کی طرف نظر کرنا عبادت ہے سو میں بھی تمہارے ساتھ چلتا ہوں اور وہ علیل محمد بن مقاتل قاضی رَی تھے اُس (تاجر) نے کہا اے ابا عبدالرحمٰن ہمارے ساتھ چلو پس (اُن کے) دروازہ پر آئے سو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک اونچا اور نفیس دروازہ ہے۔

سو حاتم سوچتے رہ گئے کہنے لگے کہ عالم کا دروازہ اور اس حالت پر پھر ان سب کو (اندر آنے کی) اجازت ہوئی۔ پس اندر آئے سو دیکھتے کیا ہیں کہ ایک بڑا وسیع (فی القاموس القوراء الواسعۃ ۱۲ منہ) مکان ہے اور کپڑے وغیرہ کا بڑا سامان (فی القاموس البز الثیاب او متاع البیت من الثیاب ونحوھا ۱۲ منہ) ہے اور حشم خدم ہے اور پردے ہیں اور (ملازمین کی) جماعت ہے پس حاتم سوچتے رہ گئے پھر (خاص) اُس مجلس میں پہنچے جہاں وہ (محمد بن مقاتل) موجود تھے سو وہاں نرم نرم بستر تھے اور وہ ان پر لیٹے ہوئے تھے اور اُن کے سرہانے ایک غلام تھا اور اُس کے ہاتھ میں ایک مورچھل تھا (جس سے مکھی ہنکاتا تھا) پس وہ رَی والا (تاجر) بیٹھ گیا اُن کو پوچھنے لگا اور حاتم کھڑے رہے ابن مقاتل نے ان کی طرف اشارہ کیا کہ بیٹھ جاؤ اُنہوں نے کہا میں نہیں بیٹھتا ابن مقاتل نے اُن سے کہا شاید تم کو کچھ کام ہے انہوں نے کہا ہاں انہوں نے کہا کہ وہ کیا کام ہے انہوں نے کہا کہ ایک مسئلہ ہے جس کو آپ سے پوچھنے والا ہوں انہوں نے کہا مجھ سے پوچھ لو انہوں نے کہا تو پھر اُٹھ کر سیدھے بیٹھ جاؤ تا کہ تم سے وہ مسئلہ پوچھوں انہوں نے اپنے غلاموں کو حکم دیا انہوں نے ان کو سہارا لگا کر بٹھلا دیا۔ اُن سے حاتم نے کہا یہ جو تمہارا علم ہے تم اس کو کہاں سے لائے

ہو انہوں نے کہا ثقہ لوگوں نے مجھ سے اس کا بیان کیا ہے۔

حاتم نے کہا کہ کس سے ابن مقاتل نے کہا کہ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حاتم نے کہا اور اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے کس سے۔ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے۔ حاتم نے کہا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو کہاں سے لائے۔ ابن مقاتل نے کہا جبریل سے۔ حاتم نے کہا سو جس علم کو جبریل نے اللہ کی طرف سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پہنچایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے اصحاب کی طرف پہنچایا ہے اور اصحاب نے اس کو ثقات کی طرف پہنچایا ہے اور ثقات نے اس کو تمہاری طرف پہنچایا ہے تو کیا تم نے اس علم (کے سلسلہ) میں یہ سنا ہے کہ جس کے گھر میں داروغہ یا حشم خدم زیادہ ہو اس کا رتبہ اللہ کے نزدیک زیادہ ہوتا ہے ابن مقاتل نے کہا نہیں۔ حاتم نے کہا پھر کیسے سنا ہے ابن مقاتل نے کہا کہ (یہ سنا ہے کہ) جو شخص دنیا میں زہد اختیار کرے اور آخرت میں رغبت اور مساکین کو دوست رکھے اور اپنی آخرت کے لئے سامان کرے اس کا مرتبہ اللہ کے نزدیک بڑا ہوتا ہے حاتم نے کہا کہ پھر تم نے کس کا اقتداء کیا ہے کہا نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب اور صلحاء کا یا فرعون اور نمرود کا جس نے گچ کی عمارت سب سے پہلے بنائی۔

اے برے علماء تمہارے جیسے شخص کو اگر جاہل جو دنیا کا طالب اور اس میں راغب ہے دیکھے تو یوں کہے کہ عالم اس حالت میں ہے تو میں (اگر اس حالت میں رہوں تو) اس سے بدتر تو نہ ہوں گا (کیونکہ اگر یہ حالت بری ہوتی تو اس کو عالم کیوں اختیار کرتا) اور (یہ کہہ کر ان کے پاس سے باہر چلے آئے۔

ابن مقاتل کا مرض (اس گفتگو کے صدمہ سے) اور بڑھ گیا۔ اہل رے کو اس تمام گفتگو کی خبر پہنچی جو حاتم میں اور ابن مقاتل میں ہوئی تھی لوگوں نے ان سے کہا کہ اے ابا عبدالرحمٰن قزوین میں ایک عالم ہیں جو ان سے بھی زیادہ عظیم الشان ہیں اور اس سے اشارہ طنافسی کی طرف کیا۔ ابو عبداللہ خواص راوی کہتے ہیں کہ وہ ان کے

پاس قصداً چلے اور اُن کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالیٰ کی آپ پر رحمت ہو میں ایک عجمی (یعنی ناواقف) آدمی ہوں میں چاہتا ہوں کہ مجھ کو دین کا ابتداء ہی کا حکم یعنی نماز کی مفتاح سکھلا دو کہ میں نماز کے لئے کس طرح وضو کیا کروں۔ طنافسی نے کہا ہاں بہت خوب۔ اے غلام ایک برتن لا جس میں پانی ہو۔ پس طنافسی بیٹھے اور تین تین بار وضو کیا پھر فرمایا کہ بس اس طرح وضو کیا کرو۔

پھر حاتم بیٹھے اور تین تین بار وضو کیا یہاں تک کہ جب ہاتھوں کے دھونے تک پہنچے تو اس کو چار دفعہ دھولیا۔ طنافسی نے فرمایا کہ ارے تم نے اسراف کیا حاتم نے کہا کہ کس چیز میں (میں نے اسراف کیا) طنافسی نے کہا کہ تم نے ہاتھوں کو چار دفعہ دھویا۔ حاتم نے کہا سبحان اللہ! میں تو ایک چلو پانی میں مسرف ہو گیا اور تم اس تمام تر (سامان) جمع کرنے میں مسرف نہیں ہوئے پس طنافسی کو معلوم ہو گیا کہ یہ اس ارادہ سے ان کے پاس آئے تھے اور ان سے (وضو) سیکھنا مقصود نہ تھا پس (اس گفتگو کے بعد) وہ گھر کے اندر چلے گئے اور (مارے شرمندگی کے) چالیس روز باہر نہیں آئے اور رے اور قزوین کے تاجروں نے تمام یہ گفتگو جوان کے اور ابن مقاتل و طنافسی کے درمیان میں جاری ہوئی تھی (اطراف میں) لکھ لکھ کر بھیجی۔

پھر جب حاتم بغداد میں آئے تو اہل بغداد ان کے پاس جمع ہوئے اور ان سے کہنے لگے کہ اے ابو عبدالرحمٰن تم ایک ختنہ (**فی القاموس الکن لایقم العربی لعجمة لسانه ۱۲ منه**) زبان عجمی آدمی ہو (لیکن باوجود اسکے) کوئی شخص تم سے کلام نہیں کرتا۔ جس کو تم بند نہ کر دیتے ہو انہوں نے کہا میرے پاس تین باتیں ہیں ان کی وجہ سے اپنے مقابل پر غالب ہو جاتا ہوں لوگوں نے کہا وہ کونسی باتیں ہیں انہوں نے کہا ایک تو یہ ہے کہ جب میرا مقابل صحیح بات کہے میں خوش ہوتا ہوں (گو اس صورت میں وہ غالب آ جائے گا) اور دوسرے یہ کہ جب وہ غلط بات کہے میں غمگین ہوتا ہوں (گو اس صورت میں وہ مغلوب ہو جائے گا) اور تیسری بات یہ ہے

کہ میں اپنے نفس کو محفوظ رکھتا ہوں کہ اس پر جہالت نہ کروں۔

سو یہ خبر احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو پہنچی سو وہ (ان سے ملنے) ان کے پاس آئے اور (ان کی نسبت یہ بھی) فرمایا کہ سبحان اللہ یہ کیسے کچھ عاقل ہیں پھر جب سب (مکان کے) اندر پہنچے تو ابن حنبل نے پوچھا اے ابا عبدالرحمٰن دنیا سے سالم رہنے کا کیا طریقہ ہے حاتم نے کہا اے ابوعبداللہ تم دنیا سے سالم نہیں رہ سکتے یہاں تک کہ تمہارے پاس چار باتیں ہوں انہوں نے کہا کہ وہ کونسی باتیں ہیں اے ابوعبدالرحمٰن انہوں نے کہا کہ لوگوں کی جہالت تو معاف کر دیا کرو اور اپنی جہالت کو ان سے دور رکھو اور ان کے لئے اپنی چیزیں خرچ کر لیا کرو اور ان کی چیزوں سے ناامید رہو پس جب ایسا ہوگا تو (دنیا سے) سالم رہو گے پھر وہ مدینہ چلے گئے (اور) فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ خدا سے اس کے بندوں میں سے وہی ڈرتے ہیں جو علماء ہیں حق تعالیٰ نے کلمہ انما کے ساتھ (جو کہ حصر کے لئے ہے) ذکر کیا ہے پس (اس کے مقتضا سے) ایسے شخص سے علم کی نفی ہو جائے گی جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا۔

جیسا کہ جب کوئی شخص کہے کہ اس گھر میں وہی داخل ہوگا جو بغدادی ہو تو (اس سے) غیر بغدادی کے دخول دار کا انتفاء ہو جائے گا پس علماء آخرت کے لئے یہ امر روشن ہو گیا کہ غایات (فی القاموس النصب العلم المنصوب ویحرک والغایۃ الخ ۱۲ منہ) معارف ومقامات قرب تک پہنچنے کا راستہ بدون زہد اور تقویٰ کے مسدود ہے۔ ابویزید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک روز اپنے اصحاب سے فرمایا کہ میں گزشتہ شب میں صبح تک اس کوشش میں رہا کہ لا الٰہ الا اللہ کہوں اور قادر نہ ہوا عرض کیا گیا کہ یہ کس سبب سے ہوا۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو ایک (نامناسب) کلمہ یاد آ گیا جس کو میں نے اپنے لڑکپن میں کہا تھا پس مجھ پر اس کلمہ کی وحشت غالب آ گئی اُس نے مجھ کو اس (لا الٰہ الا اللہ کے کہنے) سے روک دیا (اس کا سبب غلبہ تھا) اور میں (اس وقت) اس شخص سے تعجب کر رہا تھا جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کر رہا ہے اور وہ اس کی کسی صفت کے ساتھ

متصف ہے (تعجب اس لئے کر رہا تھا کہ یہ کیسے ذکر کر رہا ہے اور مجھ سے نہیں ہوتا) غرض صفا و تقویٰ و کمال زہد ہی سے بندہ راسخ فی العلم ہوتا ہے۔

واسطی نے فرمایا ہے کہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو اپنی ارواح سے غیب الغیب اور سرا سر میں راسخ ہو گئے پھر خدا تعالیٰ نے ان کو بتلا دیا جو کچھ بتلا دیا اور وہ لوگ فہم کے سبب طالب ترقیات کے لئے بحر علم میں گھس گئے۔ پھر کلام کے ہر حرف کے تحت میں جو کچھ فہم اور عجائب خطاب کے ذخیرہ کے خزانہ تھے وہ ان کے لئے منکشف ہو گئے۔ سو وہ حکمتوں کے ساتھ نطق کرنے لگے اور بعض نے کہا ہے کہ راسخ (فی العلم) وہ ہے جو خطاب کے محل مراد پر مطلع ہو جائے اور ابو سعید خراز نے فرمایا ہے کہ وہ راسخ فی العلم وہ لوگ ہیں جو جمیع علوم میں کامل ہو گئے اور انہوں نے ان علوم کو پہچان لیا اور وہ لوگ تمام خلائق کی ہمتوں (کی رسائی) پر مطلع ہو گئے اور ابو سعید کے اس قول سے یہ مراد نہیں ہے کہ راسخ فی العلم کو جزئیات علوم پر واقف ہونا اور اس میں کامل ہونا شایاں ہے کیونکہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ (یقیناً) راسخین فی العلم سے تھے (باوجود اس کے) اُنہوں نے حق تعالیٰ کے اس قول کے وفاکھۃ وابا تفسیر میں توقف فرمایا اور فرمایا کہ اب کیا چیز ہے پھر فرمایا یہ (یعنی زیادہ کاوش کرنا)۔

(دلیل هذا التفسیر مافی الباب الثلاثین فی ترک التکلف من قول عمرؓ فمالاب قال وبید عمر عصاة فضرب بها الارض ثم قال لعمر الله والتکلف فخذوا ایها الناس مابین لکم منه فما عرفتم اعملوا به ومالم تعرفوا فکلوا علمه الی الله تعالی ا ه قلت وما خذه مافی میزان الاعتدال حیث قال قال ابو بکر الاثرم قلت لابی عبدالله ان بن المدینی حدث عن الولید بن مسنم حدیث عمر رضی الله تعالیٰ عنه لما تلا فاکهة وابا فقال مالاب ثم قال هذا لعمر الله التکلف ایها الناس مابین لکم فاعملوا به ومالم تعرفوه فکلوه الی ربه قال الاثرم لابی عبد الله هذا وانه قال

فکلوه الی خالقه فقال هذا کذب قد کتبناه عن الولید انما هو الی عالمه روی المروزی عن احمد هذا الحدیث وقال احمد هذا کذب انما هو کلوه الی عالمه اھ (ص ۲۳۰ ج ۲) ۱۲ منه)

محض تکلف ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اب کے معنی میں توقف کرنا حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فعل تھا (غرض ابوسعید کی یہ مراد نہیں بلکہ) ابوسعید کا مطلب اس سے وہ ہے جس سے ان کے اول کلام کی آخری کلام سے تفسیر ہو جاتی ہے اور وہ آخری کلام یہ ہے کہ وہ لوگ تمام خلائق کی ہمتوں پر مطلع ہو گئے وجہ یہ ہے کہ جو شخص پورا متقی اور دنیا میں پورا زاہد ہوتا ہے اس کا باطن صاف ہو جاتا ہے اور اس کا آئینہ قلب روشن ہو جاتا ہے اور اسکو لوح محفوظ کے کسی حصہ سے محاذات واقع ہو جاتی ہے پس وہ صفاء باطن کے سبب علوم کے کلیات واصول کو ادراک کر لیتا ہے۔

پس وہ علوم میں علماء کے اقدام کے منتہیٰ کو اور ہر علم کے فائدہ کو (مجملاً) جان لیتا ہے (اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اس بات کو جان لیتا ہے کہ فلاں فلاں علماء کا منتہی علوم کا یہ ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے صفاء باطن سے علم کے جس درجہ تک پہنچتا ہے وہی علماء کے علوم کا منتہیٰ ہوتا ہے اور پھر وہ جاننا بھی اجمالاً وکلیاً ہوتا ہے) باقی رہے علوم جزئیہ سو وہ تو نفوس میں تعلیم ومزاولت ہی سے ایک ایک جزو کر کے آتے ہیں۔

پس اس کا یہ علم کلی اس سے مستغنی نہیں کرتا کہ وہ علوم جزئیہ میں ان کے اہل سے جو کہ اس کے حامل ہیں رجوع کرے پس ان (اہل جزئیات) کے نفوس تو جزئی سے پُر ہو گئے اور اس جزئی کے سبب کلی تک رسائی نہ کر سکے اور علماء زاہدین کے نفوس بعد تحصیل ان شرعیات کے جن کی ان کو اصل دین اور اساس دین میں ضرورت تھی سب سے منقطع ہو کر حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہو گئے اور ان کی ارواح کو اس کے مقام قرب تک رسائی ہو گئی پس ان کی ارواح نے ان کے قلوب پر ایسے انوار فائض کیے جن کے سبب ان کے قلوب ادراک علوم کے لیے مہیا ہو گئے۔

پس ان کی ارواح عالم ازلی (یعنی حضرت حق) کی ملازمت سے حد ادراک علوم سے ترقی کر گئیں (کیونکہ علوم حادثہ کے حصول کا مرتبہ حضرت حق کی ذات وصفات سے سافل ہے) اور وہ ارواح ایسے وجود سے مجرد ہوگئیں جو حامل علم ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے (یعنی علم حادث کے حصول کے لئے جو مرتبہ وجود کا شرط ہے وہ ارواح اس مرتبہ سے مجرد ہیں کیونکہ وہ مرتبہ مشروط ہے عدم استغراق فی حضرت الحق کے ساتھ اور عکوف مذکور سے وہ شرط مفقود ہے پس علوم حادثہ بھی مفقود ہیں اور یہ تو حالت ان کی روح کی ہوئی۔) اور (رہے) ان کے قلوب (سووہ) باعتبار اپنے اس رخ کے جو نفوس سے اتصال رکھتا ہے ایسے ظروف وجود یہ ہیں جن کو باعتبار نسبت وجودیہ کے وجود علم سے مناسبت ہے (مطلب یہ کہ قلوب کے دو رخ ہیں ایک روح کی طرف سو اس اعتبار سے تو وہ احکام میں مناسب روح کی ہیں اور منزہ علوم حادثہ سے۔ دوسرا رخ نفس کی طرف اس اعتبار سے وہ احکام میں مناسب نفس کے ہیں اور نفس میں صلاحیت علوم حادثہ کی ہے پس اس اعتبار سے قلوب میں بھی اس کی صلاحیت ہے) پس (اسی اعتبار اخیر سے) وہ قلوب علوم سے مالوف ہوگئے اور علوم ان سے مالوف ہوگئے (آگے اسی اعتبار اخیر کی شرح ہے یعنی) اس مناسب سے کہ علوم بھی (ایک خاص تفسیر کے اعتبار سے عالم ازلی سے) منفصل ہیں۔

اس طرح سے کہ وہ لوح محفوظ کے ساتھ متصل ہوگئے اور انفصال (مذکور) سے مراد یہی انتقاش فی اللوح المحفوظ ہے اس کے سوا کچھ اور (یعنی وہ تفسیر انفصال کی یہ ہے کہ اس مرتبہ کا سافل ہونا عالم ازلی سے اور اس کو انفصال اس لئے کہا گیا کہ یہ انتقاش ایسے محل میں ہے جو حق تعالیٰ سے منفصل یعنی مبائن ہے نہ کہ زوال علوم کا عالم ازلی سے جیسا انفصال کو علم کی طرف نسبت کرنے سے بظاہر متبادر ہوتا ہے۔ نعوذ باللہ

غرض یہ علوم بھی منفصل ہوئے اور قلوب بھی مقام ارواح سے منفصل ہیں بوجہ ان کے انجذاب الی النفوس کے (یعنی اس رخ کے اعتبار سے جو قلوب کو نفس کی طرف

حاصل ہے جیسا اوپر مذکور ہوا) پس دونوں منفصل چیزوں میں (یعنی ایک علوم میں کہ منفصل عن العالم الازلی ہیں اور دوسرے قلوب میں کہ منفصل عن الارواح ہیں) باہم ایک مناسبت اشتراک کی ہوئی جو مالوف ہونے کا سبب ہوا (کہ علوم اور قلوب باہم مالوف اور ایک موصوف اور ایک صفت ہو کر باہم مجتمع ہو گئے) اس لئے علوم (قلوب میں) حاصل ہو گئے اور عالم ربانی راسخ فی العلوم ہو گیا بعض کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ نے (بعض انبیاء بنی اسرائیل پر) وحی فرمائی کہ اے بنی اسرائیل یوں مت کہو کہ علم آسمان میں ہے اس کو کون اُتار سکتا ہے، نہ وہ اعماق زمین میں ہے کہ اس کو کون اوپر لاسکتا ہے اور نہ وہ سمندر پار ہے کہ کون پار ہو کر اس کو لائے علم تو تمہارے قلوب میں پیدا ہوا ہے تم میرے سامنے روحانیین کے آداب اختیار کرو اور میرے ساتھ صدیقین کے اخلاق برتو میں اس علم کو تمہارے قلوب سے ظاہر کردوں گا۔

یہاں تک کہ وہ تم کو ڈھانپ لے گا اور تم کو احاطہ کرلے گا سو روحانیین کے آداب کا اختیار کرنا نفوس کا ان کے مقتضائے جبلت سے ضبط کرنا ہے اور صریح علم کے واسطے سے ہر قول اور فعل میں اس کو روکنا ہے اور یہ اسی سے بن پڑتا ہے جو علم رکھے اور قرب پیدا کرے اور اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونے کا طریق اختیار کرے پس حق کے ساتھ حق کے لئے اپنی حفاظت کرے خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابوالنجیب عبدالقاہر سہروردی رحمۃ اللہ علیہ نے بطور اجازت کے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو منصور بن خیرون نے بطور اجازت کے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو محمد حسن بن علی جوہری نے بطور اجازت کے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوعمر محمد بن عباس نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو محمد یحییٰ بن صاعد نے کہا انہوں نے حدیث کی ہم سے حسین بن حسن مروزی نے کہا انہوں نے خبر دی عبداللہ بن مبارک نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو اوزاعی نے حسان بن عطیہ سے کہا انہوں نے مجھ کو یہ خبر پہنچی ہے کہ شداد بن اویس ایک منزل میں اُترے اور بولے ہمارے پاس دستر خوان لاؤ کہ ہم اس سے تفریح

(اصل اللفظ نعبث بها وهذا حاصله ۱۲ منه)(وشغل) کریں۔
سوان سے یہ کلمہ بدنما سمجھا گیا (یعنی سننے والوں کو مستبعد معلوم ہوا کیونکہ یہ موہم ہے طعام کے غیر محتاج الیہ ہونے کو جو کہ بالکل ہی باطل ہے) وہ فرمانے لگے میں جب سے ایمان لایا ہوں میں نے کوئی کلمہ زبان سے نہیں کہا جس کو میں نے نکیل (فی الاصل اخطمہا ثم ازمہا اھ وہما متقاربان ۱۲منہ) (نہ ڈالی ہو پھر باگ نہ دی ہو بجز اس کلمہ کے (جو آج منہ سے نکل گیا) سوتم اس کو مجھ پر محفوظ مت کرنا (یعنی اس کو نقل کر کے سند مت پکڑنا) پس اس طرح سے ہوتا ہے اختیار کرنا آداب روحانیین کا (اور) انجیل میں لکھا ہے کہ غیر معلوم کا علم طلب مت کرو جب تک کہ معلوم پر عمل نہ کرلو۔ اور ایک خبر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ بعض اوقات شیطان بواسطہ علم کے تم پر غالب آجاتا ہے (یعنی باوجودیکہ علم فی نفسہ آلہ ہے شیطان کے مغلوب ہونے کا مگر وہی بعض اوقات بوجہ سوء استعمال کے آلہ بن جاتا ہے شیطان کے غالب ہونے کا) ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ ہم پر بواسطہ علم کے کیسے غالب آجاتا ہے آپ نے فرمایا وہ کہتا ہے کہ علم طلب کرتا رہ اور (ابھی) عمل مت کرو یہاں تک کہ (پورے طور سے) علم حاصل کرلے۔ پس بندہ ہمیشہ علم میں قیل وقال کرتا ہوا اور عمل کو ٹالتا ہوا رہتا ہے یہاں تک کہ اس کو موت آجاتی ہے اور عمل کی نوبت نہیں آتی اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ علم کثرت روایت سے نہیں ہے علم تو خشیت سے ہے اور حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ علم اور روایت والے کی طرف توجہ نہیں فرماتا فہم اور درایت والے کی طرف توجہ فرماتا ہے (مراد علم اور روایت سے علم درسی ہے اور فہم و درایت سے علم وہبی ہے) پس علوم وراثت (علوم وہبیہ) علم دراستہ (یعنی درسی) سے ملخص ہو کر نکالے جاتے ہیں اور (اس استخراج میں) علوم دراستہ کی مثال شیر خالص کی سی ہے جو پینے والوں کے لئے آسانی سے اتر جانے والا ہے اور علوم وراثت کی مثال مسکہ کی سی ہے جو اس سے ملخص ہو کر نکالا جاتا ہے۔

سو (اگر چہ یہ ضرور ہے کہ) اگر دودھ نہ ہوتا تو مسکہ بھی نہ ہوتا (تو دودھ شرط اور موقوف علیہ ہے مسکہ کے لئے) لیکن (اسی کے ساتھ یہ بھی یقینی ہے کہ) جو روغن کہ دودھ سے مطلوب ہے وہ مسکہ ہی ہے اور مائیت جو دودھ میں ہے وہ ایک جسم ہے جس کے ساتھ روح دھنیت قائم ہے اور مائیت کے ذریعہ سے (اس دھنیت کا) قیام ہے (پس جس طرح لبن میں دو مرتبہ ہوتے ہیں ایک مائیت ایک دھنیت اسی طرح ان علوم دراستہ میں دو مرتبے ہیں ایک ظاہری علوم کہ بمنزلہ مائیت کے ہیں جس کے ساتھ ڈہن قائم ہے اور ایک باطنی علوم کہ بمنزلہ ڈہن کے ہیں کہ ان کا تقوم ان ہی ظاہری علوم سے ہے چنانچہ ظاہر ہے کہ حقائق کتاب وسنت کے کہ علوم وراثت ہیں قائم ہیں الفاظ کتاب وسنت کے ساتھ کہ علوم دراست ہیں آگے علوم ظاہرہ کی مائیت لبن کے ساتھ تشبیہ دینے کی تائید ہے کہ) اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے اور ''ہم نے ہر زندہ چیز کو پانی سے بنایا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔ بھلا اور جو شخص مردہ تھا پھر ہم نے اس کو زندہ کر دیا مطلب یہ کہ جو شخص کفر کے سبب مردہ تھا پھر ہم نے اس کو اسلام کے ساتھ زندہ کر دیا (پس مجموعہ آیتین سے معلوم ہوا کہ اسلام جو کہ ظاہری انقیاد ہے بعد انقیاد باطنی کے وہ سبب حیوۃ ہونے میں بمنزلہ پانی کے ہے کہ دونوں کو سبب حیوۃ فرمایا ہے اور اس سے اس تشبیہ کی تائید ظاہر ہے۔

آگے اسی مضمون کی تفصیل مع مشابہت علوم وراثت کے زبد کے ساتھ فرماتے ہیں) پس اسلام سے حیات دنیا یہ قوام اول اور اصل اول ہے (جس طرح لبن باعتبار مائیت کے قوام اول واصل اول ڈہن کی ہے) اور اسلام کے چند علوم ہیں۔ (جس طرح لبن کے دو جزو ہیں) اور وہ اصول اسلام کے علوم ہیں (جن میں علوم دراست و علوم وراثت دونوں ہیں کہ مشابہ میں لبن کے دونوں جزو کے) اور (ہر چند کہ) باعتبار مجرد تصدیق کے اسلام بعد ایمان کے ہے (یعنی اگر ایمان صرف تصدیق کا نام لیا جائے دوسرے مراتب کمال ایمان کا نام نہ رکھا جائے جو کہ اسلام لانے سے مدتوں

کے بعد میسر ہوتا ہے تو مجرد تصدیق کا نام ہونے کے اعتبار سے اسلام معتبر عند الشرع تحقق ایمان کے بعد ہوتا ہے کیونکہ اسلام سے پہلے قلب میں تصدیق آتی ہے اس کے بعد اقرار و انقیاد باللسان والجوارح معتبر ہے) لیکن بعد متصف باسلام ہو جانے کے پھر اس ایمان ہی کی بہت سی شاخیں ہیں (یعنی اسلام کے تحت میں جو علوم و فروع ہیں جب صحت اسلام کا حکم کر دیا گیا اور وہ موقوف ہے تصدیق پر اور وہ حقیقت ہے ایمان کی تو وہ اسلام منفک نہ ہوا ایمان سے پس اس اسلام کی صحت کے بعد جو علوم فروع اسلام کے ہیں وہ سب فروع ایمان کے بھی ہیں) اور وہ فروع (ایمان کے مختلف) مراتب ہیں جیسے علم الیقین اور عین الیقین اور حق الیقین کیونکہ ان کا اطلاق کبھی (بطور لف ونشر مرتب کے) توحید و معرفت و مشاہدہ پر بھی آتا ہے۔

(جیسا کہ ان الفاظ کے اور معانی بھی ہیں جیسا کہ باب شصت و دوم میں آئے گا پس یہ تینوں مرتبے فروع ہوئیں ایمان کی) اور (پھر ان) فروع میں سے ہر فرع میں ایمان کے کچھ علوم ہیں (جو کہ علوم اسلام مشہور ہیں پس ان علوم مختلفہ کے دو عنوان ہوئے۔ ایک علوم اسلام دوسرا علوم ایمان) سو علوم اسلام تو علوم لسان ہیں اور علوم ایمان علوم قلوب ہیں (مطلب یہ کہ وہ علوم ہیں مختلف بعض ان میں علوم دراست ہیں اور اس اعتبار سے ان کا لقب علوم اسلام ہے اور بعض علوم وراثت ہیں اور اس اعتبار سے ان کا لقب علوم ایمان ہے) پھر (ان) علوم قلوب کے لئے ایک وصف خاص ہے (جو صرف خواص کو حاصل ہے) اور ایک وصف عام ہے (جو عوام کو بھی حاصل ہے) سو وصف عام تو علم الیقین (بتفسیر مذکور بالا یعنی توحید) ہے اور کبھی اس کی طرف نظر واستدلال سے بھی رسائی ہو جاتی ہے اور اس میں علماء آخرت کے ساتھ علماء دنیا بھی شریک ہیں (چنانچہ ظاہر ہے اور اسی لئے اس کو وصف عام کہا)۔

اور اس کا ایک وصف خاص ہے جس کے ساتھ صرف علماء آخرت ہی مخصوص ہیں اور وہ وہ جمعیت (خاصہ) ہے جو مومنین (کاملین) کے قلوب میں نازل کی گئی ہے

تاکہ ان کو ایمان میں اور ترقی ہو جائے ایمان سابق کے ساتھ پس اس بناء پر اسم ایمان مجموعۂ مراتب (ثلثہ مذکورہ) کو اپنے وصف خاص سے تو شامل ہے اور ان کو اپنے وصف علم سے شامل نہیں (یعنی ایمان بول کر اگر مجموعہ مراتب مراد لیں تو باعتبار معنی خاص کے تو صحیح ہو جائے گا کیونکہ یہ مجموعہ تو صرف خواص ہی کو حاصل ہے اور باعتبار معنے عام کے صحیح نہ ہوگا کیونکہ عوام کو یہ مجموعہ کب حاصل ہے)۔

پس وصف خاص کے اعتبار سے تو یقین مع اپنے مراتب (ثلثہ) کے ایمان سے ہے اور وصف عام کے اعتبار سے یقین ایک امر زائد ہے علوم ایمان پر (کیونکہ جب ایمان بول کر معنے خاص مراد لئے گئے تو وہ یقین کے مجموعی تینوں مرتبوں پر شامل ہو گیا اور جب ایمان بول کر معنے عام مراد لئے گئے تو یقین کے بعض مراتب یعنی عین الیقین وحق الیقین اس معنی سے خارج اور اس معنے پر زائد ہوئے) اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ اس تقدیر پر) مشاہدہ (جو کہ بعض کے نزدیک تفسیر ہے عین الیقین کی) یقین میں ایک وصف خاص ہے اور وہ عین الیقین ہے اور (پھر) عین الیقین میں ایک وصف خاص ہے اور وہ حق الیقین ہے (اور ظاہر ہے کہ ان دونوں کو معنی عام ایمان کے شامل نہیں اور اسی کو اوپر کہا تھا کہ وصف عام کے اعتبار سے یقین ایک امر زائد ہے ایمان پر آگے ان تفاسیر عین الیقین وحق الیقین پر ایک تفریع ہے یعنی) پس حق الیقین اس صورت میں مشاہدہ سے فوق ہے (جیسا کہ تفسیر گذشتہ بالا پر عین مشاہدہ تھا) اور (اس تفسیر پر) حق الیقین کا موطن اور مستقر صرف آخرت میں ہے اور دنیا میں محض اس کی ایک ادنیٰ سی جھپک اُس کے اہل کو (نصیب) ہو جاتی ہے۔

اور یہ حق الیقین علم باللہ کے اقسام موجودہ میں سے کمیاب ترین قسم ہے کیونکہ وہ محض ایک وجدان ہے (جس کی تحصیل غیر اختیاری ہے اس لئے کمیاب ہوگی۔ آگے رجوع ہے ماسبق کی طرف یعنی جب اوپر ثابت ہو گیا کہ اسلام وایمان کے مختلف علوم ہیں جن میں بعضے علوم قلوب مخصوص بعلماء آخرت ہیں اور بعضے علوم لسان عام لعلماء

الدنیا ہیں اور مقصود علوم لسان سے علوم قلوب ہیں) پس صوفیہ وزاہدین علماء کے علم کی نسبت (کہ علم قلب ہے) علماء دنیا کے علم کے ساتھ (کہ علم لسان ہے) جنہوں نے نظر واستدلال کے طریق سے یقین حاصل کیا ہے ایسے ہو گئے جیسے ہم نے علم وراثت ودراست کی نسبت کو بیان کیا ہے کہ ان لوگوں کا علم تو بمنزلہ دودھ کے ہے (کہ وسیلۂ مقصود ہے) کیونکہ وہ علم صرف یقین وایمان کا وہی درجہ ہے جو کہ اساس (یعنی اصل اول) ہے (دین کامل کی جیسے لبن اساس ہوتا ہے دہن کا) اور صوفیہ کا جو علم حق تعالیٰ کے ساتھ متعلق ہے یعنی مشاہدہ عین الیقین وحق الیقین کے مراتب وہ بمنزلہ مسکہ کے ہے (جو کہ مقصود ہے) جو لبن سے نکالا جاتا ہے۔

پس فضیلت انسان کی علم کی فضیلت پر ہے اور استحکام اعمال کا بقدر حصۂ علم کے ہے اور حدیث میں ہے کہ عالم کی فضیلت عابد پر مثل میری فضیلت کے ہے میری امت پر اور اسی علم (مذکور الفضیلت) میں بیع وشراء وطلاق وعتاق کی علم کی طرف اشارہ نہیں ہے صرف علم باللہ اور قوت یقین کی طرف اشارہ ہے اور کبھی کوئی شخص عارف باللہ صاحب یقین کامل ہوتا ہے اور اس کے پاس فرض کفایہ کا علم نہیں ہوتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب حقائق یقین ودقائق معرفت کو علماء تابعین سے زیادہ جانتے تھے اور بعض علماء تابعین میں وہ تھے جو علم فتویٰ واحکام میں بعض صحابہ سے بھی زیادہ مستعد تھے (چنانچہ) مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جب کوئی بات پوچھی جاتی تو فرمادیتے کہ سعید بن المسیب سے پوچھ لو۔

اور عبداللہ بن عباس فرمادیا کرتے تھے کہ جابر بن عبداللہ سے پوچھ لو (وہ ایسے ہیں کہ) اگر تمام اہل بصرہ ان کے فتویٰ پر منزل کرلیں تو وہ سب کو کافی ہو جائے اور انس بن مالک فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے دوست حسن سے پوچھ لو کہ انہوں نے یاد رکھا ہے اور ہم بھول گئے بس یہ حضرات لوگوں کو علم فتویٰ واحکام میں تو ان مذکورین کی طرف حوالہ کردیتے تھے اور حقائق یقین اور حقائق معرفت ان کو خود سکھلاتے تھے اور

اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ حضرات ان امور میں تابعین سے زیادہ مستقیم تھے وحی منزل کی طراوت ان سے ملاقی ہو چکی تھی اور علم وافر مجمل و مفصل (جس کی تفسیر عنقریب آتی ہے) ان کو محیط ہو چکا تھا پھر ان سے (مابعد کے لوگوں میں سے) ایک جماعت نے تو اس علم کے مجمل و مفصل (دونوں درجوں) کو اخذ کیا اور ایک جماعت نے اس کے مفصل (درجہ) کو حاصل کیا مجمل (درجہ) کو حاصل نہیں کیا اور مجمل (سے مراد) اصل علم (یعنی علم ضروری متعلق باحکام) ہے اور مفصل علم (سے مراد) وہ ہے جو بواسطہ طہارت قلوب اور قوت طبیعت اور کمال استعداد کے حاصل کیا گیا ہو (جو متعلق باصلاح باطن ہے) اور یہ (درجہ) خواص کے ساتھ خاص ہے (اور چونکہ یہ درجہ ایک حیثیت سے زیادہ مہتم بالشان ہے کہ ہر وقت کی ضرورت کا ہے اس لئے خیر القرون میں اس سے کوئی استغناء نہ کرتا تھا بخلاف دوسرے درجہ کے کہ اس میں مراجعت الی العلماء بھی مغنی ہو سکتی ہے اس لئے کوئی اس کو اکتساب کرتا تھا اور کوئی نہ کرتا تھا اس لئے یہ قسم تو متحقق ہوئی کہ بعض نے مجمل کو حاصل نہیں کیا جیسا عنقریب مذکور ہوا۔

اور یہ قسم متحقق نہیں ہوئی کہ صرف مجمل کو حاصل کیا ہو اور دونوں کے جامع بکثرت تھے اور منجملہ نصوص کاشفہ فضیلت علوم صوفیہ مثل دیگر نصوص مذکورہ سابقہ یہ آیتیں ہیں) حق تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے فرمایا کہ آپ لوگوں کو اپنے پروردگار کی سبیل کی طرف بلایئے حکمت کے ساتھ اور موعظت حسنہ کے ساتھ اور ان سے گفتگو کیجئے ایسے طریقہ سے جو بہت اچھا ہے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کہ آپ کہہ دیجئے یہ ہے میرا طریقہ میں بصیرت پر ہو کر اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔

پس (جن راستوں کا ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے جن کو ایک جگہ سبیل رب اور دوسری جگہ سبیلی کہا گیا ہے) ان راستوں کے کچھ (مختلف) چلنے والے ہیں اور (جن دعوتوں کا ان آیتوں میں ذکر ہے ایک جگہ ادع میں ایک جگہ ادعوا میں) ان دعوتوں کے لئے کچھ (مختلف) قلوب قبول کرنے والے ہیں (یعنی کوئی چلنے والا اور قبول

کرنے والا بدا ستعداد اور کوئی خوش استعداد) سو ان میں بعض وہ نفوس ہیں جو خود سر اور ٹھوس اور اپنی خشونت طبیعت اور جبلت پر باقی ہیں پس ان کی نرمی تو آتش تخویف اور موعظت اور تحذیر سے ہے اور ان میں بعض وہ نفوس ہیں جو پاک ہیں اور پاک طینت کے بنے ہیں اور (باوجود نفس ہونے کے) قلوب کے ساتھ موافقت رکھنے والے ہیں اور ان سے قریب ہیں (یہ نفس کی دو قسمیں ہوئیں)۔

پس جس شخص کا نفس اس کے قلب پر غالب تھا (اور قلب مغلوب) اس کو تو موعظت سے بلایا اور جس شخص کا قلب اس کے نفس پر غالب تھا (اور نفس مغلوب) اس کو حکمت کے ساتھ بلایا (یہ دونوں طریقے پہلی آیت میں تصریحاً اور دوسری آیت میں تلویحاً باطلاق متعلق محذوف ادعوا مذکور ہیں) پس دعوت بالموعظت کی اجابت تو ابرار نے کی اور وہ دعوت ہے بذریعہ ذکر جنت ونار کے اور دعوت بالحکمت کی اجابت مقربین نے کی اور وہ دعوت ہے بذریعہ اظہار عطیات قرب وصفائے معرفت واشارہ توحید کے سو جب انہوں نے اظہارات حقانیہ اور تعریفات ابانیہ کو پایا تو انہوں نے اپنی ارواح وقلوب ونفوس سب سے (اس دعوت کی) اجابت کی (یعنی اس کو منظور کیا) سو اقوال کی متابعت تو ان کی اجابت ہے نفس سے اور اعمال کی متابعت ان کی اجابت ہے قلب سے اور احوال کے ساتھ متصف ہونا ان کی اجابت ہے روح سے۔

پس صوفیہ کی اجابت تو کل سے ہے (یعنی روح سے بھی قلب سے بھی نفس سے بھی) اور غیر صوفیہ کی اجابت صرف بعض سے ہے (یعنی محض نفس سے کہ وہ متابعت بالاقوال ہے) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ صہیب پر رحمت فرمائے (وہ ایسے تھے کہ) اگر ان کو حق تعالیٰ کا خوف بھی نہ ہوتا تب بھی اس کی نافرمانی نہ کرتے یعنی اگر ان کے لئے دوزخ سے ایک امان نامہ بھی لکھ دیا جاتا تب بھی ان کو حق تعالیٰ کی صرف شان عظیم کا پہچاننا ہی عبدیت کے حق واجب کے اہتمام پر باعث ہوتا تا کہ جو حق عظمت پہچانتا ہے اس کو وہ ادا کریں (اور اس کا ادا ہونا یہی ہے

کہ باوجود امن من العذاب بھی اطاعت کرے) پس صوفیہ کا اجابت دعوت کرنا لذت اور رفع دشواری کے طریق پر ایسا ہے جیسا محب اپنے محبوب کی اجابت کرتا ہے۔

اور غیر صوفیہ کا اجابت کرنا مشقت اور مجاہدہ کے طور پر ہے اور اس اجابت (باقسامہا المختلفۃ) کا اثر اوقات (مختلفہ) میں حقیقت استقامت وعبودیت کے اہتمام کرنے میں ظاہر ہوتا رہتا ہے (چنانچہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سو جس شخص نے دیا ہو اور پرہیز وڈر کیا ہو اور طریقہ نیک (یعنی دین اسلام) کی تصدیق کی ہو سو ہم عنقریب اس کے لئے آسان صلہ (یعنی جنت) کو آسان (ومرتب) کردیں گے (اور دوسری آیت میں ان اعمال کے اضداد پر اس مآل کے ضد کو مرتب فرمایا ہے جس سے اجابت مختلفہ کے آثار مختلفہ کا ظہور ہوگیا)۔

بعض نے (اس آیت کی تفسیر میں) کہا ہے کہ جس نے دے دیا ہو دونوں جہاں کو اور اس دینے کو کچھ معتد بہ نہ سمجھا ہو اور پرہیز کیا ہو لغو اور سیئات سے اور طریقۂ نیک کی تصدیق کی ہو یعنی طلب قرب پر مستقیم رہا ہو بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارہ میں نازل ہوئی ہے۔

اور اس آیت میں ایک اور توجیہ بھی ظاہر ہوتی ہے وہ یہ کہ دیا ہو یعنی بواسطہ مواظبت علی الاعمال کے (حق عبدیت معبود کی طرف ادا کیا ہو) اور پرہیز کیا ہو وساوس اور خطرات سے اور طریقہ نیک کی تصدیق کی ہو یعنی طریقہ باطن کو لازم پکڑا ہو اس طور پر کہ حضور (قلب) کے گھاٹوں کو موت ہستی کی مزاحمت سے صاف رکھا ہو (پس طریق نیک طریق باطن ہوا اور اس کی تصدیق تصدیق عملی ہوئی نہ کہ محض اعتقادی) پس عنقریب ہم اس کے لئے آسان صلہ کو آسان کردیں گے یعنی ہم اس پر سہولت فی العمل اور عیش وانس کا دروازہ کشادہ کردیں گے (کہ یہ صلہ ہے اس اعطاء وتقویٰ وتصدیق کا عاجلاً کما قال تعالیٰ اتقوا اللہ الی قولہ یصلح لکم اعمالکم اور اس کا صلہ آجلاً جنت ہے پس دونوں توجیہوں میں تنافی نہیں ہے) اور جس شخص

نے اعمال کے ساتھ بخل کیا (کہ صاحب حق کو اس کا حق ادا نہ کیا) اور استغناء کیا یعنی احوال سے (بزعم خود) پُر ہوگیا (اور واقع میں اُن سے مفلس تھا) اور طریقۂ نیک کی اس نے تکذیب کی یعنی (اصل العبارة لم یکن فی الملکوت بنفوذ بصیرته بالجوال ا ھ فقول بالجوال خبر لم یکن بزیادة الباء للتاکید ۱۲) وہ اپنی بصیرت کے نفوذ سے ملکوت میں حرکت کرنے والا نہیں ہوا (مطلب یہ کہ اس نے اپنے نفوذ بصیرت سے یہ کام نہیں لیا کہ اس کے ذریعہ سے ملک میں حرکت کرتا مراد یہ کہ طریق باطن کی طرف توجہ کرتا یہ توجیہ تکذیب بالحسنٰی کے مقابل ہے توجیہ تصدیق بالحسنٰی مذکور عنقریب کی فی قولہ طریقہ باطن کو لازم پکڑا ہوالخ) پس ہم عنقریب اس کے لئے دُشوار جزاء کو آسان (ومرتب) کردیں گے یعنی اس پر آسانی اعمال کا دروازہ بند کردیں گے (کہ یہ اثر ہے اس بخل واستغناء وتکذیب بالحسنٰی کا عاجلاً کہ اس پر دشواری طاعات مرتب ہوگئی اور اس کا اثر آجلاً عقوبت ہے جس کا دُشوار ہونا ظاہر ہے) بعض نے (اس کی تائید میں) کہا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کسی بندہ کے ساتھ ضرر کا ارادہ کرتا ہے تو اس پر عمل کا دروازہ بند کردیتا ہے اور اس پر کسل کا دروازہ کشادہ کردیتا ہے غرض جب صوفیہ کے نفوس اور قلوب اور ارواح نے ظاہراً اور باطناً دعوت کی اجابت کی (جیسا آیت ادع الی سبیل ربک کے ذیل میں بیان کیا گیا ہے) تو ان کا حصۂ علم ومعرفت میں سے بہت وافر اور کامل ہوگا۔

پس ان کے اعمال بھی بہت پاک صاف اور افضل ہوں گے (کیونکہ اعمال کا نشوونما علم ومعرفت کی زیادت پر ہوتا ہے آگے اس کی تائید ہے حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وحضرت حبان کے ارشادات سے کہ) ایک شخص حضرت معاذ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا کہ مجھ کو دو شخصوں کی حالت سے خبر دیجئے۔ ان میں سے ایک شخص تو عبادت میں بہت محنت کرتا ہے اس کے اعمال کثیر ہیں اور ذنوب قلیل ہیں مگر وہ یقین کا ضعیف ہے کہ وقتاً فوقتاً اس کو شکوک آجاتے ہیں حضرت معاذ نے فرمایا کہ اس

کا یہ شک اس کے عمل کو حبط کردے گا (اگر یہ شک درجہ کفر تک ہے تب تو ذات عمل کو حبط کرے گا اور اگر درجہ ضعف ایمان تک ہے تو کمال عمل کو حبط کرے گا) اس شخص نے عرض کیا اب اس شخص کی نسبت خبر دیجئے جس کے اعمال قلیل ہیں مگر یقین کا قوی ہے اور وہ اسی حالت میں کثیر الذنوب بھی ہے حضرت معاذ ساکت ہو گئے (شاید اس کی فضیلت ظاہر کرنے میں احتمال ہوا ہو کہ لوگ قوت یقین کے بھروسہ سے معاصی پر جری نہ ہو جائیں) اس شخص نے کہا واللہ اگر اول شخص کے شک نے اس کے اعمال نیکی کو حبط کیا ہے (جیسا کہ آپ نے فرمایا) تو ضرور اس (دوسرے) شخص کا یقین اس کے سب گناہوں کو حبط کردے گا (گو آپ نے اس کو تصریحاً نہیں فرمایا مگر اوّل سے عادۃً یہ لازم آتا ہے کیونکہ ایک شے کا دوسری شے میں مؤثر ہونا عادۃً اس کو مستلزم ہے کہ اس ایک شے کی ضد اس دوسری شے کی ضد میں ویسی ہی موثر ہو۔

پس جب شک کا ایک اثر حسنات میں حبطاً ہے تو شک کی ضد یعنی یقین کا اثر حسنات کی ضد یعنی ذنوب میں حبطاً ہونا چاہئے خواہ ایک حبط عاجلاً واقع ہو جائے جیسا شک بدرجہ کفر سے حسنات فی الفور حبط ہو جاتے ہیں اور دوسرا حبط آجلاً واقع ہو جیسا یقین سے آخرت میں گو بعد عقوبت سہی سب معاصی مرتفع ہو جائیں گے) راوی کہتے ہیں کہ پس حضرت معاذ نے اس شخص کا ہاتھ پکڑ لیا اور (لوگوں سے) فرمایا کہ میں نے ایسا شخص نہیں دیکھا جو اس سے زیادہ فقیہ ہو اور حضرت لقمان نے جو اپنے بیٹے کو وصیتیں فرمائی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ اے میرے بیٹے عمل کی استطاعت (کاملہ) بدون یقین نہیں ہوتی اور آدمی بقدر اپنے یقین کے عمل کرتا ہے اور کوئی عمل کرنے والا (عمل میں) کوتاہی نہیں کرتا جب تک کہ اس کے یقین میں قصور نہیں ہوتا پس یقین سب علوم میں افضل ہے کیونکہ وہ زیادہ داعی الی العمل ہے اور جو چیز زیادہ داعی الی العمل ہوگی وہ زیادہ داعی الی العبودیۃ ہوگی اور جو چیز زیادہ داعی الی العبودیت ہوگی وہ زیادہ داعی ہوگی اہتمام حق ربوبیت کی طرف (غرض یقین ایسی چیز ہے) اور پورا حصہ اللہ تعالیٰ کے

ساتھ یقین اور علم (رکھنے) کا (حضرات) صوفیہ وعلماء زاہدین کو حاصل ہے پس اس سے ان کی فضیلت اور ان کے (اس) علم کی فضیلت ظاہر ہوگئی اس کے بعد میں ایک مسئلہ کی صورت قائم کرتا ہوں جس سے صاحب عبرت اس عالم زاہد کا جو اپنے صفات نفس کی معرفت رکھتا ہو اس کے غیر سے افضل ہونا صاف معلوم کرسکتا ہے (وہ مسئلہ یہ ہے کہ) ایک عالم (غیر صوفی) ایک مجلس میں داخل ہوا اور بیٹھ گیا اور اس نے اپنے لئے ایک مجلس جس میں وہ بیٹھے گا ایسی ممتاز تجویز کی۔ جیسا اس کے دل میں باعتبار رتبہ اور علم کے اپنا اعتقاد ہے (یعنی وہ اپنے کو رتبہ اور علم میں جس درجہ کا سمجھتا ہے اسی درجہ کی بیٹھنے کی جگہ تجویز کر کے وہاں بیٹھا مثلاً صدر پر یا اس کے قریب) پس (اسی اثناء میں) اس کے ابناء جنس میں سے ایک آنے والا آیا اور اس سے اوپر (کی مجلس) میں بیٹھ گیا پس (اس صورت میں) وہ عالم (سخت) منقبض ہوگا اور دنیا اس کی نظر میں سیاہ ہو جائے گی اور اگر اس کو کچھ قدرت ہوتی تو یہ اس آنے والے پر ضرور حملہ کرتا پس یہ ایک عارضی مرض ہے جو اس شخص کو پیش آیا اور اس کو یہ بھی خبر نہیں کہ یہ کوئی علت غامضہ ہے اور یہ ایسا مضر ہے جو محتاج معالجہ ہے اور نہ وہ اس مرض کی منشاء میں کچھ غور کرتا ہے اور اگر غور (فی الاصل ولو علم الخ وظنی انه ولو تفکر علم الخ و علیه ترجمت وبدنه لامعنی للکلام ۱۲ منہ) کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہ ایک نفس ہے جو اپنے جہل سے ابھرا اور ظاہر ہوا ہے اور اس نفس کا جہل بوجہ اس کے کبر کے ہے اور اس کا کبر بوجہ اپنے کو دوسروں سے اچھا سمجھنے کے ہے کیونکہ انسان کا یہ سمجھنا کہ میں دوسرے سے بڑا ہوں یہ کبر ہے اور اس کا اس امر کو درجہ فعل کی طرف ظہور میں لانا یہ تکبر ہے۔ پس جب وہ منقبض ہوا تو یہ ایسا فعل ہو گیا جس کے سبب وہ تکبر کا مرتکب ہو گیا سو جو شخص صوفی عالم زاہد ہوگا وہ اپنے کو دوسرے مسلمانوں سے کسی چیز میں بھی ممتاز نہ بنائے گا اور اپنے کو کسی ایسے رتبہ امتیاز میں نہ سمجھے گا جس کے سبب وہ اپنے کو کسی مخصوص ممتاز مجلس کے ساتھ ممتاز کرے (پس اوّل تو وہ ایسے امر سے منقبض ہی نہ ہوگا) اور اگر اس کے لئے

فرض بھی کرلیا جائے کہ وہ اس قسم کے واقعہ میں مبتلا ہوجائے اور (باقتضائے بشریت بوجہ اس کے تصوف وزہد کے ناقص ہونے کے) یہ اس دوسرے شخص کے اس تقدم اور ترفع کے سبب منقبض ہی ہوجائے تو (پھر بھی اس کو اس غیر زاہد عالم سے یہ فرق ہوگا کہ یہ (اس انقباض میں) نفس کو اور اس کے ظہور کو دیکھے گا۔ اور یہ سمجھے گا کہ یہ ایک بیماری ہے اور یہ بھی سمجھے گا کہ اگر نفس کی بات سننے میں اور اس کے منقبض ہونے میں ڈھیلا پن اختیار کیا جائے تو یہ اس شخص کا حالی گناہ ہوجائے گا پس (یہ باتیں سمجھ کر) وہ شخص فی الفور اپنے اس مرض کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے گا اور حق تعالیٰ سے اپنے ظہور نفس کی شکایت کرے گا اور (حق تعالیٰ کی طرف) اچھی طرح توجہ کرے گا اور اس ظہور نفس کی جڑ قطع کردے گا اور نفس سے مستغنی ہوکر قلب کو حق تعالیٰ کے سامنے پیش کرے گا۔ پس اس شخص کا مرض نفس کو دیکھ کر اس کے علاج کی تلاش میں مشغول ہونا اور اس شخص کو اس امر سے غافل کردے گا کہ وہ اس شخص کے بارہ میں فکر کرے جو اس سے اوپر بیٹھ گیا ہے اور (بلکہ) بعض اوقات یہ شخص اس اوپر بیٹھنے والے کی طرف مزید تواضع وانکسار کے ساتھ متوجہ ہوجائے گا تاکہ گناہ موجودہ کا کفارہ ہوجائے اور اس کے مرض موجودہ کا علاج ہوجائے پس اس (مثال مفروض) سے ان دونوں شخصوں میں (کہ ایک زاہد ہے ایک غیر زاہد) فرق ظاہر ہوگیا پس جب عبرت حاصل کرنے والا عبرت حاصل کرے اور اپنی حالت کا جو کہ اس مقام میں ہوگی تفقد کرے تو وہ اپنے نفس کو عوام خلق اور طالبان مناصب دنیویہ کی طرح پائے گا۔ سو کونسا فرق ہے اس شخص میں اور دوسرے لوگوں میں جن کو علم نہیں (پس اسی فرق کے لئے ضروری ہے علم وعمل باطن) اور اگر ہم کثرت سے ایسے مسائل کی صورتیں قائم کریں جو زاہدین کی فضیلت کو اور غیر زاہدین کی کمی کو واضح کردیں تو (کلام تطویل کے سبب) موجب ملال ہوجائے گا (اس لئے ہم نے ایک ہی مثال پر اکتفا کیا) اور یہ صوفیہ کے ابتدائی علوم میں سے ہے۔ تو ان کے علوم نفیسہ واحوال شریفہ کی نسبت تو تیرا کیا خیال ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ درستی کی توفیق دینے والا ہے۔

باب چہارم

صوفیہ کے حالات کی شرح اور ان کے طرق کے تعدد میں

ہم کو خبر دی شیخ عالم ضیاء الدین ابو احمد عبد الوہاب بن علی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو الفتح عبد الملک بن ابو القاسم ہروی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو نصر عبد العزیز بن محمد تریاقی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو محمد عبد الجبار ابن محمد جراحی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو العباس محمد بن احمد محبوبی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے مسلمہ بن حاتم انصاری نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے محمد بن عبد اللہ انصاری نے اپنے باپ سے انہوں نے روایت کی علی بن زید سے انہوں نے سعید بن المسیب سے انہوں نے کہا کہ حضرت انس بن مالک نے فرمایا کہ مجھ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے بیٹا اگر تجھ کو اس پر قدرت ہو کہ تجھ پر ایسی حالت میں صبح و شام گزرے کہ تیرے دل میں کسی کی طرف سے کدورت نہ ہو تو یہی کر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اے بیٹا اور یہ میرے طریقہ کی بات ہے اور جو شخص میرے طریقہ کو زندہ کرے گا اس نے (گویا) مجھ کو زندہ کیا اور جس نے مجھ کو زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا۔

پس صوفیہ ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس طریقہ کو (کہ کدورت نہ رکھنا ہے) زندہ کیا ہے اور کینہ و کدورت سے سینہ کا صاف ہونا یہ ان (صوفیہ) کی وضع کا رکن (اعظم) ہے اور اس سے ان کا جوہر پاکیزہ ہوا ہے اور ان کی فضیلت ظاہر ہوئی ہے اور

یہ حضرات جو اس طریقہ کے زندہ کرنے پر قادر ہو گئے ہیں اور اس طریقہ کے حق واجب کا اہتمام کر سکے ہیں یہ صرف ان کے زہد فی الدنیا اور اہل دنیا و طالبان دنیا کے لئے اس دنیا کے ترک کر دینے کے سبب سے ہے کیونکہ منشا کینہ اور کدورت کا دنیا کی محبت اور رفعت اور جاہ عند الناس کی محبت ہے اور صوفیہ ان سب امور سے بے رغبت ہیں جیسا بعض نے کہا ہے کہ ہمارا یہ طریق صرف ان لوگوں کے لائق ہے جنہوں نے اپنی ارواح سے مزبلوں کو صاف کر دیا ہے۔

سو جب ان کے قلوب سے دنیا و جاہ کی محبت ساقط ہو گئی تو ان پر صبح و شام ایسی ہی حالت پر گزری کہ ان کے دلوں میں کسی کی طرف سے غبار نہیں پس قائل کا یہ قول کہ انہوں نے اپنی ارواح سے مزبلوں کو صاف کر دیا ہے یہ اس قائل کی طرف سے غایت تواضع کی طرف اشارہ ہے اور اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اپنے نفس کو کسی مسلمان کے مقابلہ میں بھی ممتاز نہیں دیکھتا بوجہ اس کے کہ وہ خود ہی اپنے نزدیک حقیر ہے اور اس وقت کدورت و کینہ کا دروازہ (بالکل) مسدود ہو جاتا ہے۔

اور (ایک بار) یہ مضمون چل رہا تھا تو ہمارے ہمراہیوں میں سے بعض فقراء نے یہ کہا کہ میرے قلب میں یہ بات واقع ہوئی ہے کہ اس مقولہ کے کہ انہوں نے اپنی ارواح سے مزبلوں کو صاف کر دیا ہے یہ معنی ہیں کہ مزبلون سے اشارہ ہے نفوس کی طرف کیونکہ وہ (نفس) مثل مزبلوں کے ہر پلید و ناپاک چیز کا قرار گاہ ہے اور ان کا صاف ہونا نور روح سے ہے جو کہ ان (نفوس) تک پہنچتا ہے کیونکہ صوفیہ کی روحیں مقامات قرب میں ہیں (اور اس لئے منور ہیں) اور ان کا نور (بوجہ مجاورت کے) نفوس تک پہنچتا ہے اور نفس تک روح کے نور پہنچنے سے نفس پاک ہوتا ہے اور اس سے امر مذموم یعنی کینہ اور غبار اور حقد و حسد دور ہوتا ہے پس گویا وہ نفوس نور روح سے صاف کر دیئے جاتے ہیں اور یہ مضمون (فی نفسہ) صحیح ہے۔

اگرچہ قائل نے اپنے اس قول سے یہ مراد نہیں لی (بلکہ مزابل سے مراد خود

اوصاف ذمیمہ ہیں) اللہ تعالیٰ نے اہل جنت کے وصف میں فرمایا ہے اوران کے دلوں میں جو کچھ کدورت تھی وہ ہم نے نکال دی سب بھائی بھائی ہوکر تختوں کے اوپر آمنے سامنے بیٹھے ہوں گے ابوحفص فرماتے ہیں ایسے قلوب میں کدورت کیسے رہ سکتی ہے جو اللہ کے تعلق سے باہم مؤتلف ہوگئے اوراس کی محبت پر متفق ہوگئے اوراس کی مودت پر مجتمع ہوگئے اوراس کے ذکر پر مانوس ہوگئے بیشک یہ وہ قلوب ہیں جو وساوس نفوس سے اور ظلمات طبائع سے صاف ہیں بلکہ وہ نورتوفیق سے سرمہ لگائے ہوئے ہیں پس باہم بھائی ہوگئے ہیں۔ سو (عام) خلائق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقہ کے قولاً وفعلاً وحالاً زندہ رکھنے کے اہتمام سے جوامر مانع ہے وہ ان کے نفوس کی صفات (ذمیمہ) ہیں پس جب نفوس کے اوصاف بدل گئے تو حجاب مرتفع ہوگیا اور متابعت صحیح ہوگئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہر شئے میں موافقت واقع ہوگئی۔

اوراس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے (بھی بندہ کے ساتھ) محبت واجب ہوگئی (جیسا کہ) اللہ تعالیٰ نے (اس کا وعدہ) فرمایا ہے۔ آپ کہہ دیجئے کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو تو میرا اتباع کرو اللہ تعالیٰ تم سے محبت کرے گا (اس ارشاد میں) اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کو پروردگار کے ساتھ بندہ کی محبت کرنے کی علامت ٹھہرائی ہے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن متابعت پر بندہ کی جزاء اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت کرنے کو قرار دیا ہے۔

پس لوگوں میں جس کا حصہ متابعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں زیادہ ہوگا اسی کا حصہ اللہ تعالیٰ کی محبت فرمانے میں زیادہ ہوگا اور تمام طوائف اسلام میں صوفیہ حسن متابعت پر (سب سے زیادہ) فائز ہوئے ہیں کیونکہ انہوں نے آپ کے اقوال کا بھی اتباع کیا کہ ان کو جس امر کا حکم فرمایا تھا اس کا اہتمام کیا اور جس امر سے منع فرمایا تھا اس سے باز رہے (جس کو) اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور رسول جو (حکم وغیرہ) دیں تم اس کو لو اور جس چیز سے تم کو روکیں رک جاؤ پھر انہوں نے آپ کا اپنے ان اعمال میں بھی

اتباع کیا یعنی کوشش اور محنت کرنا عبادت میں اور تہجد پڑھنا اور نفل روزے اور نمازیں وغیر ذالک اور اس متابعت فی الاقوال والافعال کی برکت سے ان کو آپ کے اخلاق کے ساتھ تخلق نصیب ہوا یعنی حیا اور حلم اور درگزر اور عفو اور رحم اور شفقت اور مدارات اور خیر خواہی اور تواضع اور (اسی طرح) اُن کو آپ کے ان احوال سے حصہ ملا یعنی خشیت اور وقار اور ہیبت اور تعظیم اور رضا اور صبر اور زہد اور توکل پس یہ حضرات جمیع اقسام متابعت کے جامع ہوئے اور انتہائی درجہ پر انہوں نے آپ کی سنت کا احیاء کیا عبدالواحد بن زید سے پوچھا گیا آپ کی رائے میں صوفیہ کون لوگ ہیں انہوں نے فرمایا جو لوگ اپنی عقلوں سے فہم سنت پر قائم ہیں اور اپنے قلوب سے اس سنت پر ثابت ہیں اور اپنے شر نفوس سے اپنے مالک کی پناہ لینے والے ہیں۔

پس یہ لوگ صوفی ہیں اور یہ پورا وصف ہے جس کے ساتھ اُنہوں نے صوفیہ کو موصوف کیا پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مولیٰ کی طرف دائم الاحتیاج تھے یہاں تک کہ آپ (دعا میں) یہ فرمایا کرتے تھے کہ (یا الٰہی) مجھ کو ایک طرفۃ العین کے لئے بھی میرے نفس کے حوالہ نہ کیجئے (اور) میری ایسی حفاظت کیجئے جس طرح بچہ کی حفاظت کی جاتی ہے (اس دعا سے آپ کا دوام افتقار الی اللہ ظاہر ہے غرض یہ آپ کا ایک وصف تھا) اور صوفی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی متابعت کا جس قدر حصہ ملا ہے اس میں اعلیٰ درجہ کا یہ وصف ہے یعنی دوام افتقار و دوام التجا اور صدق افتقار کا جو یہ وصف ہے اس کے ساتھ بجز ایسے شخص کے کوئی متصف نہیں ہوسکتا جس کے باطن پر صفاء معرفت منکشف ہو گئے ہوں اور جس کا سینہ نور یقین کے ساتھ روشن ہو گیا ہو اور اس کا قلب بساط قرب تک پہنچ گیا ہو اور جس کا سر (یعنی باطن) لذت مکالمت (الہامیہ) کے ساتھ خلوت یاب ہو چکا ہو۔

پس اس کا نفس ان سب اشیاء (مذکورہ یعنی باطن وصدر و قلب و سر) کے درمیان اسیر و محکوم رہ گیا ہو اور باوجود ان تمام حالات کے وہ اس نفس کو ہر شر کا معدن سمجھتا ہو اور

نفس بمنزلہ آگ کے ہے کہ اگر اس کا ایک شرارہ بھی باقی رہے تو ایک عالم کو سوختہ کردے اور اس نفس میں (اُس کی خاصیت طبعیہ کے اعتبار سے) بہت جلدی بے قیدی اور انقلاب آجاتا ہے سو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال لطف سے صوفی کو اس نفس کی معرفت دیدی ہے اور اُس صوفی پر اُس نفس کو اُس کے اُن بعض اوصاف کے اعتبار سے منکشف فرمادیا ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر منکشف فرمایا تھا پس وہ (صوفی) اُس (نفس) کے شر سے ہمیشہ اپنے مولیٰ کی طرف استغاثہ کرتا ہے اور (یہ نفس باوجود فی ذاتہ مضر ہونے کے اس صوفی کے حق میں بلطف حق اس طرح سے نافع ہوگیا کہ وہ اس کے شر سے آگاہ ہوا اور یہ آگاہی سبب التجا الی الحق ہوئی تو اس اعتبار سے) گویا وہ (نفس) بندہ کے لئے ایک (ایسا) تازیانہ (وآلہ) بنادیا گیا جو اس (بندہ) کو اس وجہ سے کہ وہ اس کے شر سے واقف ہے لحظہ بلحظہ التجاء (الی اللہ) وصدق افتقار ودعا کے بارگاہ کی طرف ہانک کرلاتا ہے۔

سو صوفی مطالعہ نفس سے ادنیٰ ساعت بھی خالی نہیں رہتا جیسا کہ وہ اپنے رب سے ایک ساعت خالی نہیں رہتا اور معرفت نفس کا تعلق معرفت حق تعالیٰ سے اس واردشدہ قول میں من عرف نفسه فقد عرف ربه ایسا ہے جیسا معرفت شب کا تعلق معرفت روز سے اور بجز اس صوفی کے جو کہ عالم باللہ ہو زاہد فی الدنیا ہو اور تقویٰ کے مضبوط حلقہ کو تھامنے والا ہو اور کون شخص ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سنن میں سے اس سنت (مذکورہ افتقار والتجاء الی اللہ) کے احیاء کا اہتمام کرے اور بجز صوفی (موصوف بصفات مذکورہ) کے اور کون شخص ہے جس کی اس حالت (مذکورہ) کے فوائد کی طرف رسائی ہو پس اس کا اپنے رب کی طرف دوام افتقار یہ جناب حق کے ساتھ تمسک کرنا ہے اور اس کی پناہ لینا اور اس پناہ لینے میں روح کا استغراق ہے اور (اُس روح کا) قلب کو محل دعاء کی طرف اپنے ہمراہ لے جانا ہے اور بلسان حال دعا کرنے کے محل کی طرف قلب کے منجذب ہونے میں اور (قلب کے) اس محل میں

ہونے میں (جو تبعاً للروح متحقق ہوا ہے جیسا مذکور ہوا) نفس کا اپنے قرار گاہ سے جو کہ حظوظ عاجلہ میں ہے اور ان (حظوظ عاجلہ) کی طرف اس (نفس) کے متوجہ ہونے سے اوچٹ کر (اور اُکھڑ کر) مدارج علم (یعنی حقیقت شناسی) میں اس حالت سے آ جاتا ہے کہ وہ (نفس) اللہ تعالیٰ کی حراست اور نگہبانی میں گھرا ہوا ہے۔

اور (ظاہر ہے کہ) جو نفس ایسی تدبیر یعنی اللہ تعالیٰ کی حسن تدبیر کے ساتھ مدبر کیا ہوا (اور تربیت یافتہ) ہو وہ غبار اور کدورت اور کینہ وحسد اور بقیہ اخلاق مذمومہ سے (ضرور) مامون ہوگا پس صوفی کی یہ حالت ہے (جو مفصل مذکور ہوئی) اور صوفیہ کی مجموعی حالت کو دو چیزیں جامع ہیں کہ وہ دونوں صوفیہ کا (خاص) وصف ہیں اور ان ہی دونوں کی طرف اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کھینچ لیتا ہے اپنی طرف جس کو چاہتا ہے اور راہبری کرتا ہے اپنی طرف اس شخص کو جو (اس کی طرف) رجوع کرے پس صوفیہ میں سے ایک قوم اجتباء محض کے ساتھ مخصوص کی گئی اور ان میں سے ایک قوم ہدایت کے ساتھ بشرط مقدمہ انابت مخصوص کی گئی سو اجتباء محض تو کسب عبد سے معلل نہیں (یعنی کسب عبد اس کی علت نہیں) اور یہ (اجتباء) محبوب مراد کی حالت ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ اپنے عطیات ومواہبت سے بدون اس کے کسی سابقہ کسب کے خود اس کے ساتھ ابتداء فرماتے ہیں۔

اس کے مکاشفات (یعنی علوم وواردات) اس کے مجاہدہ پر مقدم ہوتے ہیں اور اس میں صوفیہ کی ایک ایسی جماعت کو (ذکر میں) لینا ہے جس کے قلوب سے (اول) حجابات مرتفع ہو گئے ہیں اور جن کو بلندی نور یقین نے دفعتہً آ لیا ہے پس احوال نازلہ نے ان میں رغبت مجاہدہ واعمال کو برانگیختہ کر دیا (یعنی ان کو اوّل حال عطا ہوا پھر اس حال کے اثر سے اعمال کا تقاضا ہوا) سو وہ لوگ اعمال پر لذت اور عیش کے ساتھ متوجہ ہوئے (اس لذت کا سبب حال ہے) ان اعمال سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں سو کشف (مذکور) نے مجاہدہ کو ان پر آسان کر دیا جیسا کہ ساحرین فرعون پر صفائے

عرفان نے جوان پر نازل ہوا تھا وعید فرعون کو آسان کر دیا۔

جس کے بعد انہوں نے (صاف) کہہ دیا کہ ہم تجھ کو ان روشن دلائل کے مقابلہ میں جو کہ ہم کو پہنچی ہیں کبھی ترجیح نہ دیں گے حضرت جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ انہوں نے عنایت قدیمہ (ازلیہ) کی ہواؤں کو اپنے اوپر پایا اس لئے شکر میں وہ سجدہ کی طرف بالاضطرار متوجہ ہو گئے اور کہنے لگے کہ ہم رب العالمین پر ایمان لے آئے (یعنی عنایت پہلے ہوئی سجدہ وعمل بعد میں ہوا) یہی حاصل ہے اجتباء کا ہم کو خبر دی ابوزرعہ طاہر بن الوالفضل نے بطور اجازت کے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو احمد بن علی بن خلف نے بطور اجازت کے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوعبدالرحمٰن سلمی نے انہوں نے کہا کہ سنا میں نے منصور سے وہ کہتے تھے سنا میں نے ابوموسیٰ زقاق سے وہ کہتے تھے سنا میں نے ابوسعید خراز سے وہ کہتے تھے خالص خصوصیت والے وہی ہیں جو مراد ہیں ان کو ان کے مولیٰ نے کھینچ لیا ان کے لئے نعمت کو کامل فرمایا اور ان کے لئے کرامت کو مہیا فرمایا پس ان سے حرکات (بحیثیت) طلب کو ساقط فرما دیا۔

سو ان کی حرکات جو عمل اور خدمت میں ہیں وہ الفت اور ذکر اور تلذذ بالمناجات اور انفراد (واختصاص) بالقرب کے طور پر ہیں اور اسی اسناد (مذکور) سے جو ابوعبدالرحمٰن سلمی تک پہنچی ہے روایت ہے انہوں نے کہا کہ میں نے علی بن سعید سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے احمد بن حسن حمصی سے سنا ہے وہ کہتے تھے کہ میں نے فاطمہ معروف بجوہریہ مریدہ ابوسعید سے سنا ہے وہ کہتی تھیں کہ میں نے خراز سے سنا ہے کہ کہتے تھے کہ جو شخص مراد ہوتا ہے وہ اپنے حال میں محمول ہوتا ہے (یعنی اس کا بار خود اسی پر نہیں ہوتا بلکہ) وہ اپنے حرکات اور سعی فی الخدمت میں (منجانب اللہ) اعانت کیا ہوا ہوتا ہے (اور اس کی طرف سے) وہ کفایت کیا ہوا ہوتا ہے (یعنی اللہ تعالیٰ اس کی کفایت فرماتا ہے اور) وہ دلائل (فی الاصل مصئون عن الشواھد والنواظر اھ وفی القاموس نواظر آکام بارض باھلة آه فترجمة

بالامارات لان الاکام من الامارات واما تفسیر الشواھد فوجھہ الظاھر ۱۲منہ) وامارت سے محفوظ ہوتا ہے(کیونکہ ان چیزوں کی ضرورت انجذاب کے بعد نہیں ہوتی) اور یہ جو شیخ ابوسعید نے فرمایا ہے۔

یہی بات ہے جس کی حقیقت ایک جماعت صوفیہ پر مشتبہ ہوگئی اور (اس اشتباہ کے سبب) وہ لوگ (کامل کیلئے) تکثیر نوافل کے قائل نہیں رہے اور (پھر اس کے ساتھ) انہوں نے مشائخ کی ایک جماعت کو دیکھا جن کی نوافل قلیل تھیں پس انہوں نے یہ خیال کرلیا کہ یہ ایک حال ہے جو علی الاطلاق (یعنی ہر کامل کے لئے) مستمر رہتا ہے اور ان کو اس کا علم نہیں ہوا کہ جن حضرات نے نوافل کو ترک کیا ہے اور صرف فرائض (مع توابعہ من الموکدات) پر اکتفا کیا ہے ان کی ابتدائی حالتیں مریدین کی ابتدائی حالتیں تھیں (یعنی وہ جماعت مریدین کی ہے) پس جب وہ نشاط حال (فی الاصل روح الحال بفتح الراء۱۲منہ) کی طرف پہنچ گئے اور بعد مجاہدہ کے ان کو مکاشفات حاصل ہوئے تو وہ لوگ احوال سے پر ہوگئے۔

سوانہوں نے نوافل اعمال کو مطروح (ومتروک) کردیا (تو بعد تکمیل کے ترک نوافل مریدین کا حال ہوا) رہے مرادین تو ان پر اعمال ونوافل سب باقی رہتے ہیں اور اس میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہوتی ہے (جیسا اوپر مذکور ہوا) اور یہ اول سے اتم واکمل ہے پس یہ جس کو ہم نے واضح کیا (یعنی اجتباء) صوفیہ کے دو طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے اب رہ گیا دوسرا طریقہ وہ طریق مریدین کا ہے اور وہ وہی لوگ ہیں جن کے لئے اہل فن نے انابت کو شرط کیا ہے۔

چنانچہ فرمایا حق تعالیٰ نے اور رہبری کرتا ہے اپنی طرف اس شخص کو جو کہ رجوع کرتا ہے پس ان لوگوں سے کشف کے قبل مجاہدہ کا مطالبہ کیا گیا (چنانچہ) فرمایا حق تعالیٰ نے اور جن لوگوں نے ہمارے لئے مجاہدہ کیا ہم ان کو اپنے راستوں کی ضرور ہدایت کریں گے ان لوگوں کو حق تعالیٰ بواسطہ انواع ریاضات ومجاہدات اور تاریک

شبوں میں جاگنے اور دوپہریوں کی پیاسوں کے مدارج کسب میں بتدریج لے جاتا ہے ان میں آتش طلب مشتعل ہوتی ہے اور مقصود کی روشنیاں (قبل وصول) ان سے محجوب ہو جاتی ہیں وہ ارادہ کی جلتی زمین میں اُلٹ پلٹ پھرتے ہیں اور ہر قسم کے مالوف اور معتاد چیزوں سے کنارہ کش ہوتے ہیں اور یہی ہے وہ انابت جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے شرط فرمایا ہے اور ہدایت کو اس کے ساتھ مقرون کیا ہے (اس قول میں **یھدی الیہ من ینیب**) اور یہ ہدایت جس کا بھی ذکر ہوا ہے۔

یہ ہدایت کا خاصہ ہے کیونکہ یہ ہدایت الی اللہ ہے جو اس ہدایت عامہ کے مغائر ہے جو کہ بمقتضائے معرفت اولیٰ (یعنی تبلیغ عام) کی ہدایت ہے اللہ تعالیٰ کے امر و نہی کی طرف اور یہ (جو مذکور ہوا) حال ہے سالک محبّ مرید کا پس انابت مغائر ہوئی ہدایت عامہ کی پھر یہ مثمر ہوئی ہدایت خاصہ کی اور ان کو جو بعد ہدایت للہ (یعنی قبول امر و نہی) کے ہدایت الی اللہ (یعنی خدا تک رسائی) ہوئی تو مجاہدات سے ہوئی پھر وہ تنگنائے دشواری سے نکل کر فضا آسانی تک پہنچے اور شورش مجاہدہ سے نکل کر نشاط احوال کی طرف آئے پس ان کا مجاہدہ ان کے کشف پر سابق ہے اور جو لوگ مراد ہیں ان کا کشف ان کے مجاہدہ پر سابق ہے۔ ہم کو خبر دی شیخ ثقہ ابوالفتح محمد بن عبدالباقی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوالفضل احمد بن احمد نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو حافظ ابونعیم اصفہانی نے انہوں نے کہا بیان کیا ہم سے محمد بن حسین بن موسیٰ نے انہوں نے کہا سنا میں نے محمد بن عبداللہ رازی سے وہ کہتے تھے کہ سنا میں نے ابو محمد جریری سے وہ کہتے تھے کہ سنا میں نے حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے فرماتے تھے کہ ہم نے تصوف کو قیل وقال (یعنی درس واکتساب) سے نہیں لیا۔

لیکن بھوک اور ترک دنیا اور مالوفات ومستحسنات کے قطع کرنے سے لیا ہے اور محمد بن حنیف (فی الاصل فقال والظن انہ وقال ۱۲ منہ) نے کہا ہے کہ ارادہ طلب مراد کے لئے قلب کا ابھرنا (فی الاصل سمو ۱۲ منہ) ہے اور ارادہ کی

حقیقت کوشش کا دائم رکھنا اور راحت کا ترک کرنا ہے اور ابو عثمان نے کہا ہے کہ مرید وہ ہے جس کا قلب تمام اشیاء غیر اللہ سے مر گیا ہو۔

پس وہ صرف اللہ تعالیٰ کا ارادہ کرتا ہے اور اس کے قرب کا ارادہ کرتا ہے اور اس کی طرف مشتاق ہوتا ہے یہاں تک کہ اس کے شدت شوق الی الرب سے اس کے قلب سے دنیا کی خواہشیں جاتی رہتی ہیں اور نیز ابو عثمان نے فرمایا ہے کہ قلب مرید کی یہ عقوبت ہے کہ وہ معاملات اور مقامات (محمودہ) سے ان کے اضداد (مذمومہ) کی طرف محجوب ہو جائیں پس یہ دو طریقے ہیں (یعنی اجتباء و ہدایت) جو احوال صوفیہ کے جامع ہیں اور ان دو کے علاوہ دو اور طریقے ہیں کہ وہ دونوں تحقق بالتصوف (یعنی اتصاف بالتصوف) کے طریقوں میں سے نہیں ہیں۔

ان میں سے ایک تو مجذوب ہے، جو اپنے جذبہ پر باقی رکھا گیا بعد کشف کے مجاہدہ کی طرف واپس نہیں کیا گیا (جیسا طریق اجتباء میں بعد کشف کے مجاہدہ کرایا گیا تھا) اور دوسرا مجاہدہ کرنے والا عبادت کرنے والا ہے جو بعد مجاہدہ کے کشف تک نہیں پہنچا (جیسا طریق ہدایت میں بعد مجاہدہ کے کشف تک پہنچایا گیا تھا اور یہ دونوں طرق تصوف سے اس لئے نہیں کہ تصوف کے لئے کشف و مجاہدہ دونوں کا تحقق ضروری ہے خواہ ترتیب میں ایک مقدم ہو یا دوسرا اور ان دو طریقوں میں دونوں متحقق نہیں ایک میں صرف مجاہدہ ہے ایک میں صرف کشف اور اصطلاح میں اس کو تصوف نہیں کہتے (فی الاصل وللصوفیة فی طریقها باب مزیدهم وصحة طریقهم بحسن المتابعة ۱۲ منہ) اور (اس لئے صوفیہ ان کے احکام سے قصداً بحث بھی نہیں کرتے تبعاً دوسری بات ہے البتہ) ان دونوں قسم کے شخصوں کے طریق کے متعلق صوفیہ کا ایک مضمون (عام) ہے (جو ان دونوں قسموں کے ساتھ خاص نہیں ایک مسئلہ کلیہ ہے جو اپنے عموم سے ان کو بھی شامل ہو گیا وہ یہ کہ) صوفیہ کی ترقی اور ان کے طریق کی صحت (صرف) حسن متابعت (احکام) کے ساتھ (وابستہ) ہے اور جو شخص یہ گمان

کرے کہ بدون طریق متابعت کے کسی مقصود کو پہنچ سکتا ہے یا کسی مراد کو پا سکتا ہے۔

وہ شخص مخذول دھوکہ کھایا ہوا ہے (وہ مضمون عام یہ ہے اس میں اخیر کے طریق والوں کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ متابعت کی صورت میں تو ان کا حال معتبر ہے ورنہ نہیں آگے اس مضمون کی تائید ہے بزرگوں کے اقوال و افعال سے پس فرماتے ہیں کہ) خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ابو النجیب سہروردی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو عصام الدین عمر بن احمد صغار نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو بکر احمد بن علی بن خلف نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو عبد الرحمٰن نے انہوں نے کہا سنا میں نے نصر بن ابی نصر سے وہ کہتے تھے کہ سنا میں نے قسیم سے جو غلام ہیں زقاق کے وہ کہتے تھے سنا میں نے ابو سعید سکری سے وہ کہتے تھے سنا میں نے ابو سعید خراز سے وہ کہتے تھے کہ جو باطن ایسا ہو کہ ظاہر اس کا مخالف ہو وہ باطل ہے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ ہمارا یہ علم (تصوف) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث کے ساتھ گندھا ہوا ہے اور بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے نفس پر سنت کو قولاً وفعلاً حاکم بنالے گا وہ حکمت کے ساتھ نطق کرنے لگے گا اور جو شخص اپنے نفس پر ہوائے نفسانی کو قولاً وفعلاً حاکم بنالے گا وہ بدعت کے ساتھ نطق کرنے لگے گا۔ حکایت بیان کی گئی ہے کہ بایزیدؒ بسطامی نے ایک روز اپنے کسی پاس رہنے والے سے کہا کہ ہمارے ساتھ چلو تاکہ ہم اس شخص کی حالت پر نظر کریں جس نے اپنے کو ولایت کے ساتھ مشہور کر رکھا ہے اور وہ شخص اپنی نواح میں مرجع خلق اور زہد و عبادت میں مشہور تھا پس ہم اس کی طرف گئے سو وہ جب اپنے گھر سے مسجد کے قصد سے نکلا تو اس نے قبلہ کی طرف تھوک دیا بایزیدؒ نے فرمایا کہ واپس چلو پھر واپس آگئے اور اس شخص کو سلام بھی نہیں کیا اور یہ کہا کہ یہ شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب میں سے ایک ادب پر قابل اعتماد نہیں سو اولیاء و صدیقین کے جن مقامات کا وہ دعویٰ کرتا ہے ان پر کیسے قابل اعتماد ہو گا اور حضرت شبلی رحمۃ اللہ علیہ کے خادم سے سوال کیا گیا کہ تم نے ان

کی وفات کے وقت ان کی کیا بات دیکھی اس نے کہا کہ جب ان کی زبان بند ہوگئی اوران کی پیشانی پر پسینہ آ گیا تو میری طرف اشارہ کیا کہ مجھ کو نماز کے لئے وضو کرادو میں نے ان کو وضو کرایا اور ڈاڑھی میں خلال کرنا بھول گیا پس میرا ہاتھ پکڑلیا اور میری انگلیوں کو اپنی ڈاڑھی میں خلال کرنے کے لئے داخل کیا اور سہل بن عبداللہ نے فرمایا کہ جس وجدان کے لئے کتاب وسنت شہادت نہ دے وہ باطل ہے یہ حال ہے صوفیہ کا اور یہ طریق ہے ان کا اور جو کوئی شخص بھی اس طریق کے خلاف کسی حال کا دعویٰ کرے وہ مدعی گمراہ کذاب (فی الاصل مفتون ۱۲منہ) ہے۔

(چوتھاباب ختم ہوا)

تنبیہ

احقر یہاں تک عوارف المعارف کا ترجمہ کر چکا تھا کہ معلوم ہوا کہ اس کا ترجمہ اس کے قبل بھی ہو چکا ہے منگا کر دیکھا گیا معلوم ہوا کہ بجز مقامات دقیقہ کے ترجمہ تو اکثر صحیح ہے لیکن صرف ترجمہ ہے جس میں بعض مقامات محتاج توضیح ہیں نیز بعض جگہ کچھ الفاظ بھی قابل تصحیح وتغیر وتبدیل ہیں اس لئے مناسب معلوم ہوا کہ یہاں سے ترجمہ جدید کا سلسلہ بند کر کے ترجمہ قدیمہ کو بعد تبدیل بعض الفاظ اصل قرار دے کر مقامات محتاج الی التوضیح پر حاشیہ کے طور پر کچھ لکھ دیا جائے اور حاشیہ کا نام معارف المعارف (بمعنی مآخذ العلوم) رکھ دیا جائے اور ترجمہ جدید کا نام جس طرح معارف العوارف رکھا گیا تھا اب مجموعہ جدیدہ وقدیمہ کا نام بھی وہی رہے کیونکہ قدیمہ کا نام اس کے مترجم نے کچھ نہ رکھا تھا اور اب اس میں تبدیل کا تصرف ہونے سے من وجہ وہ بھی بحکم ترجمہ جدیدہ ہو گیا اس لئے وہی نام کافی سمجھا گیا اور مجموعہ ترجمہ وحاشیہ کا لقب معارف العوارف مع معارف المعارف حاصل ہوا (جو لوح پر لکھنے کے قابل ہے اب ترجمہ کو متن میں اور توضیح کو حاشیہ میں درج کیا جائے گا۔

کتبہ: اشرف علی آخر جمادی الاخری ۱۳۳۵ھ

پانچواں باب

تصوف کی ماہیت میں ہے
بسند عبدالرحمٰن

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ہر ایک شئے کی ایک کنجی ہے اور بہشت کی کنجی مساکین اور فقراء صابر کی محبت ہے کہ وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے ہمنشین ہیں پس تصوف کی ماہیت میں فقر موجود ہے اور وہ اس کی بنیاد اور اسکا قوام ہے حضرت رویم علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ تصوف تین خصلت پر مبنی ہے تمسک بفقر محتاجی دوم صاحب بذل وایثار ہونا سوم تعرض (یعنی مستقل طور پر دخل دینا اور اپنی رائے سے کسی امر کو تجویز کرنا ۱۲) اور اختیار کا چھوڑنا اور جنید نے جبکہ ان سے تصوف سے پوچھا گیا کہا کہ تصوف یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ رہے بدون اس کے کہ کوئی علاقہ (مراد یہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی غرض کا تعلق نہ ہو محض محبت وعظمت کے سبب تعلق ہو ۱۲) ہو اور معروف کرخی علیہ الرحمۃ نے کہا تصوف حقائق (یعنی حقیقت پر نظر رکھنا جس سے یہ امر منکشف ہو جائے کہ قابل التجا صرف حق تعالیٰ ہے اور اس کے لئے لازم ہے خلق سے مایوس ہو جانا۔ ۱۲) کا حصول اور خلائق کے مال ومتاع سے مایوس ہونا ہے جو شخص صاحب فقر نہیں صاحب تصوف نہیں ہے اور شبلی رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ حقیقت فقر کیا ہے تو کہا کہ حق کے سوا کسی دوسری چیز کے ذریعہ سے غنا حاصل نہ کرے اور ابوالحسین ثوری نے کہا فقر کی صفت ہے کہ سکون ہونا سامان نہ ہونے کے وقت اور بذل وایثار سامان ہونے کے وقت۔

اور بعض نے کہا ہے سچا فقیر غنی سے احتراز کرتا ہے اس خوف سے کہ غنا اس کے پاس آ جائے اور اس کے فقر کو بگاڑ دے جس طرح غنی دولت مند فقیر سے پرہیز کرتا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ اس کے پاس فقر آ جائے اور اس کے غنا کو فاسد کر دے اور باسناد سابق عبدالرحمٰن سے روایت ہے کہ میں نے سنا ابو عبداللہ رازی سے کہ کہا میں نے مظفر قرمیسنی سے سنا ہے کہ وہ کہتے تھے فقیر وہ ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف حاجت (مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس پر اس قدر تفویض غالب ہو کہ کوئی حاجت کہ جن کا مانگنا فرض نہیں خدا تعالیٰ کے روبرو پیش نہیں کرتا پس مقاصد آخرت اس سے مستثنیٰ ہیں اور واقعی احتیاج سب امور میں ہے آگے جو متن میں اس کی تعبیر ہے وہ بھی اسی تفصیل کی محتاج ہے ۱۲) نہ ہو اور میں نے ان سے یہ بھی سنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے ابوبکر مصری سے پوچھا فقیر کیسا ہوتا ہے کہا فقیر وہ ہے کہ نہ وہ کسی کا مالک ہو اور نہ اس کا کوئی مالک ہو (قولہ) جسے اللہ تعالیٰ کی طرف حاجت نہ ہو۔

اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ اپنی عبودیت کے وظیفوں میں مشغول ہے اپنے رب کے اوپر اسے پورا اعتماد ہے اپنے لئے حسن محافظت حراست کا عالم ہے اسے ضرورت اپنی غرض حاجت کی اس واسطے نہیں ہے کہ وہ جانتا ہے کہ اللہ میرے حال کا علیم ہے تو سوال کو درمیان میں امر زائد سمجھتا ہے اور (ماہیت تصوف کے باب میں) مشائخ کے جو اقوال ہیں ان کے معنی اور مراد انواع مختلفہ ہیں اس واسطے کہ انہوں نے ان میں ایسے احوال کی طرف اشارہ کیا ہے جو ایک اوقات میں ہوتے ہیں دوسرے اوقات میں نہیں ہوتے اور ہمیں اس کے بعض کو بعض سے جدا کرنے میں خاص ضوابط کی حاجت ہوتی ہے اس لئے کہ ہر آئینہ انہوں نے تصوف کے معنیٰ میں بعض ایسی اشیاء کا ذکر کیا ہے کہ ویسی ہی اشیاء کا فقر کے معنی میں بیان کیا گیا ہے اور بہت چیزیں فقر کے معنی میں ایسے ذکر کر دی جاتی ہیں کہ ان کی مثل تصوف کے معنی میں بیان کی جاتی ہیں اور جہاں شبہ واقع ہو تو بیان امر فاضل لابد ہے اس واسطے کہ

اشارات متعلقہ فقر کے زہد کے معنی سے مشتبہ ہو جاتے ہیں اور کبھی تصوف کے معنی سے اور طالب رشد کو ایک دوسرے سے متمیز نہیں ہوتا پس تو ہم کہتے ہیں کہ تصوف غیر فقر ہے اور زہد غیر فقر ہے اور تصوف غیر زہد ہے پس تصوف ایک ایسا اسم ہے جس میں فقر اور زہد کے معانی بھی حاصل ہیں اور کچھ اوصاف اور اضافات اس میں اور زائد ہیں جن کے بغیر آدمی صوفی نہیں ہوتا خواہ وہ زاہد اور فقیر ہو جائے۔

(چنانچہ) ابو حفص نے کہا کہ تصوف بالکل آداب میں ہر ایک وقت کا ایک ادب ہے اور ہر ایک حال کا ایک ادب ہے اور ہر ایک مقام کا ایک ادب ہے اور جس نے اوقات کے آداب کی پابندی کی وہ مردوں کے مرتبہ کو پہنچا اور جس نے آداب کو ضائع کیا وہ بعید ہے اس مقام سے کہ ظن قرب کا رکھتا ہے اور مردود ہے اس محل سے کہ امید قبول کی رکھتا ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ حسن ادب ظاہر حسن ادب باطن کا عنوان ہے اس واسطے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مصلی کے حق میں) فرمایا کہ اگر اس کا دل خاشع اور متواضع ہوتا تو اس کے اعضاء جوارح بھی خاشع ہوتے ابو محمد جریری سے تصوف کے متعلق سوال کیا گیا تو فرمایا کہ ہر ایک اعلیٰ خلق میں درآنا اور ہر ایک ادنیٰ خلق سے نکلنا ہے پس جس وقت تصوف میں یہ معنی حصول اور تبدیل اخلاق کے معلوم ہوئے اور اس کی حقیقت اس میں ملحوظ ہوئی تو معلوم ہوا کہ تصوف زہد اور فقر دونوں سے بڑھ کر ہے اور بعض کا قول ہے کہ فقر کی انتہا باوجود اس کے شرف کے ابتداء تصوف کی ہے اور اہل شام تصوف اور فقر میں فرق اور تمیز نہیں کرتے وہ کہتے ہیں کہ آیت قرآنی **للفقراء الذین احصروا فی سبیل اللہ** یعنی صدقات اُن فقراء کے لئے ہیں جو اللہ کی راہ میں محصور ہوئے یہ وصف صوفیہ کا ہے اور حق تعالیٰ نے ان کو فقرا کے نام سے ذکر کیا ہے اور ہم ابھی اس بات کو واضح کئے دیتے ہیں جس سے تصوف اور فقر کے درمیان فرق ظاہر ہو سو ہم کہتے ہیں کہ فقیر اپنے فقر میں اس کو گرفت کئے ہوئے ہے اور اس کی فضیلت کے ساتھ متصف ہے غنا اور تونگری پر اسے ترجیح دیتا ہے

اس کا جو عوض اللہ تعالیٰ کے نزدیک محقق ہے وہ اس کا منتظر ہے۔

جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت کے فقیر جنت میں دولت مندوں سے آدھے دن پیشتر داخل ہوں گے اور یہ آدھا دن پانچ سو برس کا ہے پس جس وقت وہ عوض باقی کو دیکھتا ہے حاصلات فانی سے رک جاتا ہے اور فقر فاقہ سے معانقہ کرتا ہے اور اس فضیلت اور معاوضہ کے جاتے رہنے کے خوف سے وہ زوال فقر سے ڈرتا ہے اور یہ امر طریق صوفیہ میں عین علالت ہے اس واسطے کہ یہ معاوضوں کی طرف آنکھ لگاتا ہے اور اس عوض کے لئے دنیا کو چھوڑتا ہے اور صوفی موعودہ اجروں کے لئے ترک نہیں کرتا بلکہ موجودہ احوال کے سبب تمام چیزوں کو ترک کرتا ہے اس واسطے کہ وہ ابن وقت ہے اور نیز فقیر کا حظ موجود کو ترک کرنا اور غنیمت فقر کو لینا ایک قسم کا ارادہ اور اختیار ہے اور ارادہ اور اختیار صوفی کے حال میں ایک علت ہے اس لئے کہ صوفی جس شئے میں قائم ہے ارادۂ الٰہی سے ہوا ہے نہ کہ اپنے ارادہ سے پس وہ نہ صورت فقر میں فضیلت دیکھتا ہے اور نہ تونگری کی صورت میں بلکہ فضیلت اس شئے میں دیکھتا ہے جس میں اسے حق تعالیٰ ٹھہرا دیتا ہے اور اسے اس میں داخل کرتا ہے اور وہ اس شئے میں داخل ہونے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اذن پاتا ہے اور وہ کبھی آسودگی کی صورت میں بحکم الٰہی در آتا ہے جو فقر کے برخلاف ہے اور اس وقت آسودگی میں فضیلت دیکھتا ہے اس واسطے کہ حکم الٰہی اسی میں رہنے کا ہے اور صادقین کو اس وسعت میں داخل ہونے کی بدون اس کی گنجائش نہیں کہ وہ اذن الٰہی کا علم قوی اور محکم کرلیں اور اس معاملہ میں اندیشہ لغزش کا ہے اور یہ مدعیوں کے دعویٰ کا ایک باب ہے اور کوئی حال ایسا نہیں ہے جس کے ساتھ صاحب حال موصوف ہو۔

مگر یہ صاحب باطل بھی اس کی نقل کرتا ہے لیھلک من ھلک عن بینۃ ویحیی من حی عن بینۃ تاکہ جو ہلاک ہو وہ بینہ سے ہو اور جو سالم رہے وہ (بھی) بینہ سے سالم رہے پھر جب یہ واضح ہو چکا تو فقر اور تصوف کے درمیان فرق

ظاہر واضح ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ فقر تصوف کی اساس اور بنیاد ہے اور اسی سے اس کا قوام ہے اس معنی کر تصوف کے مراتب تک پہنچنے کا طریق فقر ہی ہے نہ کہ اس معنی کر کہ وجود تصوف سے وجود فقر لازم ہے جنید علیہ الرحمۃ نے کہا ہے کہ تصوف اس کا نام ہے کہ حق تجھے تجھ سے مارے (یعنی فنا کردے) اور اپنے ساتھ تجھے جلائے (یعنی بقا دے) اور یہ وہی بات ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے کہ صوفی قائم فی الاشیاء اللہ کے ساتھ ہوتا ہے نہ کہ نفس کے ساتھ اور زاہد دونوں اپنے نفس اشیاء میں موجود ہوتے ہیں اپنے ارادہ سے حالات میں وقوف کرتے ہیں اپنے اندازہ علم کے موافق مجاہدہ کرتے ہیں اور صوفی اپنے نفس سے بے اعتبار ہوتا ہے۔

اپنے علم کو قلیل سمجھتا ہے اپنی معلومات کی طرف مائل نہیں ہوتا اپنے رب کی مراد سے قائم ہوتا ہے نہ کہ اپنے نفس کی مراد سے ذوالنون مصری علیہ الرحمۃ کا قول ہے کہ صوفی وہ شخص ہے کہ نہ طلب اس کو تھکائے اور نہ سلب (یعنی اگر اس کے احوال سلب ہو جائیں تو بوجہ محبت مع الحق کے پریشان نہ ہو۱۲) اس کو مضطرب کرے اور یہ بھی ان ہی کا قول ہے کہ صوفیہ نے سب چیزوں پر اللہ تعالیٰ کو ترجیح دی پس اللہ تعالیٰ نے سب چیزوں پر ان کو برگزیدہ فرمایا تو ان کا اشارہ یہ ہے کہ اپنے علم پر انہوں نے علم الٰہی کو اور اپنے ارادہ پر ارادۂ اللہ کو ترجیح دی۔ بعض صوفیہ سے کہا گیا کہ مختلف طوائف میں سے میں اپنے کس گروہ کے ساتھ صحبت رکھوں کہا صوفیہ کے ساتھ اس واسطے کہ بُرے کے لئے بھی ان کے نزدیک ایک وجہ عذر کی ہے اور ان لوگوں کے نزدیک بڑے بڑے اعمال کی کوئی ایسی وقعت نہیں کہ ان سے تجھ کو بڑھادیں کہ تیرا نفس تجھے عجب اور غرور میں ڈال دے۔ اور یہ وہ علم ہے کہ نہ فقیر کے پاس پایا جاتا ہے اور نہ زاہد کے پاس اس واسطے کہ زاہد تو ترک کو بہت بڑا جانتا ہے اور لینے کو برا سمجھتا ہے اور یہی فقیر کا حال ہے اور یہ حالت اس واسطے ہے کہ ان کا ظرف چھوٹا ہے اور وہ اپنے حد علم پر ٹھہرے ہوئے ہیں اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ صوفی وہ ہے کہ اس کے

سامنے جب دو اچھے حال یا دو اچھے خلق پیش پیش آئیں تو وہ ان میں سے احسن کے ساتھ ہو اور فقیر اور زاہد دونوں کو پوری تمیز دو اچھے خلق میں نہیں ہوتی بلکہ وہ اخلاق میں سے بھی اسی کو اختیار کرتے ہیں جو کہ ترک کی طرف اور مشاغل دنیا سے باہر ہونے کی طرف زیادہ داعی ہو وہ دونوں اس معاملہ میں اپنے علم سے کرنے والے ہوتے ہیں اور صوفی اپنے صدق التجا اور حسن انابت اور حظ قرب اور لطف دخول وخروج الی اللہ کے سبب احسن کی تمیز رکھتا ہے بایں وجہ کہ اس کو اپنے رب کا علم ہوتا ہے اور وہ اپنے رب کی گفتگو اور مکالمہ سے بہرہ ور ہوتا ہے۔

حضرت رویم نے فرمایا ہے کہ تصوف نفس کا اللہ کے ساتھ اس کی مرضی پر چھوڑ دینا ہے اور عمرو بن عثمان مکی نے کہا ہے کہ تصوف اس کا نام ہے کہ بندہ ہر وقت اس شئے میں مشغول ہو جو اس وقت اولی اور افضل ہو اور بعض صوفیہ کا قول ہے کہ تصوف کا اول علم ہے اور اوسط اس کا عمل ہے اور آخر اس کا عطا من اللہ تعالیٰ ہے اور بعض نے کہا کہ تصوف ذکر ہے باجماعت اور وجد باجماعت اور عمل بامتابعت اور بعضے کہتے ہیں کہ تصوف ترک تکلف ہے۔ اور بذل روح اور سہل بن عبداللہ نے کہا صوفی وہ ہے جو کدورت سے صاف اور فکر سے پر آدمیوں سے اللہ تعالیٰ کی طرف منقطع ہو اور سونا اور مٹی اس کے نزدیک برابر ہو اور بعضے تصوف سے سوال کیے گئے تو کہا کہ خلقت کی موافقت سے دل کا صاف ہونا اور عادت طبعیہ (کے غلبہ) کا مفارق ہو جانا۔ اور صفات بشری سے افسردگی اور نفسانی خواہشوں سے یکسوئی اور صفات روحانی کے ساتھ ہم منزل ہونا اور علوم حقیقت تعلق اور شریعت میں اتباع رسول مقبول علیہ الصلوٰۃ والسلام ذوالنون مصری نے کہا میں نے سواحل شام سے ایک جگہ پر ایک عورت دیکھی تو اس سے کہا کہ تو کہاں سے آئی وہ بولی ان قوموں کے پاس سے جو خوابگاہوں سے اپنے پہلوؤں کو علیحدہ رکھتے ہیں پھر میں نے کہا اور کہاں کا تیرا ارادہ ہے بولی ان مردوں کی طرف جن کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے نہ سوداگری غافل کرتی ہے

اور نہ خرید و فروخت میں نے کہا کہ ان کی حالت بیان کر تو یہ ابیات اس نے پڑھیں۔

قوم همومهم بالله قد علقت فمالهم همم تسموا الى احد

فمطلب القوم مولاهم وسيدهم باحسن مطلبهم للواحد الصمد

ما ان تنازعهم دينا ولاشرف من المطاعم واللذات والولد

ولا للبس ثياب فائق انق ولا لروح سرور حل فى بلد

الامسارعة فى اثر منزلة قد قارب الحظو فيها باعدالابد

فهم رهائن غدران وادوية وفى الشوامخ تلقاهم مع العدد

یعنی وہ ایسی قوم ہے جن کے ارادے اللہ تعالیٰ کے ساتھ معلق اور آویزاں ہیں اور ان کی ہمتیں ایسی نہیں ہیں جو کسی اور کی طرف بڑھیں پھر ساری قوم کا مقصود ان کا مولیٰ اور ان کا سردار ہے تو اللہ پاک یکتا کیلئے کیا ہی اچھی ان کی مطلب ہے۔ نہ دنیا ان سے کشاکش کرتی ہے اور نہ کوئی جاہ خواہ وہ دنیا کھانے کی قسم سے ہو اور یا لذت اور اولاد ہو نہ پوشاک عمدہ اور نفیس کے پہننے کے لئے اور نہ کسی خوشی کی راحت کے لئے جو شہر میں واقع ہوئی ہو مگر یہ کہ ہر مرتبہ پیچھے ان کو جلدی اور شتابی ہے جس میں ان کے قدم نے تعدد غیر متناہی کو قریب بنا دیا وہ چشموں اور سیل گاہوں میں محبوس ہیں۔ (یعنی آبادی میں نہیں آتے) اور تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر ان کے تو گروہ کے گروہ سے ملاقات کریگا۔ جنید علیہ الرحمۃ نے کہا صوفی زمین کی مثال ہے ہر ایک بڑی چیز اس پر ڈالتے ہیں اور اس میں سے جو چیز نکلتی ہے وہ اچھی ہوتی ہے۔

اور یہ بھی انہیں کا قول ہے کہ صوفی زمین کی مانند ہے کہ نیک بد سب اس کو روندتے ہیں اور ابر کے مانند ہے کہ ہر ایک چیز پر سایہ کرتا ہے اور مینہ ایسا ہے کہ ہر ایک شئے کو سیراب کرتا ہے اور تصوف کی ماہیت میں اقوال مشائخ کے ہزار قول سے زیادہ ہیں اور ان کی نقل کرنے میں طول ہے اور ہم ایک ضابطہ کہے دیتے ہیں جس میں ان سب کے مجموعہ کے معانی آ جائیں کیونکہ وہ سب الفاظ باوجود اختلاف کے معانی

میں قریب قریب ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جو ہمیشہ اپنی اوقات کو کدورت سے پاک رکھتا ہے اس طرح سے کہ وہ قلب کو نفس کے لوث سے صاف کرتا ہے اور اس کے اس تصفیہ کو اس سے مدد پہنچتی ہے کہ وہ مدام اپنے مولا کا محتاج رہتا ہے تو وہ اپنے دوام افتقار سے کدورتوں سے صاف رہتا ہے۔

اور جب کبھی اس کا نفس جنبش کرتا ہے اور اپنی صفات میں سے کسی صفت کے ساتھ ظاہر ہوتا ہے تو وہ اپنی بصیرت نافذہ سے اس کا ادراک کرتا ہے اور اس سے اپنے پروردگار کی طرف گریز کرتا ہے تو اس کے دوام تصفیہ سے اس کو جمعیت ہے اور اس کے نفس کی جنبش سے اس کا تفرقہ اور کدورت ہے پس اپنے رب کے ساتھ اپنے قلب پر اور اپنے قلب کے ساتھ اپنے نفس پر قائم ہے قال اللہ تعالیٰ کونوا قوامین لِلّٰہِ شهداء بالقسط اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہوتم اللہ کے لئے قائم اور گواہ عدل کے ساتھ ہو اور بھی قوامیت اللہ کے لئے نفس پر تصوف کے ساتھ موصوف متحقق ہوتا ہے بعضوں نے کہا تصوف بالکل اضطراب ہے پھر جب سکون واقع ہو جائے تصوف بھی نہیں اور بھید اس میں یہ ہے کہ روح کو تو درگاہ الٰہی کی طرف کشش ہوتی ہے یعنی صوفی کی رُوح قربِ کے مقامات کی طرف منجذب اور مشتاق رہتی ہے۔

اور نفس کو اپنی وضع کے سبب اپنے عالَم سفلی کی طرف میلان اور پس پائی رہتی ہے اور (اس وجہ سے) صوفی کے لئے دوام حرکت ضرور ہے اس طرح سے کہ وہ حق تعالیٰ کی طرف دوام افتقار اور دوام قرار رکھتا ہے اور نفس کی صواب رسی کے موقعوں کی دیکھ بھال رکھتا ہے (تا کہ نفس کے ساتھ اسفل کی طرف مائل نہ ہو جائے اس لئے اس کو ہمیشہ حرکت رہتی ہے) اور جو کوئی اس حقیقت پر واقف ہو جائے گا وہ صوفی کے معنی میں وہ تمام متفرقہ معانی پائے گا جو اشارات مذکورہ میں ہیں۔

چھٹا باب

صوفی کی وجہ تسمیہ میں

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غلام کی دعوت قبول فرماتے اور حمار پر سوار ہوتے اور صوف کا لباس پہنتے تھے تو اس وجہ سے ایک قوم اس طرف گئی کہ ظاہر لباس کی نسبت سے ان کا نام صوفیہ رکھا ہے اس واسطے کہ صوف کا لباس انہوں نے اختیار کیا کہ وہ (ان کی حالت کے) زیادہ مناسب ہوتا ہے اور نیز اس لئے کہ یہی انبیاء علیہم السلام کا پہناوا تھا جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا شہر روحاء کے پتھر پر ستر انبیاء برہنہ پا کمبل پہنے ہوئے بیت الحرام کے قصد سے گزرے اور کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صوف اور پشمینہ پہنا کرتے اور درخت پر سے کھایا کرتے تھے اور جہاں کہیں ان کو شام ہو جاتی وہیں رات کو رہ پڑتے۔

اور حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ ہر آئینہ ستر اہل بدر کو میں نے دیکھا ہے کہ ان کی پوشاک صوف تھی اور ابو ہریرہ اور فضالۃ بن عبید نے ان کی یہ حالت بیان کی ہے کہ وہ بھوک کے مارے گر پڑتے تھے یہاں تک کہ اعرابی ان کو دیوانے خیال کرتے تھے اور پہناوا ان کا صوف کا تھا حتیٰ کہ بعضے ان میں کے اپنے کپڑوں میں عرق آلودہ ہو جاتے تو ان کپڑوں میں سے بھیڑی کی بو آنے لگتی جبکہ وہ مینہ میں بھیگ جاتے اور بعض نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ مجھے تو ان کی بو ایذا دیتی ہے کیا آپ کو ان کی بو گزند نہیں پہنچاتی تو صوف کا لباس انہوں نے اس

واسطے اختیار کیا کہ وہ زینت دنیا کے تارک اور سدرمق اور ستر عورت پر قانع اور امر آخرت میں مستغرق رہتے تھے اس لئے ان کو اپنے مولی کی خدمت میں مشغول رہنے اور امر آخرت کی طرف صرف ہمت کرنے سے لذت اور راحت نفس کی فرصت اور مہلت نہ ہوتی تھی اور اس قول کا اختیار کرنا اشتقاق کی حیثیت سے مناسب اور موزوں ہے اس واسطے کہ جب کوئی صوف پہنتا ہے تو عرب اس کو کہتے ہیں تصوف یعنی صوف پہنا جس طرح کہ کوئی قمیص پہنے تو اس کو کہتے ہیں قمص یعنی قمیص پہنا اور چونکہ ان کی حالت (ہمیشہ) سیر وطیر میں رہتی ہے اس لئے کہ وہ احوال میں بدلتے پلٹتے رہتے ہیں۔ اور ایک مقام عالی سے دوسرے مقام اعلیٰ میں ترقی کرتے رہتے ہیں کوئی وصف ان کو مقید نہیں کرسکتا۔ اور نہ کوئی نعت ان کو محبوس کرسکتی ہے۔

اور علماً وحالاً ان پر ترقی کے ابواب کشادہ رہتے ہیں ان کے باطن حقائق کے معدن اور علوم کے مخزن رہتے ہیں پس ہرگاہ ان کا کسی حال کے ساتھ جو ان کو مقید کرسکے مقید ہونا متعذر اور دشوار تھا کیونکہ ان کے وجدان نوع بنوع اور ان کی ترقی جنس بہ جنس ہے اس لئے لباس ظاہر کی طرف ان کو منسوب (مطلب یہ ہے کہ حالات باطنیہ تو ایک نوع میں منضبط نہیں کہ ان کے اعتبار سے ان کا کوئی لقب مقرر کیا جاسکتا اس لئے اس ظاہری وضع کی طرف منسوب کردیا ۱۲ منہ) کردیا اور یہ امر ان کی طرف اشارہ کرنے میں روشن تر اور ان کے وصف کے حصر میں زیادہ دخیل تھا اس واسطے کہ صوف کا پہننا ان کے سلف کے متقدمین پر غالب تھا اور اس لئے بھی کہ ان کا حال مقربین کا سا ہے چنانچہ پہلے ذکر اس کا ہوچکا اور نسبت کرنا قرب الٰہی کی طرف بوجہ اس کے کہ یہ اشارۂ امر عظیم ہے ایک امر صعب تھا کہ اس کا کشف اور اس کی طرف اشارہ کرنا امر گراں ہے اس لئے اشارہ ان کے پہناوے کی طرف واقع ہوا تا کہ ان کا حال چھپا رہے اور اس لئے بھی کہ ان کے مقام عالی پر اس سے غیرت آتی ہے کہ اسکی طرف کثرت سے اشارہ ہو۔ اور بار بار اس کا تذکرہ زبانوں پر آئے۔

پس یہ نسبت الی اللباس زیادہ مقرون بادب تھا اور ظاہر اور باطن اور قول اور فعل میں ادب ہونا یہی معاملات صوفیہ کا بڑا مدار ہے اور اس میں ایک بات اور ہے وہ یہ کہ انکے پہناوے کی طرف نسبت کرنا مشعر ہے ان کی تقلیل دنیا اور شہوات نفسانی کی جانب ان کی کم رغبتی کی طرف جس کا مقتضا اچھے اچھے نفیس لباس ہیں حتیٰ کہ مبتدی مرید جو ان کے طریق کو اختیار کرتا ہے اور چاہتا ہے کہ ان کے طریق میں داخل ہو وہ اپنے نفس کو تھوڑے گذران پر رکھتا ہے اور جانتا ہے کہ (اس بارہ میں) کھانا پینا بھی اوڑھنے پہننے کے قبیل سے ہے سو ان کے طریق میں دیکھ بھال کر داخل ہوتا ہے اور یہ امر مبتدی کے نزدیک بھی سمجھا بوجھا ہے اور ان کو کسی (یعنی کسی باطنی حال کی رعایت سے اگر کوئی نام رکھا جاتا تو مبتدی اس اشارہ کو اس لئے نہ سمجھتا کہ وہ اس حال سے آگاہ نہیں پس اس کو نفع نہ ہوتا اور اس لقب سے تقلیل دنیا کی طرف اشارہ بہت ظاہر ہے ۱۲ منہ) حال (باطنی) کی طرف اشارہ ہونا اس حال کے ساتھ موسوم کرنے سے اہل ہدایت کی فہم سے نہایت بعید تھا۔

پس صوفی ان کا نام رکھنا نافع تر اور اولیٰ تر ہوا۔ بخلاف اس کے جب یہ کہا جائے کہ صوفیہ صوف کے پہننے کے سبب نام رکھ لیا ہے تو دعویٰ سے دور ہوگا اور جو چیز دعویٰ سے زیادہ دور ہو وہی ان کے لائق حال ہے اور یہ وجہ بھی ہے کہ صوف کا پہننا ان کے ظاہری حال پر ایک حکم ظاہر ہے اور ان کے کسی حال یا مقام کی طرف ان کو منسوب کرنا (جیسا دوسری وجوہ میں ہے) حکم باطن ہے اور ظاہر پر حکم کرنا زیادہ موافق اور بہتر ہے پس یہ کہنا کہ ان کا نام صوفیہ صوف پہننے کے سبب رکھا گیا تو اضع اور فروتنی سے زیادہ قریب اور لائق تر ہے اور یہ بھی لگتی ہوئی بات ہے کہ کہا جائے کہ ہرگاہ ان لوگوں نے افسردگی اور گمنامی اور تواضع اور انکسار اور اوجھل (یعنی مستوریت ۱۲ منہ) اور آڑ کو اختیار کیا ہے تو وہ ایسے ہی ہو گئے جیسے صوفہ یعنی پھٹے پرانے لتے جن کو پھینک دیا جاتا ہے اور کوئی ان کو نہیں پوچھتا اور نہ ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر

دیکھتا ہے تو صوفہ کی نسبت سے صوفی کہہ دیا جائے جیسے کوفہ کی نسبت سے کوفی کہا جاتا ہے اور یہ وہ ہے جو بعضے اہل علم نے بیان کیا ہے اور جو معنی اس میں مقصود ہے وہ قریب اور اشتقاق کے مناسب ہے۔ اور ہمیشہ سے صالحین اور زہاد اور متقین اور عباد کو صوف ہی کا لباس مرغوب اور مطبوع رہا ہے۔

چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس دن اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے باتیں کیں تو آپ صوف کا جبہ پہنے ہوئے تھے اور صوف ہی کی ازار بھی اور چادر بھی صوف ہی کی تھی اور کلاہ بھی صوف کی تھی اور آپ کی جوتیاں غیر مذبوحہ گدھے کی کھال کی تھیں اور بعضوں نے کہا صوفیہ اس لئے نام رکھا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے صف اوّل میں ہیں اپنی علو ہمت سے اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں ہیں بدل وجان حاضر رہنے سے اور اس کے سامنے اپنے اسرار باطن کے ساتھ کھڑے ہونے سے۔

اور بعضوں نے کہا یہ اسم دراصل صفوی تھا پھر وہ ثقیل سمجھا گیا اور صوفی بنالیا گیا اور بعض کہتے ہیں کہ صوفیہ نام صفہ کی نسبت سے رکھا ہے جو عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں فقراء ومہاجرین کے لئے مخصوص تھا جن کے حق میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے **للفقراء الذین احضروا فی سبیل اللہ لا یستطیع** والے ہیں اللہ تعالیٰ کے واسطے اور اللہ تعالیٰ کی محبت اور اطاعت میں جیسے اصحاب صفہ تھے جو چار سو آدمی کے قریب تھے مدینہ میں نہ ان کے گھر تھے نہ کنبے قبیلے مسجد میں ہو بیٹھے تھے جیسے اگلے پچھلے زمانہ میں صوفیہ کا گوشوں اور خانقاہوں میں اجتماع رہا ہے۔ اور وہ نہ کھیتی کیاری کرتے نہ دودھ دینے والے جانور پالتے اور نہ بیوپاری تھے دن کو لکڑیاں جمع کرتے اور گٹھلیاں پھوڑتے اور رات کو عبادت اور کلام اللہ کے سیکھنے اور تلاوت میں مشغول ہوتے اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی غمخواری کرتے اور لوگوں کو ان کی غمخواری پر برانگیختہ فرماتے تھے اور ان کے پاس بیٹھتے اور ان کے ساتھ کھاتے تھے اور

ان کی شان میں یہ آیت نازل ہوئی ولا تطرد الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یریدون وجهه یعنی اور مت نکال ان لوگوں کو جو صبح وشام اپنے رب کو پکارتے اور اس کی ذات چاہتے ہیں اور یہ آیت بھی واصبر نفسک مع الذین یدعون ربهم بالغداة والعشی یعنی مقید کیجئے اپنے نفس کو ان لوگوں کے ساتھ جو اپنے پروردگار کو صبح وشام پکارتے ہیں۔ اور ابن ام مکتوم کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی عبس وتولی ان جاء ہ الاعمی یعنی تیوری چڑھائی اور منہ پھیر لیا اس سے کہ ان کے پاس اندھا آیا اور وہ اہل صفہ سے تھے تو حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ان کے باعث شکایت کی گئی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب ان لوگوں سے مصافحہ فرماتے تو ان کے ہاتھوں سے اپنا ہاتھ نہ کھینچا کرتے اور ذی مقدور لوگوں پر ان کو بانٹ دیتے کسی کے ساتھ تین اور کسی کے چار بھیج دیا کرتے اور سعد بن معاذ اپنے گھر میں ان میں سے اسی آدمیوں کو لے جاتے اور کھانا کھلاتے تھے۔

اور ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا میں نے ہر آئینہ ستر آدمی اہل صفہ سے دیکھے ہیں کہ وہ ایک کپڑے سے نماز پڑھتے تھے بعضے ان میں سے ایسے تھے کہ کپڑا ان کے زانو تک نہیں پہنچتا تھا تو وہ جب رکوع میں جاتے ہاتھ سے پکڑ لیتے کہ مبادا ان کا اندام شرم کھل جائے بعضے اہل صفہ نے کہا ہم ایک جماعت حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا یا رسول اللہ چھواروں نے ہمارے پیٹ جلا دیئے (یعنی بوجہ گرم ہونے کے) یہ بات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنی اور منبر پر چڑھے بعد ازاں فرمایا ان لوگوں کا کیا حال ہے جو کہتے ہیں کہ چھواروں نے ہمارے پیٹ جلا دیئے کیا تم نہیں جانتے کہ یہ چھوارے مدینہ والوں کا کھانا ہے اور ہر آئینہ اہل مدینہ نے ان سے ہماری خدمت کی اور جس چیز سے انہوں نے ہماری خدمت کی اسی سے ہم نے تمہاری خدمت کی اور مجھے اس کی قسم ہے جس کے قبضہ میں محمد کی جان ہے ہر آئینہ دو مہینے ہوئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں سے دھواں نہیں اٹھا اور

ان کے پاس پانی اور کھجور کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اہل صفہ پر کھڑے ہوئے اور ان کی محتاجی اور مشقت اور (اس حالت پر قناعت کے سبب) خوش دلی دیکھی تو فرمایا اے اصحاب صفہ تمہیں بشارت ہو جو تم میں سے اس صفت پر قائم رہے گا جس پر تم آج کے دن ہو اور اس حالت کے ساتھ راضی رہے گا جو جس میں ہے وہ ہر آئینہ قیامت کے دن میرا رفیق اور ساتھی ہے اور کہتے ہیں کہ اہل طریق میں سے ایک گروہ خراسان میں تھا جو غاروں میں رہا کرتے دیہات اور شہروں میں ان کی سکونت نہ تھی خراسان میں ان کو شکفیۃ کے نام سے پکارتے اس واسطے کہ شکفت غار کا نام ہے بود و باش کی جگہ کی طرف ان کو منسوب کرتے تھے اور اہل شام ان کو جوعیہ کہا کرتے اور حق تعالیٰ نے اہل خیر وصلاح کا ذکر قرآن شریف میں جو فرمایا ہے تو ایک قوم کو ابرار دوسروں کو مقربین اور ان میں سے بعض کو صابرین اور صادقین اور ذاکرین اور محبین کے نام سے موسوم کیا ہے اور جس قدر متفرق اوصاف ان مذکورہ ناموں میں جمع ہیں صوفی کا نام ان سب کو مشتمل ہے۔

اور یہ نام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھا۔

اور بعضوں کا قول ہے کہ تابعین کے زمانہ میں تھا اور حضرت امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ (مقصود اس حکایت سے یہ ہے کہ حسن بصری تابعی ہیں اور انہوں نے لفظ صوفی کا استعمال کیا اور یہی مقصود ہے سفیانؒ کی حکایت سے جو اس کے بعد ہے کہ وہ بھی تابعی ہیں ۱۲ منہ) سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا میں نے ایک صوفی کو طواف میں دیکھا سو میں نے اس کو کچھ دیا اس نے نہیں لیا اور کہا میرے پاس چار دانگ ہیں جو مجھے میری موجودہ حاجت کو کافی ہے اور اس کو تقویت اس روایت سے ہوتی ہے جو سفیان سے ہے کہ انہوں نے کہا کہ اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہوتے تو میں ریا کے دقیقے نہ جانتا اور یہ دلیل ہے اس پر کہ یہ نام معروف قدیم ہے۔

اور بعضوں نے کہا ہے کہ یہ نام دوصدی ہجری عربی تک مشہور نہ تھا اس واسطے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپ کے اصحاب کو صحابی کے نام سے موسوم کیا کرتے بوجہ حصول شرف صحبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور اس کی طرف اشارہ کرنا اور سب اشاروں سے اولیٰ اور افضل تھا اور جب عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخر ہوا تو جس نے صحابی سے علم حاصل کیا ان کا نام تابعی رکھا گیا اس کے بعد جب زمانہ رسالت بعید ہو گیا اور عہد نبوت کو عرصہ گزر گیا اور وحی آسمانی بند ہوگئی اور نور مصطفوی چھپ گیا اور رائیں مختلف ہوگئیں اور طریقے انواع اقسام کے ہوگئے اور ہر ایک ذی رائے اپنی رائے میں منفرد ہو گیا۔

اور علوم کے گھاٹ ہوائے نفسانی کے میل سے گدلے ہوگئے اور متقین کی بنیادیں ہل گئیں اور زاہدین کے عزم الٹ پلٹ ہوگئے اور جہالتیں غالب آگئیں اور حجاب ان کے کثیف ہوگئے اور عادات (طبعیہ بہ نسبت عبادات کے) بڑھ گئیں اور وہ عادات اپنے موصوفین پر قابض ہوگئیں اور دنیا نے بناؤ سنگار کیا اور اس کے چاہنے والے بڑھ گئے تو (ایسے وقت میں) ایک گروہ ان سب سے جدا ہو کر اعمال صالح اور احوال روشن اور صدق عزیمت اور قوت دین میں ممتاز ہو گیا اور دنیا اور اس کی محبت میں انہوں نے کم رغبتی کی اور گوشہ نشینی اور تنہائی کو غنیمت جانا اور اپنے نفوس کے لئے گوشے اختیار کئے جن میں وہ کبھی مل بیٹھتے تھے اور کبھی جدا ہو جاتے اہل صفہ کے اقتداء میں اور اسباب کے تارک ہوگئے رب الارباب کی طرف منقطع ہو کر پس ان کے لئے نیک اعمال مثمر احوال روشن ہوگئے اور علوم کے قبول کے لئے ان کے فہم میں صفا آگئی اور (اس متعارف) زبان کے بعد ان کے لئے ایک اور زبان (کامل) اور عرفان (عام) کے پیچھے ایک اور عرفان (خاص) اور ایمان (عام) کے بعد ایک اور ایمان (خاص) ملا جیسا کہ حارثہ نے کہا تھا صبح اٹھا میں سچا مومن ہو کر جبکہ ایمان میں ان کو ایک اور مرتبہ اس کے علاوہ مکشوف ہوا جس کا وہ پہلے مشاہدہ کرتے تھے تو اسکے

اقتضا سے ان لوگوں کو بہت سے علم حاصل ہوئے جن کو وہ پہچانتے ہیں اور بہت سے اشارات حاصل ہوئے جن کا وہ مشاہدہ کرتے ہیں۔

پس انہوں نے اپنی ذات کے لئے خاص اصطلاحیں تجویز کیں جو ان معانی کی طرف اشارہ کرتی ہیں جن کو یہ حضرات پہچانتے ہیں اور جو ان احوال کو ظاہر کرتی ہیں جن کو وہ پاتے ہیں پس ان اصطلاحات کو متاخرین نے قدما سے اخذ کیا یہاں تک کہ وہ ہر ایک عہد اور زمانہ میں ایک اسم مستمر اور خبر مستقر ہوگئی تو یہ نام ان لوگوں میں پھیل گیا اور اس کے ساتھ خود بھی موسوم ہوئے اور دوسروں کا بھی نام رکھا پس یہ اسم ان کی نشانی ہے اور علم باللہ ان کی صفت ہے اور عبادت ان کا زیور ہے اور تقویٰ ان کا لباس ہے اور حقیقت کے حقائق ان کے اسرار ہیں کنبے اور قبیلوں سے یکسو ہیں فضیلتوں سے موصوف ہیں غیرت کے قبوں میں رہنے والے اور حیرت کے گھروں میں بسنے والے ہیں گھڑیوں کے ساتھ (یعنی ہر گھڑی) ان کے لئے فضل الٰہی سے ترقی ہے اور ان کے شوق کی آگ شعلہ زن ہے اور ہل من مزید کہہ رہی ہے اے اللہ ہم کو ان کے گروہ میں اٹھا اور ان کے حالات ہمارے نصیب کر واللہ اعلم

ساتواں باب

متصوف اور متشبہ کے بیان میں ہے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہا ایک شخص حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ قیامت کب آئے گی اس وقت تو آپ نماز کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے جب نماز پڑھ چکے تو آپ نے فرمایا وہ شخص کہاں ہے جس نے قیامت کی نسبت سوال کیا تھا تو وہ شخص بولا میں ہوں یا رسول اللہ آپ نے فرمایا قیامت کے لئے تو نے کیا سامان کیا ہے عرض کیا کہ میں نے تو اس کے لئے کچھ زیادہ نماز روزہ نہیں جمع کیا یا یوں کہا کہ میں نے اس کے لئے کچھ بڑے عمل نہیں اکٹھے کئے مگر اتنی بات ہے کہ میں اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں اس پر آپ نے فرمایا آدمی اس کے ساتھ ہے جس کو وہ چاہتا ہے یا یہ فرمایا کہ تو اس کے ساتھ ہے جس کو تو چاہتا ہے حضرت انس نے کہا کہ میں نے مسلمانوں کو اسلام کے بعد کسی شئے سے ایسا خوش نہیں دیکھا جیسا کہ وہ اس سے خوش ہوئے پس جو شخص صوفیہ کے ساتھ متشبہ ہے اس نے جو صوفیہ کا تشبہ اختیار کیا اور ان کے سوا دوسرے گروہ سے تشبہ نہیں اختیار کیا۔ اس کی وجہ بجز ان کی محبت کے اور کچھ نہیں اور اس وجہ سے باوجود اس کے کہ وہ ان باتوں پر قائم ہونے سے جو کہ صوفیہ میں ہیں قاصر ہے مگر پھر بھی ان کے ساتھ ہوگا اس وجہ سے کہ اس متشبہ کو صوفیہ کے ساتھ ارادت اور محبت ہے اور جو حدیث ہم نے اس مسئلہ میں روایت کی ہے مضمون میں اس سے واضح تر ایک دوسری حدیث وارد ہوئی ہے چنانچہ عبادہ بن صامت نے ابی ذر غفاری سے روایت کی ہے

کہ کہا کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کبھی ایک شخص کسی قوم کو دوست رکھتا ہے اور ان کے سے عمل کر نہیں سکتا آپ نے فرمایا کہ اے ابوذر تو اُسی کے ساتھ ہوگا جس کو دوست رکھتا ہے ابوذر نے عرض کیا کہ ہر آئینہ میں اللہ کو اور اس کے رسول کو دوست رکھتا ہوں تو فرمایا کہ ہر آئینہ تو اسکے ساتھ ہوگا جس کو تو دوست رکھتا ہے۔

راوی نے کہا کہ ابوذر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو دوبارہ دہرایا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دوبارہ وہی فرمایا پس متشبہ کو جو ان سے محبت ہے اس کی بجز اس کے اور کوئی وجہ نہیں کہ اسکی روح بھی اس شئے سے آگاہ اور ہوشیار ہوگئی ہے جس سے ارواح صوفیہ کی آگاہ اور خبردار ہیں اس واسطے کہ امر اللہ کی محبت اور اس شئے کی محبت جو کہ اس کی طرف قریب کرے اور اسی طرح اس شخص کی محبت جو اس کا مقرب ہو بدون جاذب روح کے نہیں ہوتی صرف اتنا فرق ہے کہ متشبہ تو نفس کی ظلمت کے سبب رک رہا ہے اور صوفی اس سے رہا ہو چکا ہے اور متصوف وہ ہے جو حال صوفی کی طرف تاک رہا ہے اور بقیہ صفات نفسانی میں متشبہ کے ساتھ شریک ہے اور طریق صوفیہ کی ابتدا اعتقاد ہے پھر علم پھر ذوق اور متشبہ صاحب اعتقاد ہے اور طریق صوفیہ سے اعتقاد رکھنا اصل عظیم ہے جنید علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ ہمارے طریقہ سے اعتقاد رکھنا یہ بھی ایک ولایت ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ صوفیہ ایسے احوال نادرہ اور ایسے آثار سے ممتاز ہیں جو اکثر خلق کے نزدیک مستبعد ہیں اس واسطے کہ ان حضرات کو اسرار قدرت اور علوم غریبہ مکشوف ہوتے ہیں اور ان کے اشارے اللہ کے بڑے بڑے امر اور اسی کے قرب کی طرف ہوتے ہیں اور اس پر ایمان لانا ایمان بالقدرت ہے اور اہل ملت میں سے ایک قوم نے کرامات اولیاء سے انکار کیا ہے اور حالانکہ اس پر ایمان رکھنا ایمان بالقدرت ہے اور ان کے یہاں اس قسم کے بہت علوم ہیں۔

پس ان کے طریق پر اعتقاد وہی شخص لاتا ہے جس کو حق تعالیٰ نے اپنی مزید عنایت سے مختص فرمایا ہے پس متشبہ صاحب اعتقاد ہے اور متصوف صاحب علم اس

واسطے کہ اس نے اعتقاد لانے کے بعد ان کے طریقہ کا مزید علم حاصل کیا ہے اور اس سے اس کو بہت سے مواجید حاصل ہوئے جن سے اس نے بقیہ مواجید پر استدلال کیا اور صوفی صاحب ذوق ہے پس متصوف صادق کو تو صوفی کے حال سے کچھ حصہ ملا ہے اور متصوف کے حال میں سے متشبہ کو کچھ حصہ ملا ہے اور سنت الٰہی اسی طرح پر جاری ہے کہ ہر صاحب حال جس کو اس حال میں ایک ذوق ہو بالضرور اسے ایسا ایک حال معلوم اور مکشوف ہو جاتا ہے جو اس کے حال سے بلند تر ہے تو وہ حال اول میں صاحب ذوق ہوتا ہے اور جو دوسرا حال اس پر کشف ہوا ہے اس میں وہ صاحب علم ہوتا ہے اور جو اس سے بڑھ کر حال ہیں اس میں صاحب اعتقاد ہوتا ہے حتیٰ کہ طریق طلب اسی طرح ہمیشہ برابر جاری رہتا ہے تو ذوق کے حال میں صاحب قدم ہوتا ہے اور علم کے حال میں صاحب نظر اور جو اس سے بڑھا چڑھا حال ہے اس میں صاحب اعتقاد (اس کی مثال) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ان الابرار لفی نعیم علی الارائک ینظرون یعنی بیشک جو نیک لوگ ہیں آرام میں تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے اس جگہ ابرار کی اور ان کی شراب کی تعریف کی ہے بعد اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومزاجہ من تسنیم عینا یشرب بھا المقربون یعنی اس شراب میں کچھ آمیزش چشمۂ تسنیم کی ہوگی جس کو مقربین (خالص) پئیں گے پس ابرار کی شراب میں مقربین کی شراب میں سے میل ہوگا۔ اور وہ مقربین کے لئے خالص ہے تو صوفی کے لئے خالص شراب ہے اور متصوف کی شراب میں اس کا میل ہے اور متشبہ کے لئے متصوف کی شراب میں سے میل ہے پس صوفی بساط قرب میں جو قرار گاہ روح کا ہے وہاں تک بڑھ گیا ہے اور صوفی کی نسبت سے متصوف ایسا ہے جیسے کہ زاہد کی نسبت سے متزہد اس واسطے کہ متصوف بتکلف فعل اور عمل اور سبب پیدا کر رہا ہے جس سے وہ اس بات کی طرف اشارہ یعنی توجہ کر رہا ہے جو صوفی کے وصف سے اس کو حاصل ہونا باقی رہ گیا ہے پس وہ متصوف ابھی طریق میں مجاہدہ کر رہا ہے اور اپنے رب کی طرف سیر وسلوک کرنے میں مشغول ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے سیروا اسبق

المفردون یعنی چلواور بڑھومفردین سبقت کر گئے ہیں صحابہ نے کہا مفردین کون ہیں یارسول اللہ تو فرمایا کہ وہ شیفتگان ذکرالٰہی ہیں جن کے باران سے ذکر نے اتار دیئے ہیں اور قیامت کے دن وہ ہلکے سبک کار آئیں گے۔ پس صوفی مفردین کے مقام میں ہیں اور متصوف سائرین کے مقام میں اوراپنے سیر میں (اس کا مقام وصول یہ ہے کہ) ذکرالٰہی میں جوقرارگاہ قلب کا ہے اورقلب سے جواس کا مراقبہ کیا جاتا ہے اوراللہ کی جو نظرقلب کی جانب ہے اس نظرحق کی طرف جونظر رکھی جاتی ہے اوراس نظر سے لذت حاصل کی جاتی ہے (وہ اپنی سیر میں) یہاں تک پہنچا ہے پس صوفی صاحب مشاہدہ اور روح کے مستقر میں ہے اور متصوف صاحب مراقبہ اورقلب کے مقام میں ہے اور متشبہ صاحب مجاہدہ وصاحب محاسبہ ہے اورنفس کے مقابلہ میں ہے تو صوفی کی تلوین اس کے قلب کے وجود سے ہے اور متصوف کی تلوین اس کے نفس کے وجود سے اور متشبہ کوتلوین نہیں ہوتی اس واسطے کہ تلوین ارباب احوال کے لئے ہے اور متشبہ محض ایک سالک مجتہد ہے جوابھی احوال تک نہیں پہنچااوران سب کا جامع دائرہ اصطفا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے پھرہم نے کتاب کاوارث ان لوگوں کوکردیا جن کوہم نے اپنے بندوں میں سے برگزیدہ کیا ہے تو بعضے ان میں سے اپنے نفس کے ظالم ہیں اور بعضے ان میں سے متوسط اورمیانہ رو ہیں اور بعضے ان میں سے وہ ہیں جوآگے بڑھ گئے ہیں بعضے کہتے ہیں کہ ظالم زاہد ہے اور مقتصد عارف اور سابق محب ہے اور بعض کا قول ہے کہ ظالم وہ ہے کہ بلا سے بے صبری کرتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو بلا پر صبر کرتا ہے اور سابق اسے کہتے ہیں کہ بلا سے لذت پاتا ہے اور بعضوں نے کہا ظالم غفلت اور عادت سے عبادت کرتا ہے اور مقتصد رغبت اور خوف سے اور سابق ہیبت اور منت سے اور بعض نے کہا ہے کہ ظالم لسان سے ذکر کرتا ہے اور مقتصد قلب سے اور سابق اپنے پروردگار کو بھولتا ہی نہیں اور احمد بن عاصم انطا کی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ظالم صاحب اقوال ہے اور مقتصد صاحب افعال اور سابق صاحب احوال اور یہ سب قول صوفی اور متصوف اور متشبہ کے حال کے اعتبار سے قریب قریب متناسب ہیں اور یہ سب اہل

ملاح وفلاح سے ہیں کہ ان کو دائرہ اصطفا جمع کرتا ہے اور ان کی جو خصوصیت اپنی عطا بخشش کے ساتھ ہے اس خصوصیت کی نسبت ان سب کو مجتمع کر دیتی ہے حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس قول میں اللہ تعالیٰ کے **فمنهم ظالم لنفسه ومنهم مقتصد ومنهم سابق بالخيرات كلهم في الجنه** یعنی یہ فرمایا کہ یہ سب جنت میں ہیں ابن عطا کا قول ہے ظالم وہ ہے جو اللہ کو دنیا کے واسطے دوست رکھتا ہے اور مقتصد وہ ہے جو اللہ کو عقبیٰ کے لئے دوست رکھتا ہے اور سابق وہ ہے کہ اپنی مراد کو اللہ کی مراد کے سامنے جو اس کے بارہ میں واقع ہو ساقط کرے اور صوفی کا یہی حال ہے پس متشبہ اس قوم کے امور میں سے بعض امور کے لئے متعرض ہوا ہے۔ اور یہ اس کے لئے ان کے قرب کا موجب ہوتا ہے اور ان کا قرب ہر ایک خیر کا مقدمہ اور دیباچہ ہے میں نے اپنے شیخ سے سنا ہے کہ کہتے تھے کہ اہل دنیا سے ایک شخص شیخ احمد غزالی کے پاس آیا اور ہم اصفہان میں تھے یہ شخص ان سے خرقہ چاہتا تھا تو اس سے شیخ نے کہا فلاں کے پاس جاؤ اور یہ میری طرف اشارہ تھا (یعنی میرے پاس بھیجا) تا کہ وہ خرقہ کے معنی میں تجھ سے کلام کرے پھر میرے پاس آنا تا کہ میں تجھے خرقہ پہناؤں کہا وہ میرے پاس آیا تو میں نے اس سے خرقہ کے حقوق بیان کئے اور وہ باتیں جو حق خرقہ کی رعایت سے واجب ہیں اور جو خرقہ پہنے اس کے آداب اور وہ شخص جو اس کے پہننے کی قابلیت رکھتا ہے تو اس شخص نے حقوق خرقہ کو بہت بڑا بھاری جانا اور خرقہ کے پہننے سے ہچکچایا تب شیخ کو اس معاملہ کی خبر پہنچی جو طالب سے میں نے نئی گفتگو کی تھی تو مجھے بلایا اور میری اس گفتگو پر خفا ہوئے اور کہا کہ میں نے تو تمہارے پاس اسے اس لئے بھیجا تھا کہ تم اس سے ایسی باتیں کرو کہ جن سے اس کی رغبت خرقہ کی طرف زیادہ ہو اس پر تم نے وہ باتیں کیں جن سے اس کا ارادہ سست ہو گیا پھر یہ بات ہے کہ جس مضمون کا تم نے ذکر کیا وہ سب صحیح ہے اور خرقہ کے حقوق سے واجب یہی ہیں مگر جب ہم ان کو مبتدی پر لازم گردانیں تو وہ بھاگے گا اور اس پر قیام کرنے

سے عاجز آئے گا پس اسے خرقہ پہنا دیتے ہیں تا کہ قوم کے ساتھ متشبہ ہو جائے اور ان کی وضع بنالے تو یہ بات اس کو ان کی مجالس اور محافل سے قریب کرے گی پھر ان کے ساتھ اختلاط کرنے کی برکت سے اور ان کے احوال اور سیرت کے دیکھنے سے وہ اس کی خواہش کرے گا کہ راہ ان کی چلے اور اس ذریعہ سے کچھ ان کے احوال تک پہنچے گا اور شیخ احمد غزالی کے اس قول سے وہ قول موافق ہے جو ہمارے شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے ابوالقاسم جنید بغدادی رحمہ اللہ سے بواسطات روایت کیا کہ وہ کہتے تھے جب کسی فقیر سے تو ملے تو علم (یعنی ضابطہ) سے ابتداء مت کر اور نرمی سے آغاز کر اس لئے کہ علم اسے متوحش کرتا ہے اور نرمی اسے مانوس کرتی ہے اور صوفیہ جو متشبھین سے بہ نرمی پیش آتے ہیں اس سے مبتدی طالب کو نفع ہوتا ہے اور ان میں جس قدر کوئی حال میں اکمل اور علم میں علامہ ہوگا اسی قدر زیادہ وہ مبتدی طالب کے ساتھ نرمی اور رفق کرے گا بعض صوفیہ سے حکایت ہے کہ اس کی صحبت میں ایک طالب رہنے لگا تو وہ اپنے نفس سے کثرت معاملات اور مجاہدات میں خوب دارو گیر کرتا تھا اور اس کی نیت اس سے صرف یہ تھی کہ مبتدی اسے دیکھے اور اس کے ادب سے ادب سیکھے اور اس کے عمل کی اقتدا کرے (اور اس سے مبتدی کی ہمت قوی ہو اور اس سے اس کو طریق آسان معلوم ہو اور اسی کو نرمی کہا ۱۲) اور یہ وہ نرمی ہے کہ کسی چیز میں داخل نہیں ہوتی مگر یہ کہ اس کو زینت اور رونق دے دی پس متشبہ حقیقی کے لئے قوم کے طریق کے ساتھ اعتماد ہے اور اس کے موافق عمل ہے اور سلوک و اجتہاد ہے جیسا کہ اوپر ذکر کیا ہے کہ وہ صاحب مجاہدہ اور محاسبہ ہے پھر وہ متصوف صاحب مراقبہ ہو جاتا ہے بعد ازاں وہ صوفی صاحب مشاہدہ ہو جاتا ہے لیکن جو شخص متصوف اور صوفی کے حال کی طرف تشبہ کے ساتھ نظر نہ کرے اور نہ وہ ان کے اوائل مقاصد کا قصد کرے بلکہ فقط ظاہری تشبہ ظاہری لباس اور مشارکت وضع اور صورت سے کرتا ہے بدون سیرت اور صفت کے تو وہ متشبہ بصوفی نہیں ہے اس واسطے کہ ان کے ابتدائی حالات میں داخل ہو کر ان کی نقل و حکایت نہیں کرتا تو وہ اس حالت میں متشبہ کا متشبہ ہے جو کہ قوم کی طرف صرف اپنے لباس

سے منسوب ہوتا ہے مگر باوجود اس کے بھی وہ ایسی قوم ہے کہ ان کا جلیس بھی بے نصیب نہیں رہتا اور حدیث شریف میں وارد ہے کہ جس نے ایک قوم کی مشابہت کی تو وہ شخص اس قوم سے ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہر آئینہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت سے ملائک ہیں جو ان ملائک سے فاضل ہیں جو لوگوں کے اعمال نامے لکھتے ہیں وہ راستوں میں پھرا کرتے ہیں اور مجالس کو ڈھونڈا کرتے ہیں تو جب کسی قوم کو دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہیں تو وہ باہم ایک دوسرے کو پکارتے ہیں چلے آؤ اپنے مقصود کی طرف پس اس قوم کو اپنے بازوؤں سے آسمان تک ڈھک لیتے ہیں تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حالانکہ وہ خود دانا تر ہے میرے بندے کیا کہہ رہے ہیں فرشتے کہتے ہیں کہ تیری حمد کہتے ہیں اور تیری تسبیح اور تیری تمجید کرتے ہیں پھر فرماتا ہے کیا مجھے ان لوگوں نے دیکھا ہے تو فرشتے کہتے ہیں کہ نہیں پس فرماتا ہے جو مجھے دیکھ پاتے تو کیا ہوتا وہ کہتے ہیں اگر تجھے دیکھتے تو اور زیادہ تسبیح اور تحمید اور تمجید کرتے پھر فرماتا ہے مجھ سے کیا مانگتے ہیں؟

یہ کہتے ہیں کہ تجھ سے بہشت مانگتے ہیں پھر فرماتا ہے کہ کیا بہشت دیکھی ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں پھر فرماتا ہے کہ کیا ہوتا اگر اسے دیکھتے تو وہ کہتے ہیں اگر اسے دیکھتے تو ان کی طلب اور حرص اور زیادہ ہوتی فرشتوں نے کہا اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں تو فرماتا ہے آیا اسے دیکھا ہے وہ کہتے ہیں کہ نہیں پھر فرماتا ہے کیا ہوتا اگر اسے دیکھتے فرشتوں نے کہا اور زیادہ پناہ مانگتے اور اس سے بھاگتے پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں تمہیں گواہ کرتا ہوں کہ ہر آئینہ میں نے ان کو بخشا پھر ایک فرشتہ ان میں سے کہتا ہے کہ فلاں شخص ان لوگوں میں سے نہیں ہے وہ فقط ایک ضرورت سے آیا تھا تب اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ ایسے ہمنشین اور ہم صحبت ہیں کہ ان کا ہمنشین بھی بے نصیب اور بے بہرہ نہیں رہتا پس صوفیہ کا جلیس اور ان کا متشبہ اور محبّ بھی محروم نہیں رہتا۔

❁❁❁

آٹھواں باب

ملامتی کے ذکر اور اسکے حال کی شرح میں

(اس جلد کے اس باب سے ترجمۂ قدیمہ کی اصلاح احقر نے کی ہے اور جہاں توضیح کی ضرورت تھی وہاں حاشیہ پر یا قوسین کے درمیان توضیح کر دی ہے اور جو مقام میری سمجھ میں نہیں آیا اس کو حضرت مولانا سے سمجھ لیا ہے اور اخیر میں حضرت مولانا کو سنا دیا ہے ۱۲ انوار الحق امروہوی غفرلہ)

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ ملامتی وہ شخص ہے جو نیکی کو ظاہر نہ کرے اور برائی کو مخفی نہ کرے اور اسکی شرح یہ ہے کہ ملامتی کی رگ رگ میں اخلاص کا ذائقہ پیوست ہو جاتا ہے اور وہ صدق کے ساتھ متحقق اور متصف ہوتا ہے پس وہ نہیں چاہتا کہ کوئی اس کے حال اور اعمال پر مطلع ہو۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کی کیا حقیقت ہے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے انہوں نے کہا کہ میں نے حق تعالیٰ سے سوال کیا تھا کہ اخلاص کیا ہے تو وہاں سے ارشاد ہوا کہ وہ میرے اسرار میں سے ایک سر ہے جسے میں اس شخص کے دل میں امانت رکھتا ہوں جس کو اپنے بندوں میں سے دوست رکھتا ہوں۔

پس ملامتی کو اخلاص کے التزام میں زیادہ خصوصیت ہے کہ وہ احوال اور اعمال کے اخفاء کو ضروری سمجھتے ہیں اور اس کے چھپانے میں لذت پاتے ہیں حتیٰ کہ اگر ان کے اعمال اور احوال کسی پر ظاہر ہو جائیں تو اس سے ایسے پریشان ہوتے ہیں جیسے کہ

گنہگار اپنے گناہ کے ظاہر ہونے سے پریشان ہوتا ہے۔

پس ملامتی اخلاص کے وقوع اور اس کے مقام کی قدر ومنزلت کرتا ہے اور اس کا اعتبار (اور لحاظ) کرتے ہوئے اس کا التزام کرتا ہے (یعنی اس کو اخلاص کی طرف التفات ہوتا ہے) اور صوفی (کامل) اخلاص کے اندر اپنے اخلاص سے غائب (اور بے خبر) ہو جاتا ہے۔ ابو یعقوب سوسی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ جب وہ اپنے اخلاص کے اندر اخلاص کو دیکھتے ہوں (اور اس پر ان کی نظر ہو) تو ان کے اس اخلاص کو بھی اخلاص (یعنی اخلاص کو اس بات سے کہ اس پر نظر ہو خالص کرنا ضروری ہے ۱۲) کی حاجت ہے اور ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ تین چیزیں اخلاص کی علامات میں سے ہیں عوام کی مذمت اور تعریف کا (اس کے نزدیک) یکساں ہونا (کہ ان کی مذمت کرنے کی پرواہ ہو اور نہ ان کی تعریف کی) اور اعمال کے اندر ان پر نظر کرنے کو بھول جانا اور آخرت میں اعمال کے ثواب ملنے کی خواہش کو چھوڑ دینا (یعنی اس کی طرف ملتفت نہ ہو نہ یہ کہ اس سے مستغنی ہو) ابو عثمان مغربی رحمۃ اللہ علیہ سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اخلاص وہ ہے کہ جس میں کسی حالت سے کسی قسم کا (نفس کو) حظ نہ ہو اور یہ عوام کا اخلاص ہے اور خواص کا اخلاص یہ ہے کہ وہ (خود) ان پر جاری ہو نہ کہ ان کے اہتمام سے (یعنی اخلاص ان کے حق میں بمنزلہ امر طبعی کے ہو کہ اس کے لئے ان کو اہتمام نہ کرنا پڑے) پس طاعات ان سے ظاہر ہوتی ہیں اور وہ (حق تعالیٰ میں مشغول ہونے کی وجہ سے طاعات کی طرف التفات کرنے سے برطرف ہوتے ہیں اور ان کی نظر ان پر نہیں ہوتی اور نہ ان کو کچھ شمار کرتے ہیں (اسی وجہ سے ان کے چھپانے کا اہتمام بھی نہیں کرتے) پس یہ خواص کا اخلاص ہے۔

اور یہ تفصیل جو شیخ ابو عثمان مغربی نے کی ہے اس سے صوفی اور ملامتی کے درمیان فرق ظاہر ہو گیا کیونکہ ملامتی نے اپنے عمل اور حال سے مخلوق کو نکالا لیکن اپنے نفس کو قائم رکھا (کیونکہ وہ اخلاص کا اہتمام اور اعتبار کرتا ہے پس اس کے ضمن میں اس کی نظر اپنے

عمل پر ہے) پس وہ مخلِص (بکسر اللام ۱۲) (یعنی اپنے حال اور عمل کو خالص کرنے والا ہے اور صوفی نے اپنے عمل اور حال سے جیسے کہ اپنے غیر کو نکالا ہے۔

اسی طرح اپنے نفس کو بھی نکال دیا ہے (کیونکہ وہ نہ اخلاص کا اہتمام کرتا ہے اور نہ اس پر اس کی نظر ہوتی ہے) پس وہ مخلَص (بفتح اللام ۱۲) (یعنی خالص کیا ہوا) ہے اور (اپنے عمل کو) خالص کرنے والے میں اور جو کہ خالص کئے جانے سے خالص ہو چکا ہے بڑا فرق ہے ابوبکر دقاق رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ ہر مخلِص (بکسر اللام کے اخلاص میں یہ نقصان ہے کہ اس کی اپنے اخلاص پر نظر ہوتی ہے پس جب اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا ہے کہ اس کے اخلاص کو خالص کر دیں تو اس کے اخلاص میں سے اس پر نظر ہونے (کے نقصان) کو دور کر دیتے ہیں پس وہ مخلَص (بفتح اللام) ہو جاتا ہے نہ کہ مخلِص (بکسر اللام) ابوسعید خراز نے فرمایا ہے کہ عارفوں (یعنی کاملین ۱۲) کی ریاء مریدوں کے اخلاص سے افضل ہے اور ان کے اس کلام کا مطلب یہ ہے کہ مریدوں کے اخلاص میں تو یہ عیب ہوتا ہے کہ ان کی اپنے اخلاص پر نظر ہوتی ہے اور عارف (کی جو ریاء حقیقت ریاء نہیں ہوتی کیونکہ وہ) اس ریاء سے منزہ ہے جو عمل کو باطل کر دے (لیکن شاید وہ اس وجہ سے اپنے حال اور عمل میں سے کچھ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پاس اس اظہار (کی ضرورت) کا علم کامل ہوتا ہے۔

(مثلاً یہ کہ) کسی مرید کی کشش مقصود ہو (تا کہ وہ اس سے فیض حاصل کرے) یا اسے اپنے حال اور عمل کے ظاہر کرنے میں اخلاص نفس سے کسی خلق کی (مشق اور) محنت (مثلاً یہ کہ حال اور عمل کے ظاہر کرنے سے آدمی اسے ریاء کار کہیں اور یہ آدمیوں کی بدگوئی پر نفس کو صابر بنانا چاہتا ہو) کشی مقصود ہو۔ اور عارفین کے اس معاملہ میں علم دقیق ہوتا ہے کہ دوسرا اس کو نہیں جانتا پس کم علم اس اظہار کو ریاء کے مشابہ سمجھتا ہے حالانکہ وہ ریاء نہیں ہوتی بلکہ وہ اظہار صریح علم (عین معرفت) ہوتا ہے اور وہ اللہ ہی (کی رضاء) کے لئے اور اللہ ہی کے (امر کے) ساتھ ہوتا ہے بغیر اس کے کہ اس میں

نفس کی کچھ شرکت ہو یا کوئی خرابی شامل ہو۔ رویمؒ نے کہا ہے کہ اخلاص یہ ہے کہ صاحب اخلاص اس پر دنیا اور آخرت میں کسی عوض اور دونوں ملکوں میں سے کسی حظ پر راضی نہ ہو (یعنی اس رضاء مذکور کی طرف التفات نہ ہو) اور بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ کمال اخلاص یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے ساتھ دائمی طور پر مشغولی ہونے کی وجہ سے خلق کے دیکھنے کو بھول جائے (اور ان سے اس کی نظروں میں خلق کا وجود نہ رہے) اور ملامتی چونکہ خلق کو دیکھتا ہے (اور اس کی نظروں میں ان کا وجود ہوتا ہے) اس لئے وہ اپنے عمل اور حال کو (ان سے) چھپاتا ہے اور جو کچھ کہ ہم نے پہلے بیان کیا ہے (کہ حق تعالیٰ کے ساتھ ایسی مشغولی ہو کہ مخلوق کی خبر نہ رہے) وہ سب صوفی کے اخلاص کی صفت ہے (نہ کہ ملامتی کے اخلاص کی کیونکہ اس کا اخلاص کامل نہیں ہوتا)۔

اور اسی وجہ سے زقاق رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ ہر مخلِص (بکسر اللام) کی اپنے اخلاص پر ضرور نظر ہوتی ہے اور یہ کمال اخلاص سے نیچے کا درجہ ہے اور اخلاص (کامل) وہی ہے جو کہ (صاحب اخلاص کو اس کا اہتمام نہ کرنا پڑے بلکہ) اللہ تعالیٰ خود اس کی حفاظت فرمائیں حتیٰ کہ اس کو اس پر پورا اتار دیں جعفر خلدی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ میں نے ابوالقاسم جنید رحمۃ اللہ علیہ بغدادی سے دریافت کیا کہ کیا اخلاص اور صدق میں کچھ فرق ہے فرمایا کہ ہاں (ان دونوں میں بڑا فرق ہے) (صدق ملکہ ہے اور اخلاص اس کا اثر ہے ۱۲،) صدق اصل ہے اور وہ اول ہے اور اخلاص (اس کی) فرع ہے اور وہ تابع ہے اور ان دونوں میں فرق ہے اس لئے کہ اخلاص اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ عمل نہ شروع کیا جائے (لیکن صدق عمل شروع کرنے سے قبل بھی ہوتا ہے) پھر فرمایا کہ کئی چیزیں ہیں ایک اخلاص ہے اور ایک مخالصت الاخلاص ہے اور ایک خالصہ ہے مخالصہ کے اندر پس اس (تقسیم) کی بنا پر اخلاص تو ملامتی کا حال ہے اور مخالصت الاخلاص (یعنی اخلاص کا اس پر نظر ہونے سے خالص کرنا) صوفی کا حال ہے اور خالصہ جو مخالصہ کے اندر ہے وہ خالصت الاخلاص کا ثمرہ (اور نتیجہ) ہے۔

اور وہ یہ ہے کہ بندہ اس وجہ سے کہ اپنے قیام (بالطاعات) کو اپنے قیوم کے ساتھ دیکھ رہا ہے اس امر سے بے خبر ہو جائے کہ یہ میرے اعمال ہیں بلکہ (وہ یہ ہے کہ) اپنے قیام ہی کو اس کی خبر نہ رہے اور (اپنے اعمال سے بے خبر ہو جانا) یہی استغراق (یعنی جب تک کہ یہ کیفیت حاصل نہ ہوتی اس وقت تک ذات میں استغراق نہیں ہوتا اور اپنے عمل پر نظر ہونے کی وجہ سے ذات حق سے ایک قسم کا حجاب باقی رہتا ہے اور جب یہ کیفیت پیدا ہو جاتی ہے تو ذات میں استغراق ہو جاتا ہے اور کسی قسم کا حجاب نہیں رہتا ۱۲) ہے ذات میں آثار سے اور طہارت ہے پوشیدگی کی آمیزش سے اور یہ صوفی کا نقد حال ہے اور ملامتی اپنے اخلاص کے مقام میں مقیم ہے (کہ اس کے اہتمام میں مصروف ہے اور (پوشیدگی آمیزش سے) اپنی خلاصی کی حقیقت سے بے خبر ہے اور یہ صوفی اور ملامتی کے درمیان فرق واضح ہے اور خراسان میں ملامتیوں کا ایک گروہ ہمیشہ رہا ہے اور ان کے لئے مشائخ ہیں جو ان کے اصول کو مقرر کرتے ہیں اور ان کے حال کے شروط (اور آداب) ان کو بتاتے ہیں اور ہم نے عراق کے اندر ایسے لوگوں کو دیکھا ہے جو اس طریقہ پر چلتے ہیں مگر وہ ملامتیہ کے نام سے مشہور نہیں ہیں اور اہل عراق کی زبان پر یہ نام بہت کم آتا ہے۔

نقل ہے کہ ایک ملامتی (مجلس) سماع میں مدعو کیا گیا پس وہ شریک نہ ہوا اس سے اس کی بابت پوچھا گیا تو کہا کہ میں اس واسطے حاضر نہیں ہوا کہ اگر حاضر ہوتا تو میرے اوپر وجد ظاہر ہوتا اور مجھے یہ پسند نہیں ہے کہ کسی کو میرا حال معلوم ہو۔ اور منقول ہے کہ احمد بن ابی الحواری نے ابوسلیمان دارانی سے کہا کہ جب میں خلوت میں ہوتا ہوں تو اپنے معاملہ کی ایسی لذت پاتا ہوں جو آدمیوں کی صحبت میں ہونے کے وقت نہیں پاتا انہوں نے فرمایا کہ جب یہ حالت ہے تو تم ضعیف ہو (کہ مخلوق سے نظر نہیں ہٹا سکتے) پس ملامتی ہر چند کہ اخلاص کے دستہ کو پکڑے ہوئے ہے اور صدق کے دستہ کو بچھائے ہوئے ہے ولیکن (نقص کا) ایک بقیہ اس پر باقی رہ گیا ہے کہ وہ مخلوق کو دیکھتا ہے (یعنی

یہ کہ اس کی نظروں میں مخلوق کا وجود ہے اور (گو یہ ایک گونہ نقص ہے مگر) اخلاص اور صدق کے تحقق کا بقیہ (جو اس کے اندر موجود ہے وہ) نہایت (اصل کتاب کی عبارت یہ ہے **وما احسنها من بقية تحقق الاخلاص و الصدق** تامل اور مشورہ کے بعد اس کا جو مطلب ہماری سمجھ میں آیا وہ لکھ دیا گیا اگر کسی صاحب کی سمجھ میں اس سے بہتر مطلب آئے تو وہ اس کے ساتھ لاحق کر دیں ۱۲) اچھی چیز ہے اور صوفی اس بقیہ (یعنی رویت خلق کے بقیہ سے ۱۲ منہ) سے بھی پاک ہوگیا ہے عمل اور ترک کی دونوں طرفوں میں (کہ) مخلوق کے لئے (نہ عمل کرتا ہے) اور نہ ان سے چھپانے کے لئے عمل ترک کرتا ہے اور (یہ اس لئے کہ) اس نے مخلوق کو بالکل برطرف کر دیا ہے اور ان کو فنا اور زوال کی آنکھ سے دیکھا ہے اور اس پر دیباچۂ توحید ظاہر ہوگیا ہے اور اس نے حق تعالیٰ کے اس قول کا راز مشاہدہ کرلیا ہے کہ **کل شیٔ ھالک الا وجھه** (ترجمہ خدا تعالیٰ کی ذات کے سوا ہر شے فانی ہے) جیسے کہ ان میں سے بعض نے اپنی کسی غلبہ کی حالت میں کہا ہے کہ دارین میں اللہ کے سوا کوئی موجود نہیں اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ملامتی دو وجہ سے اخفاء حال کرتا ہے ایک وجہ تو یہ ہے کہ اسے اخلاص اور صدق کا متحقق کرنا مقصود ہوتا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے اور یہ اکمل ہے کہ ایک قسم کی غیرت کی وجہ سے اپنے غیر سے حال کو چھپانا چاہتا ہے اس واسطے کہ جو اپنے محبوب کے ساتھ خلوت کرتا ہے وہ غیر کے اس پر مطلع ہونے کو گوارا نہیں کرتا بلکہ کمال محبت میں تو یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ اسے یہ بھی برا معلوم ہوتا ہے کہ اپنے محبوب کے ساتھ جو اس کی محبت ہے اس پر کوئی مطلع ہو اور یہ حالت گو عالی ہے لیکن صوفی کے مذہب میں عیب اور نقصان ہے۔

پس اس بنا پر ملامتی متصوف پر مقدم ہے اور صوفی سے موخر ہے اور کہتے ہیں کہ اصول ملامتیہ میں سے ایک یہ ہے کہ ذکر چار قسم کا ہوتا ہے ذکر زبان سے اور ذکر قلب سے اور ذکر سر سے اور ذکر روح سے پس جب ذکر روح صحیح ہو جاتا ہے تو سر اور قلب اور زبان ذکر سے بند ہو جاتے ہیں اور یہ ذکر مشاہدہ ہے اور جب ذکر سر صحیح ہو جاتا ہے

تو قلب اور زبان ذکر سے خاموش ہو جاتے ہیں اور یہ ذکر ہیبت ہے اور جب قلب کا ذکر صحیح ہو جاتا ہے تو زبان ذکر سے سست ہو جاتی ہے اور یہ نعمتوں اور انعامات کا ذکر ہے اور جب قلب ذکر سے غافل ہو جاتا ہے تو زبان ذکر کرنے لگتی ہے اور یہ عادت کا ذکر ہے اوران ذکروں میں سے ہر ایک کے لئے ان کے نزدیک ایک ایک آفت ہے پس ذکر روح کی آفت یہ ہے کہ سر کو اس پر اطلاع ہو اور ذکر سر کی آفت یہ ہے کہ قلب کو اس پر اطلاع ہو اور ذکر قلب کی آفت یہ ہے کہ نفس کو اس پر اطلاع ہو اور ذکر نفس (یعنی ذکر زبان) کی آفت یہ ہے کہ اس پر نظر ہو اور اس کی قدر ہو یا اس کے ثواب کو طلب کرے یا (اس کی وجہ سے) کسی درجہ پر پہنچنے کا گمان کرے اور تمام مخلوق میں کم رتبہ کمترین خلائق قدر و قیمت میں ان کے نزدیک وہ شخص ہے جو اس کے اظہار کا ارادہ کرے اور اس سے مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کرنا چاہئے۔

اور اس اصل کا راز جس پر یہ اصل مبنی ہے یہ ہے کہ ان کے گمان میں ذکر روح ذات کا ذکر ہے اور ذکر سر صفات کا ذکر ہے اور ذکر قلب اثر صفات یعنی نعمتوں کا ذکر ہے اور ذکر نفس میں اغراض (یعنی ثواب) پر نظر ہوتی ہے۔

پس ان کے اس قول کے معنی کہ سر مطلع ہو روح (کے ذکر) پر یہ ہیں کہ وہ (اس کلام سے) اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ ذکر ذات کے وقت ذاکر کو بالکل فناء کے ساتھ متحقق ہونا چاہئے (اور جبکہ ذکر روح پر سر کو اطلاع ہوگی تو وہ ذکر ہیبت ہو جائے گا) اور ذکر ہیبت اس وقت میں (ہوگا تو وہ) ذکر صفات ہے (جو کہ) مشعر ہے کہ (ابھی اس میں) ہیبت کا نصیب ہے اور وہ ہیبت کا وجود ہے اور ہیبت کا وجود (ذاکر کے) وجود اور بقیہ کو مقتضی (یعنی ہیبت اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ اپنے وجود کی کچھ خبر ہو پس جب ہیبت ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس کو اپنے وجود کی خبر ہے ۱۲) ہے اور یہ حال فنا کے منافی ہے (پس ذکر روح پر سر کا مطلع ہونا اس کے لئے آفت ہوا) اسی طرح ذکر سر وجود ہیبت ہے اور وہ ذکر صفات ہے

جو کہ مشعر ہے کہ اس کو نصیب قرب حاصل ہے اور (قلب کو اس پر اطلاع ہو گی تو وہ ذکر قلب ہو جائے گا) اور ذکر قلب جو کہ نعمتوں اور انعامات کا ذکر ہے مشعر ہے کہ ابھی اس کو ایک قسم کا بُعد ہے کیونکہ وہ ذکر نعمت کے ساتھ اشتغال ہے اور منعم سے غفلت ہے اور منعم کے دیکھنے سے نعمت کے دیکھنے میں مشغول ہونا ایک قسم کا بُعد مرتبہ ہے اور (اسی طرح ذکر قلب پر نفس کی اطلاع اس کے لئے آفت ہے کیونکہ) نفس کی اطلاع بوجہ ثواب پر نظر ہونے کے عمل کے وجود کو معتد بہ سمجھنا ہے (کیونکہ ثواب پر تو نظر اسی وقت ہو گی جبکہ اپنے عمل کو کسی قابل سمجھے گا) اور یہ حقیقت کے اعتبار سے عین علت (جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں عبارت اس طرح ہے وذالک عین الاعتدال اور ترجمۂ قدیمہ میں عین الاعتدال کا ترجمہ کیا ہے اور وہی مناسب بھی ہے ۱۲) ہے اور یہ اس جماعت کے اقسام ہیں اور بعض ان کے بعض سے اعلیٰ ہیں واللہ اعلم۔

نواں باب

ان لوگوں کے ذکر میں جو صوفیہ کی طرف منسوب ہیں اور واقع میں ان میں سے نہیں ہیں

پس ان میں سے ایک فرقہ تو وہ ہے جو کبھی اپنے کو قلندریہ بتلاتا ہے اور کبھی ملامتیہ اور ملامتی کا حال ہم (پہلے) بیان کر چکے ہیں وہ تو ایک شریف حال اور عزیز مقام ہے جس کی حقیقت ہے سنن اور آثار کو مضبوط پکڑنا اور اخلاص اور صدق کے ساتھ متصف ہو جانا اور اس کو اس سے ذرا بھی علاقہ نہیں جو یہ گمراہ فرقہ گمان کرتا ہے رہے قلندریہ سو اس سے مراد وہ جماعت ہے (جن کی سعی قلب کی پاکی میں ہوتی ہے حتی کہ) ان کے قلوب کی پاکی (اس درجہ کو پہنچتی ہے کہ اس) کی مستی ان پر غالب آجاتی ہے یہاں تک کہ وہ رسوم اور عادات کو (اپنے سے) بالکل مٹا دیتے ہیں اور مجانست اور مخالطۃ کے آداب کی قیود کو (پس پشت) ڈال دیتے ہیں اور صفاء قلب کے میدانوں میں سیر کرتے ہیں۔

پس نماز روزہ کی قسم سے بجز فرائض (اور ضروریات) کے ان کے اعمال کم ہوتے ہیں اور لذات دنیا میں سے جو مباح ہیں کہ شرع نے ان کی رخصت دی ہے ان میں سے کسی کے استعمال میں ذرا باک نہیں کرتے اور اکثر اوقات رخصت ہی کی رعایت پر اکتفا کرتے ہیں اور عزیمت کے حقائق کی طلب نہیں کرتے اور باوجود اس کے (متاع دنیا کے) ذخیرہ نہ کرنے اور کثرت کے ساتھ جمع نہ کرنے (کی صفت) کو مضبوط پکڑے ہوئے ہوتے ہیں اور تنگ گیروں اور زہد اور عبادت میں تشدد

کرنے والوں کے طریقے کے پابند نہیں ہوتے اور خدا کے ساتھ اپنے قلوب سے خوش معاملگی رکھنے پر قانع ہوتے ہیں اور اسی پر اکتفاء کرتے ہیں اور صفاء قلب جو ان کو حاصل ہوتی ہے اس کے سوا طلب مزید کی ان کو رغبت نہیں ہوتی اور فرق ملامتی اور قلندری میں یہ ہے کہ ملامتی کی کوشش تو ہوتی ہے عبادات کے چھپانے میں اور قلندری کی کوشش ہوتی ہے رسوم کے مٹانے میں اور ملامتی ہر قسم کی طاعت اور خیر کا اہتمام کرتا ہے اور اس کے اندر فضیلت سمجھتا ہے ولیکن اپنے اعمال اور احوال کو چھپاتا ہے اور اخفاء حال کے لئے اپنے آپ کو وضع اور لباس اور حرکات اور تمام امور میں عوام کی طرح رکھتا ہے تاکہ کوئی اس کو پہچان نہ لے۔

اور وہ باوجود اس کے طلب مزید کی فکر میں رہتا ہے اور جو کام بھی ایسا پاتا ہے جس سے بندہ کو تقرب حاصل ہوتا ہے اس میں اپنی پوری کوشش صرف کرتا ہے اور قلندری کسی وضع کے ساتھ مقید نہیں ہوتا اور نہ اس کو اس کی پرواہوتی ہے کہ کوئی اس کے حال سے واقف ہو یا واقف نہ ہو اور وہ بجز صفاء قلب کے اور کسی طرف مائل نہیں ہوتا اور صرف وہی اس کا سرمایہ ہے اور صوفی ہر شے کو اس کے موقع میں رکھتا ہے اور تمام اوقات اور احوال کی علم کے موافق تدبیر کرتا ہے خلق کو اس کی جگہ رکھتا ہے اور امر حق کو اس کے مرتبہ میں اور جو بات چھپانی چاہئے اس کو چھپاتا ہے اور جو بات ظاہر کرنی مناسب ہے اس کو ظاہر کرتا ہے اور ہر کام حضور عقل اور صحت توحید اور کمال معرفت اور رعایت صدق واخلاص کے ساتھ اس کے موقع میں کرتا ہے۔

پس ایک فرقہ تو گمراہوں میں سے اپنے کو ملامتیہ کہتا ہے اور صوفیوں کا سا لباس پہنتا ہے تاکہ اس کی وجہ سے صوفیہ کی طرف منسوب ہو حالانکہ ان لوگوں کو صوفیہ سے کچھ بھی علاقہ نہیں بلکہ وہ دھوکے اور مغالطہ میں ہیں اور وہ لباس تو صوفیوں کا سا پہنتے ہیں کبھی تو اس لئے کہ (لوگوں کے اعتراضات سے) بچاؤ (جو نسخہ ہمارے پاس ہے اس میں تو ہے تو قیناً اور مترجم قدیم نے جو ترجمہ کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان

کے نسخہ میں توقیہ ہے اور وہی یہاں مناسب بھی ہے ۱۲) ہو اور کبھی دعویٰ کرنے کے لئے (کہ ہم بھی صوفی ہیں) اور طریقے پر اہل اباحت کے چلتے ہیں اور گمان کرتے ہیں کہ ہمارے قلوب توجہ الی اللہ میں خالص ہو گئے ہیں۔

اور کہتے ہیں کہ اصل کامیابی یہی ہے (کہ قلب توجہ الی اللہ میں خالص ہو جائے) اور رسوم شریعت کا پابند ہونا یہ عوام اور ان لوگوں کا درجہ ہے جو کم فہم ہیں اور (دوسروں کی) تقلید کی وجہ سے اقتداء (بالشریعۃ) کی تنگی میں پھنسے ہوئے ہیں اور یہ (اعتقاد ان کا) بالکل زندقہ اور بد دینی اور (حق سے) دور ہو جاتا ہے اس لئے کہ جس حقیقت کو کہ شریعت رد کر دے وہ زندقہ ہے اور ان گمراہوں نے یہ نہ جانا کہ شریعت عبودیت کا حق ہے اور حقیقت عبودیت کی حقیقت ہے اور جو شخص کہ اہل حقیقت سے ہو جاتا ہے وہ حق عبودیت اور حقیقت عبودیت دونوں کے ساتھ مقید ہو جاتا ہے اور ایسے امور اور زیادات کا مکلف ہو جاتا ہے جس کا وہ شخص مکلف نہیں ہوتا جو اس درجہ کو نہ پہنچا ہو نہ یہ کہ اپنی گردن سے عبدیت کے طوق کو نکال کر آزاد ہو جائے اور اپنے باطن کو کجی اور تحریف کے ساتھ مخلوط کر دے۔

روایت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں سے مواخذہ وحی کے ذریعہ سے کیا جاتا تھا (کہ جو شخص جیسا ہوتا وحی سے اس کا حال بتلا دیا جاتا) اور اس زمانہ میں وحی کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے پس اب ہم تم لوگوں سے مواخذہ تمہارے ان اعمال کے ساتھ کریں گے جو (ہم پر) ظاہر ہوں گے پس جس شخص کے ہم پر نیک اعمال ظاہر ہوں گے ہم اس کو معتبر سمجھیں گے اور اس کو مقرب بنا دیں گے اور ہم کو اس کے اندرونی حالات سے کچھ مطلب نہ ہوگا اس کا حساب خود اللہ تعالیٰ اس سے لیں گے اور جس کے اعمال ہم پر اس کے خلاف ظاہر ہوں گے اس کو معتبر نہ سمجھیں گے گو وہ کتنا ہی کہے کہ میرا باطن اچھا ہے۔

اور ان سے یہ بھی روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص اپنے نفس کو بدگمانی

(کے مواقع) میں ڈالے تو اس کو چاہئے کہ اگر اس کی طرف کوئی بدگمانی کرے تو اس کی کچھ شکایت نہ کرے پس جبکہ ہم کسی شخص کو دیکھیں گے کہ احکام شریعت میں سستی کرتا ہے اور فرض نمازوں کا تارک ہے اور تلاوت اور نماز روزہ کی لذت کی طرف ملتفت نہیں ہوتا اور مکروہ اور محرم مواقع میں داخل ہوتا ہے تو ہم اس کو رد کر دیں گے اور ہرگز قبول نہ کریں گے اور نہ اس کے اس دعویٰ کو مانیں گے کہ اس کا باطن اچھا ہے۔

اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے (ان کے سامنے) معرفت کا ذکر کیا اور کہا کہ جو لوگ عارف باللہ ہوتے ہیں وہ اس درجہ کو پہنچ جاتے ہیں کہ پھر اعمال صالح وتقویٰ ان سے ترک ہو جاتے ہیں پس حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ اس جماعت کا قول ہے کہ جو اعمال کے ساقط ہونے کے قائل ہیں اور یہ میرے نزدیک بہت سخت بات ہے اور جو شخص ایسی بات کہتا ہے وہ عارف تو کیا ہوتا اس سے تو وہ ہی شخص اچھا ہے جو چوری اور زنا کرتا ہے اور جو عارف باللہ ہیں انہوں نے اعمال کو اللہ تعالیٰ سے لیا ہے اور ان میں (مشغولی کے وقت) اسی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اگر میں ہزار برس زندہ رہوں تب بھی میں نیک کاموں میں سے ایک ذرہ کم نہ کروں ہاں اگر کوئی مانع پیش آ جائے۔

تو وہ دوسری بات ہے اور (حصول معرفت کے بعد) یہ اعمال (بیکار نہیں بلکہ وہ) میری معرفت کے زیادہ مؤکد اور میرے حال کے لئے زیادہ موجب قوت ہیں اور انہیں میں سے ایک جماعت ایسی ہے کہ وہ (حق تعالیٰ کے) حلول کے قائل ہیں اور ان کا گمان ہے کہ حق تعالیٰ ان میں حلول کرتا ہے اور ان اجسام میں جن کو وہ پسند کرتا ہے اور ان کے افہام میں بھی وہی بات آتی ہے جو لاہوت (الوہیت ۱۲) اور ناسوت (فانی دنیا) کے بارہ میں نصاریٰ کا اعتقاد ہے (کہ لاہوت نے ناسوت میں حلول کیا) اور ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ اس گمان کی بناء پر خوبصورت چیزوں کی طرف نظر کرنے کو (مثل امارد اور نساء کے) جائز بتلاتے ہیں (اور کہتے ہیں کہ یہ

جمال حق کے مظاہر ہیں) اور ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ جس نے اپنے بعض غلبات میں (اس قسم کے) کلمات کہے ہیں وہ بھی یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ جو ان کا گمان ہے جیسے کہ (ابن منصور) حلاج نے انا الحق کہا تھا اور (جیسے کہ) بایزید رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ انہوں نے سبحانی (ما اعظم شانی) کہا تھا (مگر یہ خیال ان لوگوں کا بالکل غلط ہے) حاشا وکلا کہ ہم بایزید کی شان میں ایسا (بُرا) گمان کریں کہ انہوں نے (یہ بات) کسی اور اعتقاد سے کہی تھی فقط اتنی بات تھی کہ انہوں نے اس کو خدا تعالیٰ سے نقل کرنے کے طور پر فرمایا تھا اور قول حلاج میں بھی ہمیں یہی اعتقاد رکھنا چاہئے اور اگر ہم کو اس کا یقین ہو جاتا کہ انہوں نے حلول کا اعتقاد رکھنے کی وجہ سے یہ بات کہی ہے تو ہم ان کو بھی رد کر دیتے جیسے ان لوگوں کو رد کرتے ہیں۔

البتہ ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی شریعت لائے ہیں جو کہ نہایت روشن پاک صاف ہے جس سے ہر کجی والا مستقیم ہو جاتا ہے (پس ہم کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ ایسی بات کے قائل ہوں جس کی شریعت نے ہم کو تعلیم نہیں دی) اور ہماری عقلوں نے ہم کو بتلا دیا ہے کہ کس شئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا وصف کیا جا سکتا ہے اور کس شئے کے ساتھ نہیں کیا جا سکتا اور اللہ تعالیٰ (عقلا) اس سے پاک ہیں کہ ان میں کوئی شے حلول کرے یا وہ کسی شے کے اندر حلول کریں (اور یہ لوگ حلول کا ایسا جزم کئے ہوئے ہوتے ہیں) کہ یہاں تک نوبت پہنچتی ہے کہ بعض گمراہوں کے اندر پیدائشی ذہانت اور ذکاوت ہوتی ہے اور اس نے (متفرق طور پر) کچھ ایسی باتیں سنی ہوتی ہیں جو کہ اس کے باطن میں قرار پا لیتی ہیں پس (ان سے) کچھ کلمات اس کے ذہن میں مرکب ہو جاتے ہیں جن کو وہ حق تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیتا ہے کہ یہ حق تعالیٰ نے میرے ساتھ گفتگو کی ہے۔ مثلاً کہتا ہے کہ حق تعالیٰ نے مجھ سے یہ کہا اور میں نے انہیں یہ جواب دیا اور یہ شخص دو حال سے خالی نہیں یا تو اس کو نہ اپنے نفس اور حدیث النفس کی خبر ہے اور نہ اپنے رب اور اس کے ساتھ ہم کلامی اور ہم سخنی

کی کیفیت معلوم ہے اور یا اپنے اس قول کے بطلان کو جانتا ہے۔

(مگر) ہواءِ نفسانی اس کو اس بات کے دعویٰ کرنے پر آمادہ کرتی ہے تاکہ (دوسروں کو) اس خیال میں ڈالے کہ اسے کوئی بڑی چیز حاصل ہوگئی اور یہ تمام گمراہی ہے اور اس بات پر اس کے جرأت کرنے کا سبب وہ ہے جو اس نے بعض محققین کے کلام سے خطابات سنے ہیں جو کہ ان پر ایسی حالت میں وارد ہوئے ہیں کہ ان کے معاملات ظاہری و باطنی (کی درستی) پر مدت طویل گزر گئی ہے اور وہ صدق تقویٰ اور کمال زہد فی الدنیا کے ساتھ جو کہ اصول قوم سے ہے متمسک ہوئے ہیں پس جبکہ ان کے اسرار صاف ہوگئے تو ان کے باطن میں ایسے مخاطبات متشکل ہوگئے جو کتاب و سنت کے موافق ہیں۔ پس باطن کے استغراق کے وقت وہ مخاطبات ان پر نازل ہوئے اور وہ (درحقیقت حق تعالیٰ کا) کلام نہیں ہوتے ہیں جس کو انہوں نے (حق تعالیٰ سے) سنا ہو بلکہ وہ ایسے ہوتے ہیں جیسے نفس میں باتیں پیدا ہوا کرتی ہیں اور تامل کرنے سے وہ اس کو کتاب وسنت اور علم کے موافق پاتے ہیں کہ جو اس کے اہل ہیں وہ اس کو سمجھ لیتے ہیں اور وہ (اصل میں) ان کی اور ان کے بواطن کی باہم گفتگو ہوتی ہے پس وہ (ان مخاطبات کے اندر) اپنے نفسوں کے لئے تو مقام عبودیت ثابت کرتے ہیں اور اپنے مولا کے لئے ربوبیت پس جو مخاطبات اپنے باطن میں) پاتے ہیں ان کو اپنے مولا اور اپنے نفسوں کی طرف منسوب کرتے ہیں (کہ میں نے یہ کہا اور حق تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد ہوا اور وہ اس کے ساتھ ہی یہ بھی جانتے ہیں کہ یہ اللہ کا کلام نہیں ہے بلکہ وہ ایک علم حادث ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے بواطن میں پیدا کردیا ہے پس صحیح العقائد لوگوں کا طریقہ اس میں یہ ہے کہ اپنے حدیث النفس سے اللہ تعالیٰ کی طرف گریز کرتے ہیں حتیٰ کہ جب ان (کے قلب) کا میلان ہوائے نفسانی سے پاک ہوجاتا ہے تو اس وقت ان کے باطن میں کچھ باتیں الہام کی جاتی ہیں جیسے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف نسبت کرتے ہیں مثل نسبت حادث کے محدث کی طرف

نہ مثل نسبت کلام کے متکلم کی طرف تاکہ کجی اور تحریف سے محفوظ رہیں اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ توحید کے سمندروں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور اپنے لئے کوئی حرکت اور کوئی فعل ثابت نہیں کرتے بلکہ تمام حرکات وافعال کو اپنے سے) ساقط کرتے اور خدا کی طرف منسوب کرتے) ہیں اور سمجھتے ہیں کہ وہ سب امور پر مجبور ہیں اور حق تعالیٰ کے فعل کے ساتھ ان کے لئے کوئی فعل ثابت نہیں اور (اس خیال کی بناء پر) معاصی اور خواہشات نفسانیہ میں مطلق العنان ہیں اور لااُبالی ہیں۔

دوام غفلت اعتراز باللہ مذہب سے خروج ترک حدود واحکام وحلال وحرام کی طرف میلان رکھتے ہیں یعنی لاابالیانہ زندگی بسر کرتے ہیں خدا کو کبھی بھول کر بھی یاد نہیں کرتے۔ خدا کے متعلق دھوکے میں پڑے ہوئے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہم سے کچھ بازپرس نہ کرے گا۔ دین سے نکلے ہوئے ہیں۔ حدود شرعیہ سے متجاوز اور احکام الٰہیہ کو چھوڑے ہوئے ہیں حلال وحرام کا کچھ خیال نہیں کرتے) حضرت سہل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ایسے شخص کی بابت سوال کیا گیا جو کہتا ہے کہ میں دروازہ کے مثل ہوں اور (ازخود حرکت نہیں کرتا بلکہ) ایسے وقت حرکت کرتا ہوں جبکہ مجھے حرکت دی جاتی ہے تو آپ نے فرمایا کہ ایسی بات دو شخصوں میں سے ایک شخص کہہ سکتا ہے یا تو صدیق یا بے دین۔

کیونکہ صدیق تو یہ بات اصول مذہب کو پختہ کرنے اور حدود عبودیت کو ملحوظ رکھنے کے ساتھ اس امر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہے گا کہ تمام اشیاء کی ہستی وبقاء حق تعالیٰ کے ذریعہ سے ہے (اور وہی ان کے موجود کرنے والے اور وہی ان کے وجود کو باقی رکھنے والے ہیں اور کسب عبد کا خلاف اصول مذہب وخلاف حدود عبودیت ہونے کے سبب انکار نہ کرے گا) اور بے دین شخص اشیاء کو خدا کی طرف منسوب کرنے اور اپنے سے ملامت کو ساقط کرنے اور دین وآثار دین سے نکلنے کے لئے یہ بات کہے گا۔ (تاکہ اس پر کوئی مذہبی پابندی عائد نہ رہے اور وہ جو

چاہے آزادی کے ساتھ کرے اور کوئی اسے ملامت نہ کر سکے) رہا وہ شخص جو حلال وحرام، حدود شرعیہ واحکام الٰہیہ کا اعتقاد رکھتا ہو اور جب اس سے گناہ صادر ہو تو اس کے گناہ اور اپنے گنہگار ہونے کا اقرار کرے اور اس سے توبہ کو اپنے اوپر واجب جانے سو وہ سلیم (العقل) اور صحیح (العقیدہ) شخص ہے اگرچہ اپنی آزادانہ روش کی طرف میلان کے سبب اور بدیں وجہ کہ وہ اپنے ہوائے نفسانی سے (مختلف مقامات کے) سفروں اور (مختلف) شہروں میں گھومنے کی طرف جاتا ہے کوتاہی کے زیر اثر اور لذات وخواہشات نفسانیہ کی تحصیل تک رسائی حاصل کرنے والا ہو اور ایسے شخص کا دامن تھامے ہوئے نہ ہو جو اس کو ادب دے اور مہذب بنادے اور اس کی موجودہ حالت کی خرابی سے اسے واقف کرے (خلاصہ یہ ہے کہ شخص مذکور گو عملاً آزاد جماعت میں داخل ہو مگر چونکہ وہ صحیح العقیدہ ہے اس لئے وہ حقیقت زنادقہ میں داخل نہیں اس لئے اس کی لاابالیانہ روش سے دھوکا کھا کر اس جماعت میں اس کو داخل نہ سمجھا جائے) اور اللہ ہی توفیق دینے والا ہے۔

الحمدللہ حصہ اول جلد اوّل معارف العوارف کا ختم ہوا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمہید....جلد ثانی

معارف العوارف

(ملاحظہ ہو تمہید کتاب ہذا و تمہید جلد اوّل
جو جلد اول کی ابتداء میں ملحق ہے۔ ۱۲ منہ)

اس میں اکتیس باب ہیں جس کے مضامین کی ملخص فہرست یہ ہے:
اعمال....عبادات....سنن....حقوق....مقامات....احوال وارادات

باب سی وسوم

آداب طہارت اور اس کے مقدمات میں

فرمایا حق تعالیٰ نے اصحاب الصفہ کے وصف میں کہ اس مسجد میں (یعنی مسجد قبا میں) ایسے لوگ ہیں جو پاکی حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ پاکی حاصل کرنے والوں کو پسند کرتے ہیں (اس کی) تفسیر میں کہا گیا ہے کہ وہ لوگ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ پاکی حاصل کریں حدث سے اور جنابت سے اور نجاسات سے بذریعہ پانی کے۔ کلبی نے کہا ہے کہ مراد اس سے پیچھے کے مقام کا دھونا ہے پانی سے اور عطا نے کہا ہے کہ وہ لوگ پانی سے استنجا کرتے تھے اور رات کو جنابت کی حالت پر نہ سوتے تھے (بلکہ) اگر سونا ہوتا تھا تو اول غسل کر لیتے تھے) روایت آئی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قباء سے جبکہ یہ آیت نازل ہوئی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے طہارت کے بارہ میں تمہاری تعریف فرمائی ہے۔

سو وہ طہارت کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ ہم پانی سے استنجا کرتے ہیں۔ اور اسکے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرما چکے تھے کہ جب کوئی تم میں سے بیت الخلاء میں جائے تو اس کو تین ڈھیلوں سے استنجا کرنا چاہئے اور ابتدا میں استنجا اسی طرح تھا (اور بوجہ غایت خشک ہونے فضلہ کے پانی کی حاجت نہ ہوتی تھی بلکہ ڈھیلا لینا بھی محض احتیاط ہی تھی) یہاں تک کہ یہ آیت اہل قباء کی شان میں نازل ہوئی (جو کہ بلا حاجت محض زیادت تطییب کے لئے پانی لیتے تھے۔ پھر اوروں نے بھی اس عادت کو اختیار کیا) حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا (یعنی کسی مخالف نے بطور طعن و اعتراض کے کہا) کہ تمہارے پیغمبر نے تم کو سب چیزیں سکھلائی ہیں یہاں تک کہ

پاخانہ پھرنا بھی (جس کو سب جانتے ہیں اور اس میں تعلیم کی کچھ حاجت نہیں بلکہ اسکی تعلیم خلاف تہذیب ہے) حضرت سلمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہاں (ہم کو اس کے متعلق تعلیم دی ہے مگر جو امر طبعی ضروری حسی ہے اس کی تعلیم نہیں دی کہ بلا حاجت یا خلاف تہذیب ہو بلکہ ایسے امور کی تعلیم دی ہے جو بلا تعلیم معلوم ہو نہیں سکتے اور بدون علم کے معمول نہیں ہو سکتے اور انکا معلوم نہ کرنا خلاف تہذیب ہے چنانچہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو اس سے منع فرمایا ہے کہ ہم براز یا بول کے وقت قبلہ کی طرف منہ کریں یا ہم داہنے ہاتھ سے استنجا کریں یا ہم میں سے کوئی تین ڈھیلوں سے کم سے استنجا کرے یا ہم گندگی یا ہڈی سے استنجا کریں (سو اس تعلیم کو کون شخص غیر محتاج الیہ یا خلاف تہذیب کہہ دے گا بلکہ ان آداب کے خلاف کرنا خود خلاف تہذیب ہے بعض باطنی تہذیب کے خلاف جیسے امر اول کے خلاف کرنا بعض ظاہری تہذیب کے خلاف جیسے امور باقیہ کے خلاف) حدیث بیان کی۔

ہم سے ہمارے شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب نے بطور املاء کے فرمایا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو منصور حریمی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو بکر خطیب نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو عمر ہاشمی نے کہا کہ انہوں نے خبر دی ہم کو ابو علی لولوی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو داؤد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ بن محمد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابن المبارک نے ابن عجلان سے انہوں نے قعقاع سے انہوں نے ابو صالح سے انہوں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا انہوں نے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں تمہارے لئے بمنزلہ والد کے ہوں کہ تم کو تمام ضروریات کی تعلیم دیتا ہوں۔ (جیسے والد کی شان ہوتی ہے) سو جس وقت تم میں کا کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے پس وہ شخص نہ منہ کرے قبلہ کی طرف اور نہ پشت کرے اس کی طرف اور اپنے داہنے ہاتھ سے استنجا نہ کرے) اور آپ تین ڈھیلوں (کے لینے) کا حکم فرماتے تھے۔ اور لید اور بوسیدہ (الرمۃ بالکسر

العظام البالیۃ ۱۲ قاموس) ہڈی (سے استنجا کرنے) سے منع فرماتے تھے۔ (اور تازہ ہڈی سے بدرجۂ اولیٰ کہ وہ زیادہ منتفع بہ ہے) اور استنجا میں فرض دو چیزیں ہیں ایک گندگی کا زائل کرنا اور دوسرا اس زائل کرنے والی چیز کا پاک ہونا اور وہ اس طرح ہے کہ وہ گندگی یعنی لید (وغیرہ) نہ ہو اور نہ دوسری بار استعمال کی گئی ہو اور نہ بوسیدہ ہڈی میتہ (وغیرہ) کی ہو۔ اور استنجا کا طاق کرنا سنت ہے پس یا تو تین ڈھیلے ہوں یا پانچ یا سات ہوں اور ڈھیلے کے بعد پانی کا استعمال کرنا سنت ہے۔

اور آیۃ (موصوفہ بالا) میں ارشاد ہوا ہے کہ وہ پاکی حاصل کرنے کو پسند کرتے ہیں اور جب ان سے اس کے متعلق پوچھا گیا تو انہوں نے کہا کہ ہم ڈھیلوں کے بعد پانی لیتے ہیں اور استنجا کرنا بائیں ہاتھ سے سنت ہے اور (اسی طرح) استنجا کے بعد مٹی سے ہاتھ ملنا سنت ہے اور (استنجا) صحرا میں بھی اسی طرح ہوتا ہے جبکہ پاک زمین اور پاک مٹی ہو (تو اس سے نجاست کا ازالہ کرے ناپاک ڈھیلے کا استعمال نہ کرے) اور کیفیت استنجا کی یہ ہے کہ ڈھیلے کو بائیں ہاتھ میں لے اور اس کو موضع خروج نجاست کے اگلے حصہ پر رکھے نجاست لگانے کے قبل (یعنی ایسی جگہ رکھے کہ وہاں نجاست نہ ہو) اور (پھر) اس کو ملتا ہوا (پیچھے کی طرف) لے جاتا ہوا بڑھائے اور اس بڑھانے میں ڈھیلے کو گھمادے تا کہ نجاست ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل نہ ہو جائے۔

اس طرح موضع خروج نجاست کے پچھلے حصہ پر پہنچنے تک کرے اور (پھر) دوسرا ڈھیلہ لے اور اس کو (اول) پچھلے حصہ پر اسی طرح رکھے اور اگلے حصہ کی طرف ملتا ہوا لے آئے اور (پھر) تیسرا ڈھیلہ لے اور اس کو مبرز (فی الاصل المسربۃ وھو الشعر وسط الصدر الی البطن من السرب وھو الطریق ولعل اطلاقہ علی المبرز لکونہ طریقًا للعذرۃ واللہ اعلم ۱۲ منہ) کے گرد گھمائے اور اگر ایسے ڈھیلے سے استنجا کرے جس کے تین گوشہ ہوں (اور ہر گوشہ سے یکے بعد دیگرے صاف کرلے تب بھی) جائز ہے۔ رہ گیا چھوٹا

استنجا (سو) جس وقت پیشاب ختم ہوجائے بس اپنے اندام کو جڑ سے موقع ختنہ تک نرمی کے ساتھ تین بار دباتا ہوالائے تا کہ (سخت دبانے سے) بقیہ بول اچھل کر نہ نکلے پھراس کوتین بارجھاڑے۔ اور چھوٹے استنجا میں خوب صفائی کرنے کے ذریعہ سے احتیاط کرے اور وہ (خوب صفائی) یہ ہے کہ تین بار کھنکار دے کیونکہ رگیں حلق سے ذکر تک متصل چلی آئی ہیں اور کھنکارنے سے وہ متحرک ہوتی ہیں۔

اور پیشاب کے موقع میں جو کچھ ہے اس کو خارج کر دیتی ہیں پھر اگر چند قدم چل بھی لے اور کچھ زیادہ کھنکار بھی لے تو کچھ مضائقہ نہیں لیکن حد علم (شریعت) کی رعایت رکھے اور شیطان کا اپنے اوپر وسوسہ سے تسلط نہ کرلے جس سے وقت ضائع کرنے لگے پھر ذکر کو تین دفعہ یا زیادہ دفعہ پونچھ ڈالے یہاں تک کہ رطوبت نظر نہ آئے اور بعض (اہل علم) نے ذکر کو تھن سے تشبیہ دی ہے اور کہا ہے کہ اس کو جب تک کھینچتے رہو برابر اس سے رطوبت نکلتی رہتی ہے اس لئے اس میں حد (شرعی) کی رعایت رکھے اور اس میں طاق (عدد) کی بھی رعایت کرے اور اس کا کئی بار پونچھنا (جس کا اوپر ذکر آیا ہے) پاک زمین یا پاک ڈھیلے پر ہونا چاہئے اور اگر ڈھیلا چھوٹا ہو اور اس لئے اس کے (ہاتھ میں) لینے کی حاجت ہوتو ڈھیلے کو داہنے ہاتھ سے تھامے اور ذکر کو بائیں ہاتھ سے اور (پھر اس کو) ڈھیلے پر ملے۔ اور یہ (ملنے کی) حرکت بائیں ہاتھ سے ہونا چاہئے نہ کہ داہنے ہاتھ سے تا کہ داہنے ہاتھ سے استنجا کرنے والا نہ بنے (یہ اس وقت ہے کہ ایسا چھوٹا ڈھیلہ نہ ملے کہ ایک ہی ہاتھ سے بدن کو اور اس ڈھیلے کو لے سکے ورنہ داہنے ہاتھ کو بالکل نہ لگائے اور بائیں ہاتھ سے ڈھیلے کو بدن سے مل لے جیسا اس وقت عام معمول ہے) اور جب پانی کے استعمال کا ارادہ کرے تو دوسری جگہ ہٹ جائے (مطلب یہ کہ جس جگہ پیشاب کیا ہے وہاں ہی پانی نہ لے) اور ڈھیلے پر بھی قناعت (یعنی کفایت) ہوسکتی ہے اگر حشفہ پر پیشاب نہ پھیل گیا ہو () صرف سوراخ ہی کے مقابل رہا ہو) تو اس صورت میں پانی لینا ضروری نہیں گو

تنظیف کے لئے بہتر ہے اور چھوٹے استنجا میں پاکی نہ کرنے پر وعید ہے جو عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایت میں وارد ہوئی ہے۔

انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دو قبروں پر گزر ہوا اور آپ نے فرمایا کہ یہ دونوں معذب ہو رہے ہیں۔ اور کسی بڑی بات میں معذب نہیں ہو رہے ہیں (یعنی وہ ایسی بات نہ تھی جس سے بچنا مشکل ہوتا) سو یہ ایک شخص تو پیشاب سے صفائی یا کہ فرمایا احتیاط نہیں کرتا تھا۔ اور رہا یہ دوسرا شخص سو چغلی لے جاتا تھا پھر آپ نے ایک تر شاخ خرما منگا کر اور اس کو بیچ میں سے دو حصہ چیر کر ایک کو ایک قبر پر اور ایک کو ایک قبر پر گاڑ دیا اور فرمایا کہ شاید ان دونوں مردوں سے (عذاب میں) تخفیف ہو جائے جب تک کہ یہ دونوں شاخیں خشک نہ ہوں اور (منجملہ کیفیت استنجا کے یہ بھی ہے کہ) جب کھلے میدان میں ہو تو (دیکھنے والوں کی) نگاہوں سے دور ہو جائے۔

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب براز کا ارادہ فرماتے تو (برابر) چلتے رہتے یہاں تک کہ آپ کو کوئی نہ دیکھتا تھا اور مغیرہ بن شعبہ نے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھا سو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت (ضروریہ) کی طرف تشریف لائے اور چلنے میں دور چلے گئے اور روایت کیا گیا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی حاجت (ضروریہ) کے لئے اس طرح سے (اہتمام کے ساتھ) موقع مناسب ڈھونڈتے تھے جس طرح کوئی شخص اترنے کی (اور ٹھہرنے کی) جگہ (اہتمام سے) ڈھونڈا کرتا ہے اور آپ دیوار کی یا بلندی زمین کی یا پتھر کے ٹیلہ کی آڑ لیتے تھے اور یہ بھی جائز ہے کہ کوئی شخص اپنی سواری کی اونٹنی کی یا اپنے دامن کی آڑ بنا لے جبکہ کپڑے کو چھینٹ سے محفوظ رکھے اور پیشاب کرنا نرم زمین میں یا ریتلی مٹی پر مستحب ہے۔

ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا۔ آپ نے پیشاب کرنے کا ارادہ فرمایا سو ایک نرم جگہ میں ایک دیوار کی جڑ میں

تشریف لائے اور پیشاب کیا پھر ارشاد فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی شخص پیشاب کرنا چاہے تو اس کو لازم ہے کہ اپنے پیشاب کے لئے جگہ ڈھونڈے اور یہ بھی چاہئے کہ قبلہ کی طرف نہ منہ کرے اور نہ اس کی طرف پشت کرے اور سورج اور چاند کی طرف بھی منہ نہ کرے۔ اور عمارات (یعنی آبادی) میں قبلہ کی طرف منہ کرنا (امام شافعی کے نزدیک کہ صاحب عوارف ان کے مذہب پر ہیں) مکروہ نہیں اور اولیٰ (ان کے نزدیک بھی) اس سے اجتناب کرنا ہے کیونکہ بعض مجتہدین (مثل امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے جن کے مذہب پر ہم لوگ ہیں) عمارات میں بھی اس کی کراہت کی طرف گئے ہیں اور اپنا کپڑا نہ اٹھائے جب تک کہ زمین سے بالکل قریب نہ ہو جائے اور ہوا کے چلنے کے رخ سے بچے تا کہ چھینٹوں سے حفاظت رہے۔

ایک شخص نے بعض صحابہ سے جو کہ بدوی تھے کسی تکرار کی حالت میں (طعن سے) کہا کہ میں تم کو خیال نہیں کرتا کہ تم پائخانہ پھرنا بھی جانتے ہو۔ اس صحابی اعرابی نے کہا کیوں نہیں جانتا۔ قسم تیرے باپ کی میں اس کا خوب ماہر ہوں اس شخص نے کہا کہ اچھا تو اس کو میرے سامنے بیان کرو انہوں نے کہا کہ آدمیوں سے دور ہو جاتا ہوں اور ڈھیلے مہیا کر لیتا ہوں اور شیخ کی طرف (کہ ایک قسم کا جھاڑ ہے یا اور کسی نبات کی طرف) منہ کر لیتا ہوں (تا کہ پردہ رہے) اور ہوا کی طرف پشت کرتا ہوں (تا کہ چھینٹ سے احتیاط رہے) اور اکڑو بیٹھتا ہوں ہرن کی طرح (یعنی ایڑیوں پر بیٹھتا ہوں تا کہ سرین زمین سے الگ رہ سکے) اور سرین (فی الاصل اجفل فی القاموس جفل اللحم عن العظم نحاہ الی قولہ والظلیم جفولا اسرع وذھب فی الارض کاجفل ۱ھ ولعل اجفل قد یجیئ بمعنی جفل کما ان جفل قد یجیئ بمعنی اجفل ۱۲منہ) اونچا رکھتا ہوں شتر مرغ کی طرح (یہ تفسیریں خود صاحب عوارف نے بڑھائی ہیں۔

اور اس قصہ میں جو باپ کی قسم آئی ہے تو مراد اس سے قسم کھانا نہیں ہے بلکہ اس

سے کلام کا موکد کرنا عرب کا محاورہ تھا) اور استنجا سے فارغ ہونے کے بعد (یعنی جب اس موقعہ سے جدا ہوکر کپڑا درست کرے) یہ پڑھے **اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد وطھر قلبی من الریاء وحصن فرجی من الفواحش.** اور غسل خانہ میں پیشاب کرنا مکروہ ہے۔ روایت کیا ہے عبداللہ بن مغفل نے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کوئی شخص اپنے جائے غسل میں پیشاب کرے اور فرمایا ہے کہ اکثر وسواس اس سے ہوتے ہیں۔ اور ابن المبارک نے فرمایا ہے کہ جائے غسل میں پیشاب کرنے میں توسع ہے جب اس میں پانی بالکل بہہ جائے (اور ذرا نہ ٹھہرے) اور جب (طہارت حاصل کرنے والا) آبادی میں ہو تو اپنے بائیں پاؤں کو بیت الخلاء کے داخل ہونے کے وقت آگے رکھے اور داخل ہونے کے قبل یہ کہے۔ **بسم اللہ اعوذ باللہ من الخبث والخبائث.**

حدیث کی ہم سے ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی نے۔ فرمایا انہوں نے خبر دی ہم کو ابومنصور مقری نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوبکر خطیب نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوعمرو ہاشمی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوعلی لولوی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوداؤد نے۔ کہا انہوں نے خبر دی ہم کو عمرو نے اور وہ ابن مرزوق بصری ہیں۔ کہا انہوں نے حدیث کی ہم سے شعبہ نے قتادہ سے انہوں نے نضر بن انس سے انہوں نے زید بن ارقم سے انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے فرمایا کہ یہ حشوش محتضر ہیں (یعنی پاخانے شیاطین کی آمد کی جگہیں ہیں) سو جب تم میں کا کوئی شخص بیت الخلاء میں جائے تو اسکو یہ کہہ لینا چاہئے **اعوذ باللہ من الخبث والخبائث.**

اور اصل معنی حشوش کے گنجان کھجوروں کا جھنڈ ہے گھروں میں پاخانوں کے بنانے سے پہلے ان کی آڑ میں بیٹھ کر لوگ قضائے حاجت کیا کرتے تھے۔ (اس لئے پاخانوں کو حشوش کہا گیا) اور محتضر جو فرمایا ہے اس کے معنی یہ ہیں کہ ان میں شیاطین حاضر ہوتے ہیں۔ اور قضائے حاجت کے لئے بیٹھنے کی حالت میں بائیں

پاؤں پر زور دے۔ اور ہاتھ سے کوئی فضول (فی القاموس ولع استخف ۱۲ منہ) مشغلہ نہ کرے اور نہ زمین میں یا دیوار میں بیٹھے ہوئے لکیریاں کھینچے اور نہ اپنے ستر کو کثرت سے دیکھے لیکن اگر اس کی کوئی ضرورت (شدید) ہو تو خیر۔ اور (اس حالت میں) باتیں بھی نہ کرے کیونکہ وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ ایسا نہ کرنا چاہئے کہ دو شخص پائخانہ پھرنے کے لئے باہر جائیں اور اپنے ستر کھولے ہوئے ہوں اور (اس حالت میں) باتیں کرتے ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس (حرکت) پر ناخوش ہوتا ہے۔ اور (پائخانہ سے) نکلتے وقت یہ کہے۔ **غفرانک الحمدللہ الذی اذھب عنی مایوذینی وابقی علے ماینفعنی.** اور اپنے ساتھ ایسی کوئی چیز نہ لے جائے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام ہو خواہ سونا ہو (مثلاً اشرفی ہو کہ اس پر اللہ تعالیٰ کا نام منقش ہو) خواہ انگشتری ہو یا اور کچھ ہو اور برہنہ سر بھی نہ جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے باپ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سے حیا کیا کرو۔ چنانچہ میں پائخانہ میں جاتا ہوں سو اپنی کمر کو (دیوار سے) چمٹا لیتا ہوں اور سر کو ڈھانک لیتا ہوں حق تعالیٰ سے شرم کرنے کی وجہ سے۔

باب سی وچہارم

وضو کے آداب اور اسرار میں

جب وضو کا ارادہ کرے اول مسواک کرے۔ حدیث کی ہم سے ہمارے شیخ ابو النجیب نے فرمایا انہوں نے خبر دی ہم کو ابو عبداللہ طائی نے کہا خبر دی ہم کو حافظ فراء نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو عبدالواحد بن احمد ملیحی نے کہا خبر دی ہم کو ابو منصور محمد بن احمد نے۔ کہا خبر دی ہم کو ابو جعفر محمد بن احمد بن عبدالجبار نے کہا حدیث کی ہم سے حمید بن زنجویہ نے کہا حدیث کی ہم سے یعلی بن عبید نے کہا حدیث کی ہم سے محمد بن اسحاق نے محمد بن ابراہیم سے انہوں نے ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے زید بن خالد جہنی سے۔ فرمایا انہوں نے ارشاد فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ اگر میں اپنی امت پر مشقت نہ سمجھتا تو عشاء کو ثلث شب تک موخر کرتا (یعنی اس کو اس وقت تک موخر کرنے کا حکم دیتا) اور ان کو ہر فرض کے وقت مسواک کرنے کا حکم کرتا۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مسواک منہ کے طاہر ہونے کا سبب ہے اور پروردگار کے راضی ہونے کا ذریعہ ہے۔

اور حضرت حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب شب کو اٹھتے تھے تو اپنا دہن مبارک مسواک سے صاف کرتے تھے۔ (حدیث میں یشوص کا لفظ ہے) شوص کے معنی دلک (دلک کے معنٰی ملنا ۱۲) کے ہیں اور مسواک کرنا مستحب ہے ہر نماز کے وقت اور ہر وضو کے وقت اور جب کبھی منہ میں تغیر ہو جائے منہ بند رہنے سے (اس عبارت میں لفظ ازم آیا ہے) اور اصل معنی ازم کے دانتوں کا ایک دوسرے پر بند کرنا ہے اور سکوت کو بھی ازم کہتے ہیں۔ اس لئے کہ

(سکوت میں) دانت ایک دوسرے پر بند ہو جاتے ہیں۔ اور اس سے منہ میں تغیر ہو جاتا ہے اور مسواک کرنا روزہ دار کو بعد زوال (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک) مکروہ ہے اور قبل زوال اس کو بھی مستحب ہے۔

(اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ہر وقت مستحب ہے قبل زوال بھی اور بعد زوال بھی) اور غسل جمعہ کے ساتھ اور شب خیزی کے وقت مسواک کرنا زیادہ مستحب ہے اور خشک مسواک کو پانی سے تر کر لے۔

اور مسواک (منہ کے) عرض اور طول دونوں میں کرے۔ اور اگر ایک ہی پر کفایت کرنا چاہے تو عرض میں کر لے پھر جب مسواک سے فارغ ہو جائے تو اس کو دھو ڈالے اور وضو کے لئے بیٹھے اور اولیٰ یہ ہے کہ (وضو کے وقت) قبلہ رخ ہو اور بسم اللہ الرحمن الرحیم کے ساتھ (وضو) شروع کرے اور یہ بھی کہے رب اعوذبک من همزات الشیاطین واعوذبک رب ان یحضرون. اور ہاتھ دھونے کے وقت یہ کہے اللهم انی اسألک الیمن والبرکة واعوذبک من الشوم والهلکة۔ اور کلی کے وقت یہ کہے اللهم صلّ علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد واعنی علی تلاوة کتابک وکثرة الذکرلک اور ناک میں پانی دینے کے وقت یہ کہے اللهم صلی علی محمد وعلیٰ اٰل محمد واوجدنی رائحة الجنة وانت عنی راض اور ناک جھاڑنے کے وقت یہ کہے اللهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد واعوذبک من روائح النار وسوء الدار اور منہ دھوتے وقت یہ کہے اللهم صلی علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد وبیض وجهی یوم تبیض وجوه اولیائک ولا تسود وجهی یوم تسود وجوه اعدائک اور داہنا ہاتھ دھونے کے وقت یہ کہے۔

اللهم صل علیٰ محمد وعلیٰ اٰل محمد واٰتنی کتابی بیمینی وحاسبنی حسابا یسیرا. اور بایاں ہاتھ دھونے کے وقت یہ کہے اللهم انی

اعوذبک ان تولینی کتابی بشمالی او من وراء ظهری اور سر پر مسح کرنے کے وقت یہ کہے اللھم صلی علٰی محمد وعلٰی ال محمد وغشنی رحمتک وانزل علٰی من برکاتک واظلنی تحت ظل عرشک یوم لاظل الاظل عرشک اور دونوں کانوں کے مسح کے وقت یہ کہے اللھم صل علی محمد وعلٰی ال محمد واجعلنی من یسمع القول فیتبع احسنه اللھم اسمعنی منادی الجنة مع الابرار. اور گردن کے مسح کے وقت یہ کہے اللھم فک رقبتی من النارواعوذبک من السلاسل والا غلال۔ اور داہنا پاؤں دھوتے وقت یہ کہے اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد وثبت قدمی علی الصراط مع اقدام المؤمنین۔

اور بایاں پاؤں دھوتے وقت یہ کہے اللھم صلی علی محمد وعلی ال محمد واعوذبک ان تزل قدمی عن الصراط یوم تزل فیه اقدام المنافقین اور جب وضو سے فارغ ہوتو اپنا سر آسمان کی طرف اٹھائے اور یہ کہے اشهد ان لا اله الا الله وحده لاشریک له واشهد ان محمدا عبده ورسوله سبحانک اللھم وبحمدک لا اله الا انت عملت سوء وظلمت نفسی استغفرک واتوب الیک فاغفرلی وتب علیّ انک انت التواب الرحیم ۔ اللھم صلی علی محمد وعلٰی محمد واجعلنی من التوابین واجعلنی من المتطهرین واجعلنی صبورا شکورا واجعلنی اذکرک کثیرا واسبحک بکرة واصیلا۔

اور فرائض وضو کے یہ ہیں۔ نیت کرنا منہ دھونے کے وقت (یہ امام شافعیؒ کے نزدیک ہے اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نیت کرنا وضو میں فرض نہیں ہے۔ یعنی بدون اس کے بھی ہوجائے گا۔ البتہ ثواب نہ ہوگا) اور ایک (فرض) منہ دھونا ہے اور منہ کی حد (لمبائی میں) چہرہ کا پورا سطح منتہی ذقن تک اور جس قدر داڑھی ظاہر ہو اور جس قدر

لٹکی ہو یہ سب ہے (اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جتنی داڑھی چہرہ کے مقابل ہے وہ چہرہ کا جزو ہے اور جو نیچے لٹکی ہے وہ اس کا جزو نہیں ہے۔ البتہ اس کا دھولینا بہتر ہے۔ خصوص خروج عن الخلاف کے لئے احتیاط ہے) اور کان سے کان تک چوڑائی میں اور (چہرہ کے) دھونے میں وہ سفیدی بھی داخل ہے جو کانوں اور داڑھی کے درمیان میں ہوتی ہے۔ اور جتنے حصہ (مقدم سر) کے بال (کسی عارض سے) اُڑے ہوئے ہوں (وہ بھی دھونے کے حکم میں داخل ہیں) اور جو حصہ (طرفین جبہ کا) بالوں سے کھلا ہوا ہو۔ اور مراد اس (حصہ اخیر) سے دو جانبین ہیں سر کی (یعنی جو پیشانی کے دونوں جانب ہیں) اور ان کا دھونا چہرہ کے ساتھ مستحب ہے (مطلب یہ ہے کہ دھونا تو ان کا فرض ہے۔ لیکن اگر چہرہ کے ساتھ نہ دھویا بلکہ پہلے پیچھے دھولیا تب بھی فرض ادا ہو جائے گا لیکن اگر چہرہ کے ساتھ ہی دھولے تو مستحب ہے) اور تحذیف (فی القاموس حذفہ استقطع ومن شعرہ اخذہ ۱۲ منہ) کے بالوں تک پانی پہنچائے اور وہ (تحذیف) وہ مقدار (بالوں کی) ہے جس کو عورتیں چہرہ سے چن ڈالتی ہیں (غالبًا پیشانی فراخ کرنے کے لئے آگے کے بال کچھ نوچ ڈالتی ہوں گی تو ان بالوں کے نوچنے کے بعد جو بال حد سر پر ہوتے ہیں۔

شیخ کا مطلب یہ ہے کہ وہاں تک پانی پہنچائے) اور ریش بچہ اور بروت اور ابرو اور عذار تک پانی پہنچائے (عذار وہ بیاض ہے جو کان اور داڑھی کے درمیان ہے) اور اس کے ماسوا (کا دھونا) فرض نہیں پھر داڑھی اگر غیر گنجان ہو تو جلد تک پانی پہنچانا فرض ہے اور غیر گنجان کی حد یہ ہے کہ اس کے نیچے کی جلد نظر آئے اور اگر گنجان ہو تو (اس کے اندر کی جلد تک پانی پہنچانا) فرض نہیں اور گوشہ چشم میں جہاں سرمہ آ کر جمع ہو جاتا ہے اس کے صاف کرنے میں اہتمام کرے۔ تیسرا فرض دونوں ہاتھوں کا دھونا ہے دونوں کہنیوں تک (اور چونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت فرض نہ تھی اس لئے یہ دوسرا فرض ہے) اور اس دھونے میں کہنیوں کا داخل کرنا بھی فرض ہے اور

دونوں ہاتھوں کا آدھے آدھے بازو تک دھونا مستحب ہے۔

اور اگر ناخن لمبے ہوں یہاں تک کہ سرانگشتوں (کی حد) سے آگے بڑھ گئے ہوں قول اصح پر ان کے اندر سے دھونا فرض ہے۔ چوتھا فرض مسح ہے سر کا (اور چونکہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت فرض نہیں۔ اس لئے یہ تیسرا فرض ہوگا) اور (فرض مسح کے ادا ہونے میں) وہ مقدار کافی ہے جس پر مسح کا اطلاق آسکے (یہ شافعی کا مذہب ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چوتھائی سر کا مسح فرض ہے) اور (بالاتفاق) پورے سر کا مسح سنت ہے۔ اور وہ اس طرح ہے کہ داہنے ہاتھ کی انگلیوں کے پورے بائیں سے ملائے۔ اور ان دونوں کو سر کے آگے کے حصہ پر رکھے اور دونوں کو قفا تک لے جائے۔ پھر ان کو اسی جگہ لائے جس سے شروع کیا تھا۔ اور آگے کو لاتے ہوئے۔ اور پیچھے کو لے جاتے ہوئے دونوں کف دست کی تری کو نصف نصف استعمال کرے۔ اور پانچواں فرض دونوں قدموں کا دھونا ہے (اور چونکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک نیت فرض نہیں۔ لہٰذا یہ چوتھا فرض ہوگا) اور دھونے میں دونوں ٹخنوں کا بھی داخل کرنا فرض ہے اور ان دونوں کا نصف ساقین تک دھونا مستحب ہے۔ اور قدموں (فی القاموس وکصبور الھبوط والصعود ضد ۱۲ منہ) کو اوپر سے کعبین سے دھوتا ہوا آئے (اس میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب کی تحقیق کر لی جائے) اور جو انگلیاں بہت ملی ملی ہوں ان کا خلال فرض ہے۔

پس اپنے بائیں ہاتھ کی خنصر سے خلال کرے قدم کے اندر کی جانب سے اور اپنے داہنے پاؤں کی خنصر سے شروع کر کے بائیں پاؤں کی خنصر پر ختم کر دے اور اگر پیروں میں شقوق یعنی پھٹن ہو تو اس کے اندر پانی پہنچانا فرض ہے (جبکہ مضر نہ ہو) اور اگر اس پھٹن کے اندر آٹا یا چربی بھر رکھی ہے تو اس کے جرم کا ازالہ فرض ہے (جبکہ مضر نہ ہو) چھٹا فرض ترتیب ہے اسی سلسلہ سے جو کلام اللہ میں مذکور ہے (یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک فرض نہیں۔ البتہ سنت ہے) ساتواں فرض پیاپی دھونا ہے۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے قدیم قول میں (امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ بھی فرض نہیں) اور حد اس تفریق کی جو پیاپے ہونے کو قطع کردے (دھوئے ہوئے) عضو کا خشک ہوجانا ہے اعتدال ہوا کی حالت میں۔

اور سنن وضو کے تیرہ ہیں۔ ابتدائے وضو میں بسم اللہ کہنا۔ اور (ابتدائے وضو میں) دونوں ہاتھ گٹوں تک دھونا۔ اور کلی کرنا۔ اور ناک میں پانی ڈالنا۔ اور ان دونوں میں مبالغہ کرنا سو کلی میں تو غرغرہ کرے یہاں تک کہ پانی کو حلق (فی القاموس الخلصمة اللحمة بين الراس والعنق والعجرة علی ملتقی اللهاة والمری او اصل اللسان ۱۲ منہ) کی جڑ تک لے جائے۔

اور استنشاق میں پانی کو سانس کی مدد سے ناک کے بانسہ تک لے جائے اور اگر روزہ دار ہو تو اس میں مبالغہ نہ کرے۔ اور گنجان داڑھی کا خلال کرنا اور کشادہ انگلیوں کا خلال کرنا اور داہنی جانب سے شروع کرنا اور غرہ کا طویل کرنا (غرہ کہتے ہیں سفیدی کو حدیث میں ہے کہ اعضاء وضو قیامت میں سفید ہوں گے۔ مطلب یہ ہوا کہ مرفقین اور کعبین سے آگے تک دھونا) اور پورے سر کا مسح کرنا۔ اور دونوں کانوں کا مسح کرنا۔ اور تین تین بار (اعضاء کا دھونا اور قول جدید میں پیاپے دھونا اور تین بار سے زیادہ دھونے سے اجتناب کرے اور ہاتھ نہ جھٹکے اور اثناء وضو میں کلام نہ کرے۔ اور منہ پر زور سے پانی نہ مارے اور تازہ وضو کرنا مستحب ہے بشرطیکہ (پہلے) وضو سے کچھ نماز پڑھ چکا ہو جس قدر بھی میسر ہوئی ورنہ مکروہ ہے (اور ایک قول ہمارے علماء حنفیہ کا اس میں یہ بھی ہے کہ یا تو پہلے وضو سے کوئی نماز پڑھی ہو یا اور کوئی عبادت مقصودہ جس کے لئے وضو شرط ہے کی ہو)

باب سی و پنجم

وضو کے آداب
متعلقہ باہل خصوصیت وصوفیہ میں

صوفیہ کا عملی ادب وضو کے بارہ میں بعد اہتمام معرفت احکام کے یہ ہے کہ اعضاء دھونے کے وقت قلب حاضر رہے۔ میں نے بعض صالحین سے سنا ہے کہتے تھے کہ جب وضو میں قلب حاضر ہوتا ہے تو نماز میں بھی حاضر ہوتا ہے۔ اور جب وضو میں سہو ہوتا ہے تو نماز میں بھی وسوسہ آتا ہے۔ منجملہ آداب صوفیہ کے (وضو کے متعلق) وضو پر مداومت رکھنا ہے اور وضو مومن کا ہتھیار ہے (بمقابلہ شیطان کے) اور جب جوارح وضو کی پناہ میں ہوں گے جو کہ اثر شرعی ہے تو شیطان کی آمدان پر کم ہوگی (اس لئے اس پر دوام مناسب ہے جیسا دشمن چالاک سے اندیشہ رکھنے والا ہر وقت ہتھیار پاس رکھتا ہے) عدی بن حاتم (صحابی) فرماتے ہیں کہ جب سے میں اسلام لایا ہوں کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی نماز کی اقامت ہوئی ہو اور مجھ کو وضو نہ ہو اور انس بن مالک (صحابی) فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ میں تشریف لائے۔

میں اس وقت آٹھ برس کا تھا آپ نے مجھ سے فرمایا بیٹا اگر تم ایسا کرسکو کہ ہمیشہ باوضو رہو تو ایسا کرو کیونکہ جس شخص کو موت اس حالت پر آجائے کہ وہ وضو سے ہو تو اس کو شہادت نصیب ہوگی سو عاقل کی شان یہ ہے کہ ہمیشہ موت کے لئے آمادہ رہے۔ اور منجملہ آمادگی کے لزوم وضوء ہے اور حصری سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا۔ جب رات کو میری آنکھ کھل جاتی ہے تو پھر مجھ پر نیند غلبہ (قولہ لایحملنی

فی القاموس الحملة الكرة فی الحرب ۱۲ منه) نہیں کرتی جب تک کہ میں اُٹھ کر تازہ وضونہیں کر لیتا تا کہ بے وضو ہونے کی حالت میں دوبارہ مجھ کو نیند نہ آجائے اور میں نے ایسے شخص سے سنا ہے جو شیخ علی بن الہیثمی کی صحبت میں رہا تھا کہ شیخ تمام رات بیٹھے رہتے تھے اور اگر نیند کا غلبہ ہوتا تھا تو بھی اُسی طرح بیٹھے رہتے تھے اور جب (اس حالت سے) آنکھ کھلتی تو (باوجودیکہ اس سونے سے وضونہیں ٹوٹتا تھا مگر) یوں فرماتے کہ میں بے ادبی کرنے والا نہ ہوں گا۔ پھر اُٹھ کر تازہ وضو کرتے اور دو رکعت پڑھتے (یعنی بیٹھ کر سونے کے بعد بھی وضو نہ کرنے کو سوءِ ادب سمجھتے)۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نماز فجر کے وقت فرمایا اے بلال تم مجھ سے (اپنے) اس عمل کا بیان کرو جو سب عملوں سے زیادہ محل توقع ہو۔ اور تم نے حالت اسلام میں اس کو کیا ہو (محل توقع سے یہ مراد کہ اس عمل پر تم کو زیادہ اُمید ثواب کی ہو) کیونکہ میں نے تمہارے نعلین کی آواز (جو چلتے وقت ہوتی ہے) اپنے آگے جنت میں سنی ہے (یہ آگے چلنا ایسا ہے جیسا خاص خدام سلاطین کے آگے چلتے ہیں اور اس سے متبوع نہیں ہو جاتے لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خادمیت خاصہ کا تعلق ہو جانا یہ بھی تو بڑا شرف ہے۔ اسی واسطے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمل سے سوال فرمایا جس سے یہ مرتبہ نصیب ہوا) انہوں نے عرض کیا کہ میں نے کوئی عمل حالت اسلام میں ایسا نہیں کیا جو میرے نزدیک اس سے زیادہ محل توقع ہو کہ میں نے کبھی کسی وقت میں رات کو یا دن کو وضو نہیں کیا کہ اس وضو سے اپنے رب کے لئے نماز پڑھی ہو۔ جس قدر میرا نماز پڑھنا مقدر تھا۔ (مراد اس سے تحیۃ الوضوء ہے۔

اور مقدر سے مراد یا تو یہ ہے کہ کبھی دو رکعت پڑھی کبھی زیادہ کیونکہ نوافل میں توسع ہے اور یا مراد یہ ہے کہ کبھی طویل رکعتیں پڑھیں کبھی قصیر) اور منجملہ آداب صوفیہ کے وضو کے متعلق پانی میں اسراف کا ترک کرنا اور علم (شرعی) کی حد پر توقف

کرنا ہے خبر دی ہم کو شیخ عالم ضیاء الدین عبدالوہاب بن علی نے۔ انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابوالفتح ہروی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابونصر تریاقی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابومحمد جراجی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابوالعباس مجهولی نے کہا انہوں نے خبر دی ہم کو ابوعیسے ترمذی نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے محمد بن بشار نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے ابوداؤد نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے خارجہ بن مصعب نے یونس بن عبید سے انہوں نے حسن سے انہوں نے یحیٰ بن حمزہ سعدی سے۔ انہوں نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے انہوں نے جناب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے، آپ نے فرمایا کہ وضو کے متعلق ایک شیطان ہے اس کو ولہان کہتے ہیں سو پانی کے وسوسوں سے بچو۔ (یعنی طہارت کے بارے میں وسوسے مت کرو ورنہ شیطان غالب آ کر بڑھا دے گا) ابوعبداللہ رودباری فرماتے ہیں شیطان اس کی بڑی کوشش کرتا ہے کہ اپنا حصہ بھی آدم کے تمام اعمال سے لے سو اس کو اس کی پروانہیں کہ اس طرح سے حصہ لے کہ وہ مامور بہ میں زیادتی کر دیں یا اس طرح حصہ لے کہ وہ مامور بہ سے کم کر دیں (مطلب یہ کہ کم کرنا تو ظاہر اطاعت شیطان کی ہے مگر زیادہ کرنا بھی شیطان ہی کی اطاعت ہے۔

جیسے تین بار کی جگہ چار پانچ بار دھونا کہ وہ اس سے خوش ہوتا ہے کیونکہ وہ تجاوز عن الحد تو ہو گیا اور وہ یہی چاہتا ہے) اور ابن الکربنی سے حکایت کی گئی ہے کہ ان کو شب میں جنابت ہو گئی اور ان کے بدن پر ایک پیوند زدہ موٹا گاڑھا خرقہ تھا پس وہ دجلہ پر آئے اور سردی سخت تھی پس شدت سردی کے سبب ان کا نفس پانی کے اندر گھسنے سے ذرا جھجکا (فی القاموس حرنت الدابة حرانا فهي حرون هي التي اذا استدر جريها وقفت اه ملخصا ۱۲ منه) پس انہوں نے اپنے کو مع اس پیوند زدہ خرقہ کے پانی کے اندر ڈال دیا۔ پھر پانی سے باہر آئے اور فرمایا کہ میں عہد کرتا ہوں کہ اس کو اپنے بدن سے جدا نہ کروں گا یہاں تک کہ یہ میرے ہی (بدن

کے) اوپر خشک ہو جائے۔ سو وہ خرقہ بوجہ موٹے اور گاڑھے ہونے کے ان (کے بدن) پر ایک مہینہ تک (تر ہی) رہا۔ انہوں نے اپنے نفس کی تادیب کی۔ جبکہ حکم خدا کے امتثال سے وہ جھجکا اور بعض نے کہا ہے کہ سہیل بن عبداللہ اپنے متعلقین کو پانی زیادہ پینے کی اور زمین پر کم گرانے کی ترغیب فرمایا کرتے اور ان کی یہ رائے تھی کہ پانی زیادہ پینے میں نفس کا ضعیف ہونا اور شہوات کا پژمردہ ہونا اور قوت کا شکستہ ہونا ہے لیکن اگر کسی کو پانی زیادہ پینے سے کسل کا غلبہ ہو تو یہ (رائے اس کے لئے نہیں ہے) اور منجملہ افعال صوفیہ کے وضو کے لئے پانی بچانے میں احتیاط کرنا ہے (یعنی بقدر امکان وضو کے لئے پانی بچا کر رکھے) بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم خواص جب جنگل میں داخل ہوتے تھے تو صرف ایک مشکیزہ پانی کا ہمراہ رکھتے تھے۔

اور اکثر اوقات بجز قدر قلیل اس میں سے پیتے نہ تھے۔ اس پانی کو وضو کے لئے محفوظ رکھتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ وہ (یعنی ابراہیم موصوف) مکہ سے کوفہ تک سفر کرتے تھے۔ اور ان کو تیمم کی حاجت نہ ہوتی تھی۔ وضو کے لئے پانی محفوظ رکھتے تھے۔ اور پینے کے لئے قلیل ہی پر قناعت فرماتے تھے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ جب صوفی کو دیکھو کہ اس کے پاس سفر میں مشکیزہ یا صراحی نہیں ہے تو سمجھ جاؤ کہ اس نے ترک نماز کا عزم کر لیا ہے خواہ اس کا ارادہ رکھتا ہو یا ارادہ سے انکار کرتا ہو (یعنی کہتا ہو کہ میرا ارادہ ترک نماز کا نہیں ہے تب بھی ضرور کوئی نہ کوئی نماز اس کی متروک ہو جائے گی اس طرح سے کہ پانی نہ تو پاس ہے اور نہ اتنی دور ہے کہ تیمم درست ہو۔

اور اس کے لانے کے لئے جانے میں کم ہمتی کی تو نماز لامحالہ فوت ہوگی) اور بعض (صوفیہ) سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے طہارت کے معاملہ میں اپنے نفس کی اس حد تک تادیب کی تھی کہ وہ عابدین کے ایک مجمع میں مقیم ہوئے اور وہ سب ایک ہی مکان میں مجتمع تھے۔ مگر ان (صوفی) کو ان (عابدین) میں سے کسی نے بیت الخلاء میں جاتے ہوئے نہیں دیکھا۔ کیونکہ وہ قضائے حاجت اس وقت کر لیتے تھے جب کسی

وقت وہ موقع بالکل خالی ہو جاتا تھا مقصود ان کا نفس کو تادیب کرنا تھا (اور ظاہر ہے کہ کئی کئی روز کے بعد ایسا اتفاقاً ہوتا ہوگا۔ کیونکہ اس کے خالی کرانے کا کوئی اہتمام تو تھا نہیں اتفاق ہی سے کبھی خالی ہو جاتا تھا سو وہ اس وقت بیت الخلاء جاتے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ شکم سیر ہونے کے بعد یہ ممکن نہیں تو خلوت بطن بھی ان کا بدرجۂ ابلغ تھا۔ مگر یہ ہر شخص کے لئے نہیں۔ اگر کسی کو اس سے ضعف مفرط یا مرض مہلک یا احتقان مشوش عارض ہو جائے اس کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں اور جب قضاء حاجت کی ضرورت اس قدر کم تھی تو وہ دوام طہارت بھی اس حالت کے لئے عادۃً لازم ہوگا۔

اور اسی وجہ سے یہ حکایت یہاں لائی گئی) اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت خواص رحمۃ اللہ علیہ کی شہر رَے کی جامع مسجد میں پانی کے اندر وفات ہوئی اور یہ اس طرح ہوا کہ ان کو بیماری اسہال کی تھی اور جب استنجا سے فارغ ہوتے تو پانی میں گھس کر غسل کرتے ایک دفعہ اس میں داخل ہوئے اور وفات فرما گئے (یہ مطلب نہیں کہ اس کے اندر جانا سبب ہوا وفات کا بلکہ کثرت اسہال سے زندگی ختم ہوگئی۔ مگر زندگی کے ختم ہونے تک طہارت کا درجہ کاملہ نہ چھوڑا چنانچہ آگے مولف رحمۃ اللہ علیہ بھی کہتے ہیں یہ سب کچھ (پانی میں آخر وقت تک داخل ہونا وغیرہ) ان کے محافظت علی الوضوء والطہارت کے سبب تھا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ حضرت ابراہیم بن ادھم کو بار بار حاجت ہونے کی شکایت تھی۔ سو ایک شب میں ستر بار سے زائد حاجت کو گئے ہر بار میں تازہ وضو کرتے تھے اور دو رکعت نماز (تحیۃ الوضوء) پڑھتے تھے۔

اور منقول ہے کہ بعض صوفیہ نے اپنے نفس کو یہاں تک ادب دیا تھا کہ بجز وقت براز کے ان کی ریح بھی خارج نہ ہوتی تھی خلوت میں بھی ادب کی رعایت رکھتے تھے اور وضو کے بعد رومال لینا (یعنی اس سے منہ ہاتھ پونچھنا) اس کو بعض نے مکروہ سمجھا ہے اور کہا ہے کہ وضو (فی القاموس الوضوء بالضم الفعل وبالفتح ماء ہ ومصدر ایضا او لغتان قد یعنی بهما المصدر وقد یعنی بهما ۱۲ منہ)

کا پانی وزن کیا جائے گا (تو اس کو بدن ہی پر خشک ہونے دیا جائے کہ بدن کے تابع رہے مستقل چیز سے پونچھنے سے جتنا گھٹ جائے گا وہ وزن میں نہ آئے گا) اور بعض نے اس کو جائز رکھا ہے اور ان کی دلیل یہ حدیث ہے کہ خبر دی ہم کو شیخ عالم ضیاء الدین عبدالوہاب بن علی نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابوالفتح ہروی نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابونصر نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو محمد نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابوالعباس نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو عیسیٰ ترمذی نے کہا انہوں نے حدیث کی ہم سے سفیان بن وکیع نے کہا انہوں نے حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ بن وہب نے زید بن حباب سے انہوں نے ابی معاذ سے انہوں نے زہری سے انہوں نے عروہ سے انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک پارچہ کپڑے کا تھا کہ وضو کے بعد اس سے اپنے اعضاء کو پونچھا کرتے تھے اور حضرت معاذ بن جبل نے روایت کیا ہے۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ جب آپ وضو کرتے تھے تو اپنا منہ اپنے کپڑے کے دامن سے پونچھ لیتے تھے اور (جاننا چاہئے کہ) صوفیہ کا زیادہ مبالغہ باطن کو صفات ردیہ و اخلاق ذمیمہ سے طاہر کرنے میں ہے نہ کہ طہارت ظاہر میں اس حد تک مبالغہ کرنا کہ حد علم (یعنی شریعت) سے نکل جائے۔ اور حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نصرانیہ کے گھڑے سے (پانی لے کر وضو کر لیا تھا۔ باوجودیکہ نصاریٰ شراب سے پرہیز نہیں کرتے اور (پھر بھی) انہوں نے اس امر کو ظاہر پر اور طہارت اصلیہ پر جاری رکھا (اور ایسا کوئی قرینہ نہ تھا جس سے غالب گمان اختلاط شراب کا ہو ورنہ گمان غالب بھی اس باب میں مثل یقین ہی کے ہے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ زمین پر بدون جانماز کے نماز پڑھ لیتے تھے اور راہوں میں (اکثر) ننگے پاؤں چلتے پھرتے تھے۔

اور (اسی طرح) سونے کے وقت (بھی) اپنے اور مٹی کے درمیان میں کوئی

حائل چیز نہ کرتے تھے اور بعض اوقات استنجاء میں صرف ڈھیلہ ہی پر کفایت کرتے تھے (جبکہ فضلہ بالکل خشک ہو اور اطراف میں نہ لگے) اور ان کا (یعنی صحابہ کا) برتاؤ طہارت ظاہر میں (اکثر) تساہل پر (یعنی عدم مبالغہ پر مبنی) تھا اور ان کا (تمام تر) مبالغہ طہارت باطنہ میں ہوتا تھا اور اسی طرح صوفیہ کا شغل ہے۔

اور بعض اشخاص میں طہارت کے بارہ میں بہت تشدد ہوتا ہے اور منشا اس کا (جس طرح کبھی وسوسہ ہوتا ہے اسی طرح کبھی) بدد ماغی (فی القاموس الارعن الاھوج فی منطقة والاحمق المسترخی وقدر عن مثلثة رعونة ورعنا محرکة وما ارعنه ورعنته الشمس المت دماغه فاسترخی لذلک وغشی علیه ۱۲ منه) نفس کی (بھی) ہوتی ہے سو (اس کی ایک فرع یہ ہے کہ) اگر اس کا کپڑا میلا ہو جائے تو تنگ ہوتا ہے (اور اس کے بدلنے کا اہتمام کرتا ہے) اور جو اس کے باطن میں کدورت اور کینہ اور کبر اور عجب اور ریاء و نفاق ہے اس کی پروا بھی نہیں کرتا۔ اور عجب نہیں کہ ایسا آدمی کسی شخص پر اس وقت تو روک ٹوک کرے جبکہ وہ ننگے پاؤں زمین پر چلنے لگے باوجودیکہ شرع میں اس کی رخصت ہے اور اس پر روک ٹوک نہ کرے کہ وہ کوئی کلمہ غیبت کا کہہ دے جس سے اپنا دین خراب کردے اور یہ سب قلت علم کے سبب سے اور بذریعہ صحبت اہل صدق و علماء راسخین ادب حاصل کرنے کے ترک کے سبب سے ہے اور (یہ حضرات محققین) استنجاء میں (بدن خاص کو) زیادہ ملنے کو پسند نہ کرتے تھے کیونکہ یہ بعض اوقات رگوں کو سست کردیتا ہے۔ اور پیشاب کو رکنے نہیں دیتا اور اس سے زیادہ قطرہ آنے کی بیماری پیدا ہو جاتی ہے۔

اور منجملہ حکایات اہل تصوف کے دربارہ وضو و طہارات کے یہ ہیں کہ ابو عمر وزجاجی نے مکہ میں تیس سال اقامت کی اور وہ حد حرم میں قضائے حاجت نہ کرتے تھے اور حل میں (یعنی خارج حرم میں) جاتے تھے اور اس کی کمتر مسافت ایک فرسخ ہے (یعنی بعض جوانب سے تو زیادہ ہے مگر اس سے کم تو کسی جانب

میں نہیں چنانچہ تنعیم تین میل ہے جو اقرب حدود حرم ہے) اور منقول ہے کہ بعض اہل تصوف کے چہرہ پر زخم تھا جو بارہ برس تک مندمل نہ ہوا تھا کیونکہ پانی سے ضرر ہوتا تھا اور ہر نماز فرض کے وقت تجدید وضو کو چھوڑتے نہ تھے۔ اور بعض اہل تصوف کی آنکھ میں پانی اُتر آیا تھا (جس کو نزول کہتے ہیں) سو لوگ ان کے پاس معالج کو لائے اور اس معالج کے لئے بہت اموال خرچ کئے تا کہ وہ ان کی دوا کرے اس معالج نے یہ کہا کہ (ایک تو) کئی روز تک ترک وضو کی ضرورت ہے اور (دوسرے) قفا کے بل چت لیٹا رہنا ہوگا سو انہوں نے اس کو (قبول) نہ کیا اور اپنی نگاہ جاتی رہنے کو ترک وضو پر ترجیح دی (مقصود اس نقل سے اس کے اتباع کا امر نہیں ہے۔ ایسی ہمتیں ہم لوگوں میں کہاں اور ہمت سے زیادہ کام کرنا جبکہ وہ واجب نہ ہو بعض اوقات مضر دین ہو جاتا ہے۔ مقصود صرف ان حکایات سے ہم کو ہمت دلانا ہے اپنے وسع کے موافق)

باب سی و ششم

فضیلت نماز اور اس کی عظمت شان میں

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حق تعالیٰ نے جنت عدن پیدا کی تو اس میں ایسی چیزیں پیدا کیں جو نہ کسی آنکھ نے دیکھیں اور نہ کسی کان نے سنیں۔

اور نہ کسی بشر کے قلب پر ان کا خطرہ گزرا (پھر) اس کو (یعنی جنت کو) فرمایا کہ کلام کر سو اس نے یہ کہا **قد افلح المومنون الذين هم فی صلاتهم خاشعون** تین آیتیں (یعنی فاعلون تک) اور قرآن مجید نے نماز پڑھنے والوں کے لئے فلاح کی شہادت دی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے پاس جبرئیل علیہ السلام زوال شمس کے وقت آئے اور مجھ کو ظہر کی نماز پڑھائی (یہ لمبی حدیث ہے کہ دو روز تک پانچوں وقت نماز پڑھائی) اور اشتقاق لفظ صلوٰۃ کا بعض نے کہا ہے کہ صلی سے ہے اور اس کے معنی ہیں آگ۔ اور ٹیڑھی لکڑی کو جب سیدھا کرنا چاہتے ہیں تو وہ (اوّل) آگ کے سامنے کی جاتی ہے پھر سیدھی کی جاتی ہے اور (اسی طرح) بندہ میں بھی ایک ٹیڑھا پن ہے بوجہ اس کے نفس امارہ بالسوء کے اور وجہ آلہ کریم کے جو انوار ہیں جن کی شان یہ ہے کہ اگر ان کا حجاب مکشوف ہو جائے تو جہاں تک وہ پہنچیں سب کو سوختہ کر دیں (اور ظاہر ہے کہ وہ تو تمام عالم میں پہنچ جائیں تو سب ہی کو سوختہ کر دیں) ان (انوار) کے سبب مصلی کو سطوت الٰہیہ و عظمت ربانیہ کا ایسا شعلہ جا لگتا ہے جس سے اس کا ٹیڑھا پن جاتا رہتا ہے بلکہ اس کی بدولت اس کی معراج محقق

ہوجاتی ہے۔ پس مصلے مثل اس شخص کے ہے جو آگ سے سینک رہا ہے اور جو شخص آتش صلوٰۃ سے اپنے کو سینکے گا اور اس آگ سے اس کا ٹیڑھا پن جاتا رہے گا وہ نار جہنم پر پیش نہ ہوگا۔ مگر صرف قسم پوری کرنے کو (مراد اس سے پل صراط پر گزرنا ہے جس کو حق تعالیٰ نے موکد طور پر فرمایا ہے وان منکم الاوارد ھا۔ اسی کو حدیث میں تحلہ قسم سے تعبیر فرمایا ہے اور چونکہ صراط پشت جہنم پر ہوگا اس پر گزرنا یہ بھی ایک قسم کی پیشی ہے۔ آگ پر گو اسکا اثر نہ ہو) خبر دی ہم کو شیخ عالم رضی الدین احمد بن اسماعیل قزوینی نے بطور اجازت کے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو سعید محمد بن ابی العباس خلیلی نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو سعید فرخ زادی نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو اسحٰق احمد بن محمد نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو القاسم حسن بن محمد نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابو زکریا یحیٰ بن محمد عنبری نے کہا حدیث کی ہم سے جعفر بن احمد بن حافظ نے کہا خبر دی ہم کو احمد بن نصیر نے کہا حدیث کی ہم سے آدم بن ابی ایاس نے ابن سمعان سے انہوں نے علاء بن عبدالرحمٰن سے انہوں نے اپنے باپ سے انہوں نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں نے نماز کو (باعتبار ایک خاص سورت کے جو نماز میں لازمی طور پر پڑھی جاتی ہے اور وہ فاتحہ ہے) اپنے درمیان میں اور اپنے بندہ کے درمیان میں نصفا نصف تقسیم کر دیا ہے سو جب بندہ کہتا ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ اللہ عزوجل فرماتے ہیں کہ میرے بندہ نے میری تمجید کی پھر وہ جب کہتا ہے الحمدللہ رب العالمین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ نے میری تحمید کی پھر وہ جب کہتا ہے الرحمن الرحیم تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ نے میری ثنا کی۔ پھر وہ جب کہتا ہے مالک یوم الدین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میرے بندہ نے میری طرف تفویض کی۔ پھر جب وہ کہتا ہے ایاک نعبد و ایاک نستعین تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے درمیان میں اور میرے بندہ کے درمیان ہے (جیسا

اس کے قبل کے مضامین حق تعالیٰ کے متعلق تھے کہ صفات و کمالات حق کے ہیں اور جیسا اس کے بعد کا مضمون بندہ کے متعلق ہے کہ اس میں طلب ہدایت ہے جو حاجت ہے عبد کی اور اس درمیان کی آیت کا مضمون مشتمل ہے دو جزو پر۔ عبادت کہ حق ہے اللہ تعالیٰ کا اور استعانت کہ حاجت ہے عبد کی۔ اس لئے یہ فرمایا کہ یہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان میں ہے) پھر جب وہ کہتا ہے اهدنا الصراط المستقيم صراط الذين انعمت عليهم غير المغضوب عليهم ولا الضالين۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ میرے بندہ کے لئے ہے اور میرے بندہ کو وہ جو کچھ مانگتا ہے ملے گا۔ تو نماز (حدیث موصوف کی رو سے) ایک علاقہ ہے۔ درمیان رب اور عبد کے اور جو چیز بندہ کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان میں علاقہ ہو بندہ کے ذمہ اس میں حق یہ ہے کہ وہ عظمت ربوبیت کے سامنے بطریق عبودیت کے خشوع کرنے والا ہو اور وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز پر تجلی فرماتے ہیں وہ شئے دب جاتی ہے (ایک مقدمہ تو یہ ہوا) اور (دوسرا مقدمہ یہ ہے کہ) جو شخص نماز میں علاقہ (مذکورہ) کے ساتھ متصف ہوگا تو اس کے لئے انوار تجلی تاباں ہوں گے سو (بنا بر اُس مضمون وارد کے لامحالہ) وہ خشوع کرے گا۔ اور فلاح انہیں لوگوں کے لئے ہے جو اپنی نماز میں خشوع کرنے والے ہیں (جیسا کہ شروع باب میں آیت آئی ہے قد افلح المومنون الآیۃ) اور خشوع کے منتفی ہونے سے فلاح (کامل بھی) منتفی ہو جائے گی اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نماز کو قائم کرو میری یاد کے لئے اور جب نماز یاد کیلئے ہے تو اس میں نسیان کیسے واقع ہوگا (یعنی نہ ہونا چاہئے) فرمایا اللہ تعالیٰ نے مت نزدیک جاؤ نماز کے جس حالت میں کہ تم نشہ میں ہو۔ یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کچھ (منہ سے) کہہ رہے ہو (یہ اس وقت کی آیت ہے جبکہ نشہ حلال تھا) سو جو زبان سے (کلمات) کہے اور یہ نہ سمجھے کہ کیا کہہ رہا ہے (الفاظ کا سمجھنا مراد ہے نہ کہ معانی کا سمجھنا) تو وہ نماز کیسے پڑھ رہا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اس سے منع کیا ہے (جیسے آیت موصوفہ سے باعتبار

غایت حتیٰ تعلموا کے بے سمجھے نماز پڑھنے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے) پس نشہ والا بھی منہ سے بدون حضور عقل کے کہہ رہا ہے اور غافل بھی بلا حضور عقل نماز پڑھ رہا ہے پس وہ مثل نشہ والے کے ہوا (اور نشہ کی حالت میں نماز کی ممانعت ہے جس کا مطلب باجماع مفسرین یہ ہے کہ وقت نماز میں نشہ کی ممانعت ہے پس باشتراک مبنیٰ حتی تعلموا نماز میں غفلت کی بھی ممانعت ہوگی۔ اور علی الاطلاق نشہ کے حرام ہوجانے کے سبب آیت کے منسوخ ہوجانے سے نہی عن الغفلۃ پر استدلال کرنے میں شبہ نہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کا حکم سابق کا مبنی تو منسوخ نہیں ہوا بلکہ حرمت مطلقہ خمر سے تو اس مبنی کی اور بھی تاکید ہوگئی کہ وہ ایسا مہتم بالشان ہے کہ جو چیز عدم العلم بما تقولون کا کسی وقت بھی سبب ہوتی۔ اس کو مطلقاً حرام کردیا پس وقت نماز میں تو بدرجہ اولیٰ نسخ حکم کا رفع سے نہیں ہوا بلکہ تعمیم سے ہوا جس سے حکم سابق مع شئے زائد باقی ہے تو اس کی بناء بھی باقی ہے پس تعدیہ اس کا نہی عن الغفلت کی طرف بھی سالم رہا) اور غرائب تفسیر میں حق تعالیٰ کے اس ارشاد کے متعلق فاخلع نعلیک انک بالواد المقدس طوی کہا گیا ہے کہ دو نعل یہ ہیں تمہارا خیال اپنی بی بی کی طرف اور اپنی بکریوں کی طرف غرض غیر اللہ کا قصداً خیال کرنا یہ نماز میں ایک نشہ کی حالت ہے (جس کی ممانعت اوپر ذکر کی گئی) اور بعض نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (بعض) اصحاب نماز میں اپنی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھایا کرتے تھے اور (کبھی) داہنے بائیں بھی دیکھ لیا کرتے تھے۔ پس جب یہ آیت نازل ہوئی الذین هم فی صلوٰتهم خاشعون انہوں نے اپنے وجوہ (یعنی ابصار) کو اپنے سجدہ کی جگہوں کی طرف کرلیا اور اس کے بعد ان میں سے کسی کو نہیں دیکھا گیا جو بجز زمین کے کسی اور طرف نظر کرتا ہو اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بندہ جب نماز کی طرف کھڑا ہوتا ہے تو وہ رحمٰن کے سامنے ہوتا ہے۔ پس جب وہ اِدھر اُدھر التفات کرتا ہے تو پروردگار اس

ہے فرماتا ہے کہ تو کس کی طرف التفات کرتا ہے کیا ایسے شخص کی طرف (التفات کرتا ہے) جو تیرے لئے مجھ سے بہتر ہو۔ اے ابن آدم! میری طرف متوجہ رہ میں تیرے لئے اس شخص سے بہتر ہوں کہ جس کی طرف تو التفات کر رہا ہے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ نماز میں داڑھی سے کھیل رہا ہے آپ نے فرمایا کہ اگر اس کا قلب خاشع ہوتا تو اس کے جوارح بھی خاشع ہوتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ جب تو نماز پڑھے تو ایسی نماز پڑھ جیسی کوئی (دنیا کو) وداع کرنے والا نماز پڑھتا ہے (یعنی اگر کسی کو معلوم ہو جائے کہ بس اس نماز کے بعد دنیا کو رخصت کر دینا ہوگا یعنی موت آ جائے گی اور یہ آخری نماز ہے تو ظاہر ہے کہ اس نماز کو یہ شخص کیسے حقوق و آداب و خشوع و خضوع سے ادا کرے گا۔ پس ہر نماز ایسی ہی ہونا چاہئے خصوص جبکہ ہر نماز کے وقت رُخصت کرنے کے معنے بھی پائے جاتے ہیں جس کو آگے فرماتے ہیں یعنی) پس نماز پڑھنے والا اپنے قلب سے ہوائے نفس و دنیا اور تمام ماسوا کو رخصت کرتا ہے (پھر جن کو رخصت کر چکا ان کو نماز میں کیوں جمع کرتا ہے) اور صلوٰۃ کے معنے لُغت میں دعا کے ہیں پس گویا نمازی اللہ تعالیٰ سے تمام جوارح کے ساتھ دعا کر رہا ہے پس اس کے تمام اعضاء زبان ہو گئے جن سے ظاہراً اور باطناً دعا کر رہا ہے اور (اس کا) ظاہر (اس کے) باطن کے ساتھ تضرع میں اور ایک نیاز مند سائل محتاج کے سے تملقات کی ہیئتوں کی گردش میں شریک ہے (نماز کے افعال کا تملق کی سی اشکال ہونا ظاہر ہے) پس جب یہ اپنے کل وجود سے دعا کرے گا تو اس کا مولا اس کی اجابت فرما دے گا (اور جب دل یا جوارح کو ادھر اُدھر لے گیا تو ان اعضاء سے یہ داعی نہ رہا تو کل وجود سے دعا نہ رہی تو نماز کے جو معنے تھے دعا وہ بسبیل کمال متحقق نہ ہوئے۔ آگے اس کی وجہ ہے کہ اجابت فرمائے گا یعنی) اس لئے کہ اس نے اس کا وعدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے تم مجھ سے دعا کرو میں تمہارے لئے قبول کروں گا۔ خالد ربعی کہا کرتے تھے یہ آیت ادعونی استجب

لکم مجھ کو بڑی خوش معلوم ہوتی ہے۔ان کو دعا کا حکم فرمایا اور ان سے اجابت کا وعدہ کیا۔ان دونوں کے درمیان کوئی شرط نہیں (بلکہ مطلق ہے پس حقیقت دعا کے لئے حقیقت اجابت لازم ہے اور صورت دعا کافی نہیں اور صورت اجابت لازم نہیں) اور استجابت اور اجابت وہ بندہ کی دعا کا نافذ ہو جانا ہے پس جو دعا کرنے والا صادق ہو اور جس کو پکار رہا ہے اس کی معرفت رکھتا ہو ایسے شخص کے نور یقین سے تمام حجابات دریدہ ہو جاتے ہیں اور وہ دعاء اللہ تعالیٰ کے سامنے جا کر اس حاجت کا تقاضا کرتی ہوئی کھڑی ہو جاتی ہے۔اور (جاننا چاہیئے کہ) اللہ تعالیٰ نے اس امت کو تنزیل فاتحہ الکتاب کے ساتھ خاص فرمایا ہے اور اس (سورت) میں ثناء کی تقدیم ہے۔دعاء پر تاکہ تعجیل اجابت کا سبب ہو۔اور یہ سورت اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو کیفیت دعا کی تعلیم فرمانا ہے اور فاتحہ کتاب ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم بھی ہے (یعنی آیت ولقد اتیناک الخ میں جو اِن دو چیزوں کا ذکر ہے ان دونوں مفہوموں کا مصداق یہی فاتحہ الکتاب ہے) بعض نے کہا کہ اس کا نام مثانی اس لئے ہوا کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دوبار نازل ہوئی۔ایک بار مکہ میں اور ایک بار مدینہ میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے ہر بار کے نزول میں جدا فہم عطا ہوا۔بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تو اس کے ہر بار کے مکرر پڑھنے میں باوجود طول زمانہ کے جدا فہم عطا ہوتا تھا اور یہی شان ہے آپ کی امت کے محقق اہل صلوٰۃ کی کہ ان کو اس کے عجائب اسرار منکشف ہوتے ہیں۔اور وہ (سورت) ان کے سامنے ہر مرتبہ میں اپنے دریاؤں کے موتیوں کو بکھیرتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ مثانی اس کو اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ اور رسولوں سے مستثنیٰ رکھی گئی۔(یعنی اوروں کو عطا نہیں ہوئی) اور اس کی سات آیتیں ہیں۔ام رومان نے روایت کیا ہے۔وہ کہتی ہیں کہ مجھ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس حالت میں دیکھا کہ میں نماز میں جھوم رہی تھی پس انہوں نے مجھ کو اس قدر سختی سے ڈانٹا کہ میں نماز سے ہٹ جانے (یعنی خارج ہو جانے) کے قریب

ہوگئی۔ (یعنی ایسی ڈری کہ نماز توڑ دینا چاہا) پھر (نماز کے بعد) فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ فرماتے تھے جب تم میں کوئی شخص نماز کے لئے کھڑا ہوا کرے تو اپنے اعضاء کو سکون کے ساتھ رکھا کرے (اور) یہود کی طرح نہ جھوما کرے کیونکہ اعضاء کا سکون منجملہ متممات صلوٰۃ کے ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو نفاق کے خشوع سے عرض کیا گیا کہ نفاق کا خشوع کیا چیز ہے فرمایا بدن کا خاشع ہونا اور قلب کا منافق ہونا۔ رہا یہود کا جھومنا (جس سے ابھی ممانعت آئی ہے۔ اس کی وجہ میں) بعض نے کہا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ ظاہر امور کے موافق معاملہ فرمایا کرتے تھے چونکہ ان کے قلب میں اثر کم تھا۔ پس آپ امور کو باہیبت اور باعظمت کر کے دکھلاتے تھے اور اسی راز کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ پر وحی بھیجی تھی کہ توریت کو سونے سے مطلاّع کرلیں (تا کہ بنی اسرائیل کے قلب میں کتاب الٰہی کی وقعت ہو پس اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے نماز میں قصداً اس غرض سے حرکت کی ہوگی کہ حق تعالیٰ کی عظمت وجلال ان کے دل پر اثر کرے کہ دیکھو خدا تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہو کر موسیٰ علیہ السلام ازخود رفتہ ہوگئے۔ اس کی کیسی عظمت وجلالت ہے۔ پس یہود اس راز کو تو سمجھے نہیں۔ صرف تحریک بدن کی نقل لے لی۔ آگے حضرت مؤلف اس میں اپنی رائے فرماتے ہیں۔ اور میرے قلب میں یہ بات واقع ہوئی اور حقیقت خدا جانے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نماز میں اور مواقع مناجات میں کوئی وارد آتا تھا جس سے ان کا باطن اس طرح متموج ہوتا تھا۔ جیسے کوئی دریا ساکن ہو کہ اس پر (تیز) ہوا چلنے لگے پھر (اس سے) موجوں میں تلاطم ہونے لگے۔ پس موسیٰ علیہ السلام کا اِدھر اُدھر مائل ہوجانا (ان کے) بحر قلب کے امواج کا تلاطم تھا۔ جب اس پر فضل کی نسیم چلتی تھی اور بعض اوقات (ان کی) (روح حضرت اللہ کی طرف مشتاق وارنظر کرتی تھی۔ اس وقت وہ اوپر آنے کا قصد کرتی تھی اور قالب کو اس کے ساتھ اتصال شدید اور امتزاج حاصل ہی ہے۔ پس قالب بھی

مضطرب اور مائل ہونے لگتا تھا۔ سو یہود نے آپ کے ظاہر کو دیکھ لیا وہ بھی بدون اس کے کہ ان کے باطن کو اس سے کوئی حظ میسر ہو جھومنے لگے۔ اور اسی وجہ سے (یعنی یہود کے ویران باطن ہونے کی وجہ سے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل وسوسہ پر انکار کرنے کے لئے فرمایا کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی عظمت بنی اسرائیل کے قلوب سے نکل گئی تھی۔ یہاں تک کہ ان کے ابدان (عبادت میں) حاضر ہوتے تھے اور ان کے قلوب غائب ہوتے تھے اللہ تعالیٰ اس شخص کی نماز قبول نہیں فرماتا جس کا قلب اس (نماز) میں حاضر نہ ہو۔ جیسا اس کا بدن حاضر ہوتا ہے اور بعض آدمی اپنی نماز پر دوام کرنے والا ہوتا ہے اور (باوجود اس کے) اس (نماز) کا دسواں حصہ بھی (اس شخص کے نامہ اعمال میں) نہیں لکھا جاتا۔ جبکہ اس کا قلب فراموشی اور غفلت میں ہو (اور اس روایت میں وسوسہ سے مراد وہ ہے جو بقصد لائے جیسا عموماً نماز میں اکثروں کی عادت ہے تو یہ مذموم ہے اور جس وسوسہ میں قصد نہ ہو وہ بالکل معاف ہے) اور جاننا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض فرمائی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اسکی فرضیت کا درجہ ظاہر کرنے کو) فرمایا ہے کہ نماز دین کا ستون ہے سو جو شخص نماز کو (عمداً) ترک کرے گا وہ (ایک طرح سے) کافر ہو جائے گا (وہ طرح یہ ہے کہ یہ فعل کافروں کا ہے گو اعتقاداً کافر نہ ہوگا جب تک فرضیت کا انکار نہ کرے اور نہ استخفاف کرے اور اس وعید سے اظہار درجۂ فرضیت ظاہر ہے) سو نماز ہی سے تحقیق ہے عبودیت کی اور ادا ہونا ہے حق ربوبیت کا اور باقی دوسری عبادات حقیقت صلوٰۃ کے متحقق کرنے کے وسائل ہیں (اور وہ حقیقت عبودیت کاملہ ہے جو نماز میں سب سے بڑھ کر ہے اور دوسری عبادات اسی کی موکد و موید) حضرت سہل بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ بندہ تکمیل فرائض کے لئے سنن رواتب کا محتاج ہے اور تکمیل سنن کے لئے نوافل کا محتاج ہے اور تکمیل نوافل کے لئے آداب کا محتاج ہے اور منجملہ آداب کے ترک دنیا ہے اور یہ جو حضرت سہل نے ذکر فرمایا ہے یہی معنی ہیں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے قول کے جو منبر پر فرمایا کہ بعض آدمی کے دونوں رخسارے اسلام میں بوڑھے ہو جاتے ہیں اور وہ ایک نماز بھی اللہ کیلئے کامل کئے ہوئے نہیں ہوتا عرض کیا گیا اور یہ کیونکر ہے آپ نے فرمایا کہ وہ اس کے خشوع اور تواضع اور اس میں توجہ الی اللہ کو پورا نہیں کرتا اور اخبار میں وارد ہوا ہے کہ بندہ جب نماز کو کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اپنے اور اس کے درمیان میں حجاب اٹھا دیتا ہے اور اپنے وجہ کریم سے اس کی مواجہت فرماتا ہے اور فرشتے اس کے دونوں کندھوں سے ہوا تک کھڑے ہو جاتے ہیں اس کی نماز کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں اور اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور نمازی پر خیر (فی القاموس البر بالکسر الصلة والجنة والخیر والاتساع فی الاحسان ۱۲ منہ) کی بکھیر ہوتی ہے سطح (فی القاموس من السماء نواحیھاو عنا نھا بالکسر مابدالک منھا ۱۲ منہ) آسمان سے اس کے تارک سرتک اور اس کو ایک ندا کرنے والا پکارتا ہے کہ اگر اس نمازی کو معلوم ہو جائے کہ کس سے باتیں کر رہا ہے تو کبھی ادھر ادھر نہ دیکھے یا نماز سے نہ ہٹے (پڑھتا ہی رہے) اور اللہ تعالیٰ نے جو اہل سموات پر جدا جدا تقسیم کیا ہے وہ نمازیوں کے لئے ہر ہر رکعت میں جمع فرمادیا ہے (کیونکہ) حق تعالیٰ کے بہت سے ملائکہ ہیں کہ ان کو جب سے اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے وہ رکوع ہی میں ہیں کہ قیامت تک رکوع سے سر نہ اٹھائیں گے اور اسی طرح سجدہ اور قیام اور قعود میں ہیں اور جو بندہ باہوش ہو (اور اس مضمون کو مستحضر رکھے وہ) اپنے رکوع میں ان ملائکہ کی صفت کے ساتھ متصف ہوگا جو رکوع کر رہے ہیں اور سجدہ میں صفت ساجدین کے ساتھ اور ہر ہیئت میں اسی طرح اور ایسا ہوگا جیسا انہیں میں کا ایک ہے اور گویا ان ہی کے درمیان میں (رہنے والا) ہے اور غیر فرض میں نمازی کو مناسب ہے کہ اپنے رکوع میں توقف کرے کہ رکوع سے لذت لے اور اس سے سر اٹھانے کی فکر میں (پہلے سے) نہ لگ جائے اور اگر باقتضائے طبیعت اس کو ملال (وتنگدلی) پیش آنے لگے تو اس سے استغفار کرے اور اس ہیئت کو قائم رکھے اور اس کا انتظار رکھے کہ جو خشوع اس ہیئت کے لائق

ہے وہ ذوقاً اس کو حاصل ہوتا کہ اس کا قلب بھی برنگ اس ہیئت کے ہو جائے اور اکثر راستباز رکوع کرنے والے کو خود معلوم ہو جاتا ہے کہ اگر رکوع یا سجدہ کی حالت میں اس کا خیال اس سے سر اٹھانے کی طرف چلا جائے تو اس نے اس ہیئت (رکوع وسجود) کا حق ادا نہیں کیا پس اس کی تمامی فکر یہ ہیئت ہی ہونا چاہئے اس میں مستغرق اور اس کے سوا دوسری ہیئتوں سے بے توجہ ہو کر اس میں مشغول ہونا چاہئے۔

سو اس (طریق) سے اس کا حصہ ہر ہیئت کی برکات سے وافر ہوگا کیونکہ عجلت جس کا کہ طبیعت تقاضا کرتی ہے باب فتوحات (باطنیہ) کو بند کر دیتی ہے اور (اس کو چاہئے کہ) فیوض الٰہیہ کی جنبش کے مواقع میں ٹھہرا رہے یہاں تک کہ بندہ کا حظ کامل ہو جائے پھر اس (بندہ) کے آثار اس حسن انبساط (فی القاموس استرسل الیہ انبسط واستانس ۱۲ منہ) سے (جس سے اس کو نماز میں ایسا انس ہوا) محو ہو جائیں گے اور وہ مقام وصل میں قرار پکڑے گا اور بعض نے کہا ہے کہ نماز میں چار تو ہیئتیں ہیں اور چھ ذکر ہیں سو چار ہیئتیں تو یہ ہیں قیام وقعود و رکوع وسجود اور چھ ذکر یہ ہیں تلاوت و تسبیح وحمد واستغفار و دعا و درود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر سو یہ (سب مل کر) پورے دس ہوئے کہ یہ دس چیزیں ملائکہ کی دس صفوں میں متفرق ہوئی ہیں کہ ہر صف دس ہزار کی ہے پس دو رکعتوں میں وہ چیز مجتمع ہے جو ایک لاکھ فرشتوں میں متفرق (طور پر پائی جاتی) ہے (مطلب یہ کہ ان دس چیزوں میں سے ایک ایک چیز ایک ایک صف ملائکہ کو عطا ہوئی ہے کسی کو صرف قیام کسی کو صرف رکوع وعلی ہذا اور کل صفیں دس ہیں اور ہر صف دس ہزار کی ہے یہ کل ایک لاکھ فرشتے ہوئے جو خاص ان عبادات مذکورہ میں مشغول ہیں انسان کو دسوں چیزیں عطا ہوئیں اور جو فرشتے اور کاموں میں لگے ہیں وہ ان سے الگ ہیں)

باب سی و ہفتم

اہلِ قُرب کی نماز کی صفت میں

اور ہم اس فصل میں نماز کی کیفیت مع اس کی ہیئتوں اور شرطوں اور اس کے ظاہری و باطنی آداب کے علیٰ وجہ الکمال اس انتہائی طریق سے بیان کریں گے کہ وہاں تک اس طور پر ہمارا فہم و علم پہنچا ہے اور اس کے ہر جزو میں اقوال نقل کرنے کی طرف توجہ نہ کریں گے کیونکہ اس سے مضمون بڑھ جائے گا اور حد اختصار و ایجاز مقصود سے نکل جائے گا پس ہم کہتے ہیں اور اللہ ہی کی طرف سے ہے توفیق۔ بندہ (مکلّف) کو مناسب ہے کہ نماز کے لئے اس کا وقت داخل ہونے سے پہلے وضو کر کے مستعد ہو جائے اور نماز کے وقت میں وضو کو واقع نہ کرے (یعنی وقت داخل ہو چکنے کا منتظر نہ رہے) کہ یہ بھی نماز کی محافظت میں سے ہے اور وقت کے پہچاننے میں زوال اور تفاوت اقدام کے پہچاننے کی اس کو حاجت ہوگی کیونکہ دن کبھی لمبا ہوتا ہے کبھی چھوٹا (اور اس سے اقدام میں تفاوت ہو جاتا ہے) اور زوال کا اس طرح اعتبار کیا جاتا ہے کہ سایہ جب تک گھٹتا رہے وہ دن کا نصف اول ہے پھر جب سایہ زیادہ ہونا شروع ہو جائے وہ نصف آخر ہے اور (گھٹنے کے ساتھ ہی سمجھو کہ) دن ڈھل گیا اور جب زوال کو پہچان لیا اور اس بات کو (پہچان لیا) کہ آفتاب کتنے قدم پر ڈھلتا ہے تو (اس سے) اول وقت معلوم ہو جائے گا اور اس کا (یعنی ظہر کا) اختتام عصر کا (اول) وقت ہے اور اس کو منازل کے پہچاننے کی بھی حاجت ہوگی تا کہ (اس سے) طلوع فجر کو اور شب کے اوقات کو معلوم کرے اور اسکی شرح (از بس) طویل ہے اور اس کی محتاج ہے کہ اس کے لئے ایک مستقل باب لایا جائے غرض جب نماز کا وقت آ جائے (اور وضو

پہلے ہی کر چکا ہے) تو سنت راتبہ کو مقدم کرے کیونکہ اس میں ایک راز ہے اور اسکی (وہ) حکمت یہ ہے اور پورا علم تو خدا تعالیٰ ہی کو ہے کہ بندہ کا باطن منتشر تھا اور اس کے خیالات پراگندہ تھے بسبب ان بلاؤں کے جن میں وہ مبتلا رہتا ہے یعنی لوگوں سے مخالطت کرنا اور ضروریات معاش کا اہتمام کرنا یا وہ غفلت جو بمقتضائے جبلت واقع ہوجائے یا بمقتضائے عادت کھانے یا سونے کی طرف خیال منعطف ہوجائے پس جب سنت کو مقدم کرے گا تو اس کا باطن نماز کی طرف منجذب ہوجائے گا اور مناجات کے لئے تیار ہوجائے گا اور سنت راتبہ کے سبب غفلت اور کدورت کا اثر باطن سے جاتا رہے گا پس باطن درست ہوجائے گا اور فرض کے لئے تیار ہوجائے گا پس سنت ایک مقدمہ صالحہ ہے جس کے ذریعہ سے برکات نازل کرائی جاتی ہیں اور فیوض کی آمد ہوتی ہے اس کے بعد فرض کے وقت اللہ تعالیٰ کے سامنے تمام کئے ہوئے گناہوں سے اور (مطلق) گناہوں سے بھی عام ہوں یا خاص ہوں تازہ توبہ کرے سو عام گناہ تو کبائر و صغائر ہیں جن کی طرف شرع نے ایما فرمایا ہے اور کتاب و سنت اس کے ساتھ ناطق ہیں اور خاص گناہ اس شخص کے حال (خاص) کے اعتبار سے جو گناہ ہیں کیونکہ ہر شخص کے لئے بقدر اس کے صفاء حال کے (خاص خاص) گناہ (بھی) ہیں جو اس کے حال کے مناسب ہیں اور جن کو وہ شخص پہچانتا ہے اور کسی کا قول ہے ابرار کی نیکیاں مقربین کی برائیاں ہوتی ہیں پھر بے جماعت کے (یعنی تنہا) نماز نہ پڑھے (بلکہ جماعت سے پڑھا کرے) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ جماعت کی نماز تنہا نماز سے ستائیس درجے زیادہ فضیلت رکھتی ہے پھر اپنے ظاہر کو قبلہ کی طرف اور اپنے باطن کو درگاہ الٰہی کی طرف متوجہ کرے اور قل اعوذ برب الناس پڑھے (جس میں شر شیطان سے پناہ مانگی گئی ہے) اور اپنے دل میں آیت توجہ کی پڑھے (یعنی انی وجہت وجہی الخ) اور یہ آیت توجہ کی پڑھنا نماز شروع کرنے سے پہلے ہے اپنے ظاہری رخ کو قبلہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے اور اس کو ایک

جہت خاص کی طرف نہ دوسری جہت کی طرف متوجہ کرنے کی تخصیص کے لئے (اور ایک باراوراس آیت کا پڑھنا عنقریب ذکر کریں گے جو بعد نماز شروع کرنے کے ہے وہ اپنے باطنی رخ یعنی قلب کو متوجہ کرنے کے لئے ہے اور یہ قل اعوذ برب الناس اور آیہ توجہ کا پڑھنا مذہب حنفی میں منقول نہیں ہے) پھر اپنے دونوں ہاتھ اپنے کندھوں کے مقابل اٹھائے اس طرح سے کہ اس کی دونوں ہتھیلیاں کندھوں کے مقابل رہیں اور اسکے دونوں انگوٹھے کانوں کی لو کے پاس رہیں اور انگلیوں کے سرے کانوں کے ساتھ رہیں (اور مذہب حنفی میں کانوں تک ہاتھ اٹھائے جاتے ہیں) اور انگلیوں کو ملالے اور اگر کھلی ہوئی رکھے تب بھی جائز ہے اور ملالینا اولیٰ ہے کیونکہ بعض نے کہا ہے کہ نشر یعنی کھلی ہوئی رکھنے سے مراد ہتھیلی کا نشر ہے (کہ اس کو خوب پھیلائے سمیٹے نہیں) نہ کہ انگلیوں کا نشر (اور مذہب حنفی میں اپنے حال پر چھوڑے نہ قصداً ملائے نہ قصداً پھیلائے) اور اللہ اکبر کہے اور اکبر کی باء اور اس کی راء کے درمیان میں الف نہ داخل کرے اور اکبر پر جزم کرے اور لفظ اللہ میں مد پیدا کرے (یعنی لام کے بعد) اور اللہ کی ہاء کے ضمہ دینے میں مبالغہ نہ کرے اور اللہ اکبر اس وقت شروع کرے جب دونوں ہاتھ کندھوں کے مقابل آ کر قرار پکڑلیں اور اللہ اکبر کے ساتھ ان کو نیچے چھوڑ دے مگر ان کو جھاڑے نہیں (یعنی جھٹکا دے کر نہ چھوڑے بلکہ وقار وسکون کے ساتھ) سو وقار جب دل میں قرار پا جاتا ہے تو جوارح بھی اسی کے ساتھ متشکل ہوجاتے ہیں اور اولیٰ اور صواب تر (طریقہ) کے ساتھ مقابلہ ہوجاتے ہیں اور نماز کی نیت اور اللہ اکبر کہنے کو باہم اس طرح جمع کرے کہ اللہ اکبر کہنے کے وقت اس کے قلب سے یہ بات غائب نہ ہو کہ وہ فلاں معین نماز پڑھ رہا ہے اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت کی گئی ہے کہ انہوں نے فرمایا ہر شئے کا ایک ممتاز جزو ہوتا ہے اور نماز کا ممتاز جزو تکبیرۂ اولیٰ ہے اور یہ تکبیر جزو ممتاز اس لئے ہوا کہ وہ موقع ہے نیت کا اور آغاز ہے نماز کا۔ ابونصر سراج نے کہا ہے کہ میں نے ابن سالم سے سنا ہے کہ کہتے

تھے کہ نیت اللہ کے ساتھ ہے اور اللہ کے لئے ہے اور اللہ کی طرف سے ہے (یعنی ایسی ہونا چاہئے) اور جو آفتیں بندہ کی نماز میں بعد نیت کے داخل ہو جاتی ہیں وہ دشمن (یعنی شیطان) کی طرف سے ہیں (پس نیت تو من اللہ ہوئی اور آفات بعد النیۃ من الشیطان ہوئی) اور دشمن کا حصہ اگرچہ کثیر ہو وہ اس نیت کا ہموزن (ومقابل) نہیں ہوسکتا جو کہ للہ اور باللہ تھی اگرچہ قلیل ہی ہو (پس اثر اس نیت ہی کا غالب رہے گا اس لئے اس کو بہت درست کرنا چاہئے) اور ابوسعید خراز سے سوال کیا گیا کہ نماز میں داخل ہونا کس طرح سے ہے انہوں نے فرمایا اس کا طریقہ یہ ہے کہ تو حق تعالیٰ کی طرف اس طرح متوجہ ہو جیسا تو اس کی طرف قیامت کے دن متوجہ ہوگا اور اس کے روبرو کھڑا ہوگا جبکہ تیرے اور اس کے درمیان میں کوئی ترجمان نہ ہوگا اور وہ تیری طرف متوجہ ہوگا اور تو اس سے باتیں کرتا ہوگا (پس اس طرح سے نماز میں کھڑا ہو) اور (اس کا طریقہ) یہ ہے کہ تو یہ سوچ لے کہ تو کس کے سامنے کھڑا ہے کیونکہ وہ بہت بڑا بادشاہ ہے اور بعض عارفین سے کہا گیا کہ تکبیر اولیٰ کس طرح کہی جاتی ہے انہوں نے جواب دیا کہ جب تم اللہ اکبر کہو تو شایاں یہ ہے کہ لفظ اللہ کہنے میں تمہارا قرین الف کے ساتھ تعظیم ہو اور لام کے ساتھ ہیبت اور ہاء کے ساتھ مراقبہ اور قرب اور جاننا چاہئے کہ بعضے لوگ ایسے ہوئے ہیں کہ جب وہ اللہ اکبر کہتے ہیں تو عظمت اور کبریاء کے مطالعہ میں غائب ہو جاتے ہیں اور ان کا باطن نور سے پُر ہو جاتا ہے اور تمام عالم اس کے سینہ کی کشادگی کی فضاء میں ایسا ہو جاتا ہے جیسے ایک رائی ہو ایک بڑی چٹیل زمین میں پھر اس رائی کو پھینک دیا جائے پس ایسے شخص کو وسوسہ اور حدیث النفس اور خیالات باطنی کا ایسے عالم سے کیا اندیشہ ہوگا جو بمنزلہ رائی کے دانہ کے ہو گیا ہو پھر اس کو پھینک دیا جائے پس وسوسہ و حدیث النفس ایسے شخص سے کیا مزاحمت کرے گا اور کبھی اس عظمت کا مطالعہ اور اس میں غائب ہو جانا وجود نیت کا مزاحم ہوتا ہے (یعنی اس استحضار و غلبۂ عظمت کا مقتضا یہ ہے کہ نماز کی نیت کا بھی وجود اس کے ساتھ جمع نہ

ہو سکے کیونکہ وہ بھی ایک خیال ہے گو محمود ہے اور خیالات سب فنا ہو گئے تو نیت بھی فنا ہو گئی پھر نماز جو نیت پر موقوف ہے کیسے درست ہو گی) مگر (دونوں کے اجتماع کی) یہ (صورت) ہے کہ غایت لطافت حال کے سبب روح تو مطالعہ عظمت کے ساتھ مختص ہوتی ہے اور قلب نیت کے ساتھ متمیز ہوتا ہے (یعنی دونوں فعلوں کا محل الگ الگ ہے مطالعہ عظمت فعل روح کا ہے اور نیت فعل قلب کا) پس نیت اپنی لطیف ترین کیفیت کے ساتھ موجود ہوتی ہے (اور باوجود موجود ہونے کے) نور عظمت میں اس طرح مندرج (اور مستور) ہوتی ہے جیسے کوکب ضوء آفتاب میں مندرج ہوتا ہے (کہ موجود بھی ہے اور مغلوب بھی اور دوسرے خیالات اس طرح بھی مجتمع نہیں ہوتے اس لئے نیت کا یہ وجود تو بوجہ قصد کے متحقق ہوا ہے اور دوسرے خیالات کا قصد کیا نہیں گیا اور خود مطالعہ عظمت کا مقتضاء تھا ان کا افناء اس لئے دوسرے خیالات کا بالکلیہ افناء ہو گیا) پھر اپنے داہنے ہاتھ سے اپنا بایاں ہاتھ پکڑ لے اور دونوں کو ناف اور سینہ کے درمیان میں رکھے (اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ناف کے نیچے رکھے) اور داہنا بوجہ شرف کے بائیں کے اوپر رکھا جاتا ہے اور سبابہ اور وسطی کو دراز کر کے کلائی پر رکھے اور تین باقی انگلیوں سے بائیں ہاتھ کو دونوں طرف سے پکڑ لے اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حق تعالیٰ کے اس قول کی فصل لربک وانحر یہ تفسیر کی ہے کہ داہنے ہاتھ کو بائیں پر سینہ کے نیچے رکھے اور یہ اس طرح ہے کہ سینہ کے نیچے ایک رگ ہے جس کو ناحر کہتے ہیں یعنی اپنا ہاتھ ناحر پر رکھ (اور چونکہ یہ تفسیر متعین نہیں اس لئے ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے والوں کو مضر نہیں) اور بعض نے کہا ہے کہ وانحر یعنی اپنے سینہ کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھ اور اس میں ایک خفی راز ہے جس کا مکاشفہ پردہائے غیب کے پیچھے سے ہوتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے آدمی کو پیدا کیا اور اس کو مشرف اور مکرم کیا اور اس کو اپنا محل نظر اور مورد وحی بنایا اور اس کو تمام موجودات ارض و سماء کا منتخب بنایا کہ وہ روحانی بھی ہے جسمانی بھی ہے وہ ارضی بھی

ہے سماوی بھی ہے راست قامت بلند ہیئت پس اس کا نصف اعلیٰ یعنی حد قلب سے تو ودیعت گاہ ہے اسرار سموات کا اور اس کا نصف اسفل ودیعت گاہ ہے اسرار ارض کا سو اس کے نفس کا محل اور مرکز نصف اسفل ہوا اور اس کی روح روحانی اور قلب کا محل نصف اعلیٰ ہوا تو روح کے جذبات نفس کے جذبات کے ساتھ تدافع اور محاربہ کرتے ہیں اور ان ہی دونوں کے تدافع اور تراحم کے اعتبار سے لمۂ ملک اور لمۂ شیطان (یعنی فرشتہ کا اثر اور شیطان کا اثر) پیدا ہوتا ہے اور نماز کے وقت یہ تدافع زیادہ ہوتا ہے کیونکہ ایمان اور طبیعت میں کشاکشی واقع ہوتی ہے پس جس نمازی کا قلب سماوی فناء و بقاء کے درمیان میں آمد و رفت کرنے والا ہو گیا ہو اس کو جذبات نفس کے متعلق یہ کشف ہوتا ہے کہ وہ اپنے مرکز سے صعود کرنا چاہتے ہیں (اور روح و قلب میں تصرف کرنا اور ان پر غالب آنا تاکہ خیالات فاسدہ و احوال و اعمال کاسدہ میں ان دونوں کو اپنا تابع بنائے) اور (بمقتضائے عادت و حکمت الٰہیہ) جوارح کو اور ان کے تصرف و حرکت کو معانی باطن (و کیفیات روحیہ و قلبیہ) کے ساتھ ایک قسم کا تعلق اور مناسبت حاصل ہے پس داہنے ہاتھ کو بائیں پر رکھنے سے نفس کو مقید کر دیا جاتا ہے اور اس کے جذبات کے صعود کو روک دیا جاتا ہے اور اس کا اثر اس طرح ظاہر ہوتا ہے کہ وسوسہ دفع ہو جاتا ہے اور حدیث النفس کا زوال ہو جاتا ہے پھر جب روح کے جذبات غالب ہو جاتے ہیں اور سر سے قدم تک ان کا پورا تسلط ہو جاتا ہے جس وقت کہ (نماز میں) انس کامل ہو جاتا ہے اور (اس میں) آنکھوں کی ٹھنڈک متحقق ہو جاتی ہے اور سلطان مشاہدہ کا استیلاء ہو جاتا ہے اس وقت نفس مقہور و ذلیل ہو جاتا ہے اور اسی کا مرکز (جو کہ پہلے ظلمانی تھا) نور روح سے منور ہو جاتا ہے اور اس وقت نفس کے جذبات منقطع ہو جاتے ہیں اور جس قدر نفس کا مرکز منور ہو جاتا ہے اسی قدر تکان عبادت کا زائل ہو جاتا ہے اور اس وقت نفس کی مقاومت سے اور بواسطہ وضع یمین علی الشمال اس کے جذبات کے روکنے سے استغنا واقع ہو جاتا ہے

پس اس وقت (بجائے ہاتھ باندھنے کے) ہاتھ کھول دیئے جاتے ہیں اور شاید اسی وجہ سے واللہ اعلم وہ فعل واقع ہوا ہو جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے ہاتھ کھول کر بھی نماز پڑھی اور یہ امام مالک کا مذہب ہے۔

ف۔ یہ کسی صحیح روایت میں نہیں آیا اور اس لئے حضرت مؤلف نے جزم سے نقل نہیں کیا اور برتقدیر نقل یہ اس پر دال نہیں کہ بجائے وضع کے ارسال کیا بلکہ یہ احتمال ہے کہ تحریمہ کے لئے ہاتھ اٹھا کر چھوڑ کر پھر باندھے اور ہر حال میں یہاں جو مذکور ہے نکتہ ہے نہ اثبات حکم کے لئے کافی ہے اور نہ اطراد اس کا ضروری ہے ممکن ہے کہ اس نے وضع ہی کا حکم دیا ہو۔ اھ تو پھر یہ آیت پڑھی انی وجہت وجھی الآیۃ اور یہ آیت توجیہ کا پڑھنا اپنے قلب کے رخ کے صاف کرنے کو ہے (توجہ الی الغیر سے) اور وہ جو قبل صلوٰۃ یہ آیت پڑھی گئی تھی وہ قلب کے رخ (کے متوجہ الی القبلہ کرنے) کے لئے تھی (جیسا اوپر بھی یہ مضمون آچکا ہے) پھر یہ پڑھیں **سبحٰنک اللھم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالٰی جدک ولا الٰہ غیرک اللھم انت الملک لا الٰہ الا انت سبحٰنک وبحمدک انت ربی وانا عبدک ظلمت نفسی واعترفت بذنبی فاغفرلی ذنوبی جمیعا انہ لایغفر الذنوب الا انت واھدنی لاحسن الاخلاق فانہ لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی شیئا فانہ لایصرف عنی شیئا الا انت لبیک وسعدیک فالخیر کلہ بیدیک تبارکت وتعالیت استغفرک واتوب الیک** (حنفیہ کے نزدیک فرض میں یہ طویل دعائیں نہیں ہیں) اور قیام میں سر کو جھکائے رہے اور اس کی نظر موضع سجود کی طرف رہے اور قیام اس طرح کامل ہوتا ہے کہ قامت کو سیدھا رکھے (یعنی رکوع کی طرح نہ جھکائے) اور دونوں گھٹنوں اور کمر اور بدن میں جہاں جہاں سے مڑ سکتا ہے ان سب اعضاء میں ایک خفیف لچک (عبارۃ الاصل نزع یسیر الانطواء راھائے جذب الانطواء القلیل وتناولہ ۱۲منہ) پیدا کردے اور

اس طرح کھڑا ہو گویا اپنے تمام بدن سے زمین کی طرف دیکھ رہا ہے (یعنی تمام اعضاء کا جھکاؤ زمین کی طرف رہے) پس یہ خشوع ہے تمام اجزاء کا اور خشوع کے ساتھ قلب کے رنگین ہونے سے تمام جسد بھی رنگین ہو جاتا ہے اور دونوں قدموں کے درمیان بقدر چار انگشت کے وسعت رکھے کیونکہ دونوں ٹخنوں کا ملا لینا صفد ہے جس کی ممانعت آئی ہے اور ایک پاؤں کو نہ اٹھائے رکھے کہ یہ صفن ہے جس کی ممانعت آئی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صفن اور صفد سے ممانعت فرمائی ہے اور جب صفن منہی عنہ ہے تو ایک پاؤں پر زیادہ زور دینا اور دوسرے پر نہ دینا اس میں بھی صفن کے کچھ معنے ہیں پس اولیٰ رعایت اعتدال کی ہے دونوں پاؤں پر بوجھ دینے میں اور اشتمال حسماء بھی مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ سینہ کی طرف سے نکالے (یعنی لپٹے ہوئے کپڑے کے اوپر سے ہاتھ باہر نکالے اور مشہور تفسیر اس کی اور ہے) اور سدل سے بھی بچے اور وہ یہ ہے کہ کپڑے کے کنارے زمین میں لٹکائے پس اس میں معنی تکبر کے ہیں اور بعض نے کہا ہے کہ وہ یہ ہے کہ کپڑے میں لپٹ جائے اور دونوں ہاتھ اندر ہی رکھے اور رکوع وسجدہ اس طرح کرے اور اسی کے حکم میں یہ صورت بھی ہے کہ اپنے دونوں ہاتھ آستین کے اندر کرلے (عبارت کے اتصال سے تو یہ سدل کی تفسیر ہونا چاہئے مگر اقرب تفسیر حسماء کی ہے گو لفظاً بعید ہے) اور کپڑا اسمیٹنے سے بچے اور وہ یہ ہے کہ سجدہ میں جانے کے وقت اپنے کپڑے اپنے دونوں ہاتھوں سے اٹھادے اور اختصار بھی مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ اپنا ہاتھ کوکھ پر رکھ لے اور صلب بھی مکروہ ہے اور وہ یہ ہے کہ دونوں ہاتھ دونوں کوکھوں پر رکھ لے اور دونوں بازوؤں کو (بغلوں سے قدرے) علیحدہ رکھے پس جب نماز میں اس ہیئت سے کھڑا ہو جائے جو ہم نے ذکر کی ہے اس نے قیام کو تام اور کامل کرلیا پس آیت توجیہ اور دعا کو پڑھے تمام مکروہات سے بچتا ہوا جیسا ہم نے (قریب) ذکر کیا پھر اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم کہے اور اس کو ہر رکعت میں قرأت سے پہلے کہے اور فاتحہ اور اس کے بعد کی قرأت

ضور قلب اور اجتماع فکر اور موافقت بین القلب واللسان کے ساتھ مع وصل وقرب و
ہیئت وخشوع وخشیت وتعظیم ووقار ومشاہدہ ومناجاۃ کے کامل حصہ کے پڑھے اور اگر
فاتحہ اور مابعد کی قرأت کے درمیان میں جبکہ یہ امام ہو سکتہ ثانیہ میں یہ دعا پڑھ لے تو
بہتر ہے (حنفیہ کے نزدیک سکتہ ثانیہ نہیں ہے اس لئے یہ دعا بھی نہیں دعا یہ ہے)
اللهم باعدبيني وبين خطايا ى كما باعدت بين المشرق والمغرب ونقني من الخطايا كما ينقي الثوب الابيض من الدنس اللهم اغسل خطايا ى بالماء والثلج والبرد اور اگر اس کو سکتہ اولے میں کہہ لے تب بھی بہتر
ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے اس کو کہا ہے (حنفیہ کے نزدیک
نوافل پر محمول ہے اور اگر تنہا ہو تو اس دعا کو قبل قرأت پڑھ لے اور بندہ اس کو جان لے
کہ تلاوت (کی صورت) لسان کا ناطق ہونا ہے اور اس (تلاوت) کی حقیقت قلب کا
ناطق ہونا ہے اور جو شخص کسی سے کچھ خطاب کرتا ہے (قاعدہ یہ ہے کہ) وہ اپنی زبان
سے بات کرتا ہے اور اس کی زبان اس کے مافی القلب سے تعبیر کرتی ہے اور متکلم کو
بدون واسطہ زبان کے اپنے مخاطب کا سمجھا دینا ممکن ہوتا تو وہ ایسا ہی کرتا (کیونکہ اصل
مقصود تو مافی الضمیر کا اعلام ہے) لیکن چونکہ بدوں کلام کے سمجھانا متعذر ہو گیا اس
لئے زبان کو (بضرورت) ترجمان بنایا گیا ہے (جب یہ مقدمہ ممہد ہو گیا) تو (اب
سمجھنا چاہئے کہ) جب زبان سے بدون موافقت قلب کے کچھ کہا (جیسا عام عادت
ہے کہ زبان چلتی ہے اور دل میں اس کا نشان بھی نہیں) تو نہ زبان ترجمان ہوئی اور نہ
قاری متکلم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی حاجت سناتا ہو اور نہ خدا کی بات سننے والا ہوا کہ خدا
تعالیٰ جو اس سے خطاب فرماتے ہیں یہ اس کو سمجھتا ہو (خدا تعالیٰ کا خطاب یا تو مضامین
قرآن ہیں یا واردات الہامیہ) اور اس کے پاس کچھ بھی نہیں بجز اس کے کہ زبان کو
حرکت ہو ایسے قلب سے جو زبان سے کہی ہوئی بات کے قصد سے غائب ہے پس سزا
وار یہ ہے کہ متکلم اور مناجات کرنے والا ہو یا سننے والا خیال رکھنے والا ہو (یہ منع الخلو

ہے) سوادنیٰ مرتبہ اہل خصوص کا نماز میں جمع کرنا ہے قلب اور لسان کا تلاوت میں اور اس سے آگے خواص کے اور احوال ہیں کہ اس کی شرح طویل ہے بعض نے کہا ہے کہ میں کبھی نماز میں داخل نہیں ہوا کہ مجھ کو کوئی اور خیال آیا ہو بجز اس کے جو زبان سے پڑھوں اور عامر بن عبداللہ سے کہا گیا کیا تم نماز میں دنیا کی کوئی بات (دل میں) پاتے ہو فرمایا مجھ پر پیاپے سانوں یعنی بھالوں کا واقع ہونا مجھ کو زیادہ محبوب ہے اس سے کہ میں نماز میں وہ چیز پاؤں جو تم پاتے ہو اور بعض سے کہا گیا کہ کیا تم نماز میں دنیا کی کسی بات کے ساتھ حدیث النفس کرتے ہو انہوں نے کہا کہ نہ نماز میں اور نہ غیر نماز میں اور بعض بعض لوگ ایسے ہیں کہ جب اللہ کی طرف نماز میں متوجہ ہوتے ہیں (اول) معنی انابۃ کے ساتھ متصف ہو چکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انابت کو (نماز پر) مقدم کیا ہے اور یہ فرمایا ہے کہ خدا تعالیٰ کی طرف انابت کرنے والے اور خدا سے ڈرو اور نماز کو قائم کرو پس وہ شخص اللہ تعالیٰ کی طرف انابۃ یعنی توجہ کرتا ہے اور خدا سے ڈرتا ہے اس کے ماسوا سے تبری کر کے اور (اس حالت میں) نماز کو قائم کرتا ہے ایسے سینہ کے ساتھ جو اسلام سے کھلا ہوا ہے اور ایسے قلب کے ساتھ جو نور انعام سے کشادہ ہے پس قرآن کا کلمہ اس کی زبان سے نکلتا ہے اور وہ اس کو قلب سے سنتا ہے پس وہ کلمہ ایسے قلب کے فضاء میں واقع ہوتا ہے جس میں بجز اس کلمہ کے (اس وقت) کچھ نہیں ہے پس قلب اس پر حسن فہم اور لذیذ نعمت اصغاء کے ساتھ پورا قابض ہو جاتا ہے اور وہی قلب اس کلمہ کو حلاوت استماع اور کمال حفظ کے ساتھ خوب جذب کر لیتا ہے اور اس کے لطیف معنی کو اور شریف فحوی کو ادراک کرتا ہے وہ ایسے معانی ہیں کہ تفصیل ذکر سے ارفع ہیں اور فکر خفی کے ساتھ وہ متشکل ہیں اور (جو معانی قرآنیہ اس شخص کو متحضر ہوتے ہیں وہ دو قسم ہیں ایک ظاہری دوسرے باطنی پس) معانی قرآن جو ظاہری ہیں وہ تو نفس کی غذا ہیں سو نفس مطمئنہ معانی قرآن کو حدیث النفس کے عوض میں لیتا ہے (یعنی بجائے حدیث النفس کے ان معانی ظاہرہ میں مشغول ہو جاتا ہے) اس لئے کہ

یہ (قسم معانی کی) ایسے معانی ہیں جو ظاہر ہیں اور عالم حکمت یعنی عالم شہادت کی طرف متوجہ ہیں جن کی مناسبت نفس کے ساتھ قریب ہے جو کہ قواعد حکمت (متعلقہ بعالَم شہادت) کی اقامت کے لئے پیدا کیا گیا ہے (پس اس مناسبت کے سبب نفس نے ان پر خیالات کے عوض ان معانی کوعوض میں جلدی قبول کرلیا) اورا (ان معانی کی جودوسری قسم ہے یعنی) معانی باطنہ جن کا مکاشفہ ملکوت سے ہوتا ہے سو وہ قلب کی غذا ہیں اور (ان معانی کی انکشاف کی صورت یہ ہے کہ) روح مقدس عظمت متکلم کے مطالعہ سے اوائل سر اوقات جبروت تک پہنچتی ہے اور ایسے مطالعہ کے ذریعہ سے (اس روح کو) لجہ ہائے اشواق میں کمال استغراق نصیب ہوتا ہے (پھر اس انکشاف ملکوت سے قلب پر معانی باطنہ کا انکشاف ہوتا ہے) جیسا کہ مسلم بن یسار سے منقول ہے کہ انہوں نے ایک روز مسجد بصرہ میں نماز پڑھی پس اتفاقاً ایک ستون (مسجد کا کسی صدمہ سے) گرا جس کے گرنے کی آواز اہل بازار نے سنی اور وہ نماز میں کھڑے رہے اوران کواس کی خبر نہیں ہوئی پھر جب رکوع کا ارادہ کرے تو قرأت اور رکوع میں (قدرے) فصل کرے (یعنی قرأت ختم کرکے ایک لحہ توقف کرکے رکوع میں جائے) پھر اس طرح رکوع کرے کہ قامت دوہرا ہوجائے اور نصف اسفل قیام میں اپنی حالت پر رہے گھٹنوں میں بھی کچھ موڑ نہ ہواور اپنی دونوں کہنیاں اپنے پہلوؤں سے علیحدہ رکھے اور اپنی گردن مع کمر کے تان دے اور اپنی دونوں ہتھیلیاں اپنے گھٹنوں پرانگلیوں کو پھیلا کر رکھے مصعب بن سعد نے روایت کیا ہے کہ میں نے سعد بن مالک کی برابر کھڑے ہوکر نماز پڑھی اور میں نے اپنے ہاتھ اپنے دونوں زانو اور دونوں رانوں کے بیچ میں دے لئے اور دونوں کوملالیا انہوں نے میرے ہاتھوں پر مارا اور کہا کہ اپنے ہاتھوں کواپنے گھٹنوں کے اوپر رکھواور کہا کہ اے میرے پیارے بیٹے ہم (پہلے) ایسا کرتے تھے پھر ہم کوحکم ہوگیا کہ ہتھیلیوں کو گھٹنوں کے اوپر رکھیں اور تین بار **سبحان ربی العظیم** کہے اور یہ ادنیٰ ہے کمال کا اور پورا کمال یہ ہے کہ گیارہ بار کہے

اور جتنا عدد ادا کرے وہ رکوع میں اچھی طرح قرار پکڑنے کے بعد ہونا چاہئے اور اس عدد کے آخر کو بھی رکوع سے سر اٹھانے کے ساتھ نہ ملایا جائے اور دونوں ہاتھ رکوع کے لئے اٹھائے جائیں اور (اسی طرح) رکوع سے اٹھنے کے لئے بھی (رفع یدین کرے اور یہ دونوں رفع یدین حنفیہ کے نزدیک نہیں) اور اپنے رکوع میں قدموں کی طرف نظر رکھے کہ وہ اقرب الی الخشوع ہے بہ نسبت موضع سجود کی طرف نظر رکھنے کی اور موضع سجود کی طرف صرف حالت قیام میں نظر رکھے اور بعد تسبیح کے یہ کہے **اللھم لک رکعت ولک خشعت وبک اٰمنت ولک اسلمت خشع لک سمعی وبصری وعظمی ومخی وعصبی** اور اس کا قلب رکوع میں معنی رکوع یعنی تواضع و نیازمندی کے ساتھ متصف ہونا چاہئے پھر **سمع اللہ لمن حمدہ** کہتا ہوا سر اٹھائے اور جو کچھ زبان سے کہہ رہا ہے اس کو دل سے بھی جانے پھر جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو تحمید کرے یعنی یہ کہے **ربنا لک الحمد ملاء السموات وملاء الارض وملاء ماشئت من شیٔ بعد** پھر یہ کہے **اھل الثناء والمجد احق ماقال العبد وکلنا لک عبد لامانع لما اعطیت ولا معطی لما منعت ولا ینفع ذالجد منک الجد** اور اگر نفل میں رکوع سے سر اٹھا کر قیام طویل کرے تو بھی الحمد کو جس قدر چاہے مکرر کہے لیکن فرض میں اس قدر تطویل نہ کرے جو بین طور پر حد سے زیادہ ہو (اور حنفیہ کے نزدیک یہ سب مذکورہ دعائیں نفلوں ہی میں ہیں) اور قومہ میں بدن کو اس طرح اونچا کرے کمر کے سیدھا کرنے سے پورا اعتدال ہو جائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ آپ نے فرمایا ایسے شخص کی طرف اللہ تعالیٰ نظر نہیں فرماتا جو اپنی کمر کو رکوع اور سجود کے درمیان میں سیدھا نہ کرے اھ اس کے بعد سجدہ میں جھکتا ہوا جائے اور اپنے اس جھکنے کی حالت میں اللہ اکبر کہے اس طرح سے کہ بیدار ہو حاضر ہو خشوع کرنے والا ہو اور جس حالت میں جھک رہا ہے اور جس حالت کی طرف ہے اور جس کے لئے جھک رہا ہے اس کو

سمجھنے والا ہو کیونکہ بعض سجدہ کرنے والوں کو یہ مکشوف ہوتا ہے کہ وہ اعماق زمین کی طرف اس طرح جھک رہا ہے کہ اجزاء ملک میں غایت ہوگیا ہے بوجہ اس کے کہ اس کا قلب حیاء سے پُر ہوتا ہے اور اس کی روح کو کبریا عظیم کا شعور ہوتا ہے جیسا وارد ہوا ہے کہ جبریل علیہ السلام اپنے بازو کے ایک قطعہ میں حق تعالیٰ سے شرما کر چھپ گئے تھے (یعنی بازو سے اپنے کو ڈھانپ لیا) اور بعض ساجدین کو یہ مکشوف ہوتا ہے کہ سجدہ کرنے سے اس کے لئے کون و مکان کا بساط طے کیا جاتا ہے اور اس کا قلب کشف و معائنہ کے میدان میں چڑتا ہے پس اس کے جھکنے سے پہلے آسمانوں کے طبق جھک جاتے ہیں اور اس کی قوت مشاہدہ کے سامنے تمام کائنات کے نقوش محو ہو جاتے ہیں اور یہ چادر عظمت کے گوشہ پر سجدہ کر رہا ہے اور یہ (کشف) ان مراتب کا انتہائی درجہ ہے جہاں تک ہمت بشریہ کے طائر کو رسائی ہو سکتی ہے اور جہاں تک پہنچنے کے لئے قوی انسانیہ وفا کر سکتے ہیں اور انبیاء و اولیاء مراتب عظمت میں اور اس عظمت کے کنہ کے سمجھنے میں متفاوت ہیں ہر ایک کو بقدر اس سمجھنے کے اس کا ایک حظ خاص حاصل ہے اور ہر ذی علم سے بڑھ کر دوسرا ذی علم ہے اور بعض ساجدین وہ ہیں کہ ان کا ظرف (ان دونوں مذکورین سے) وسیع ہے اور ان کا نور زیادہ پھیلا ہوا ہے اور وہ دونوں (مذکورہ) صفتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے (یعنی اپنی تواضع اور حق تعالیٰ کی عظمت) اور وہ دونوں بازو کھولے ہوئے ہے پس قلب سے تو حق تعالیٰ کو جلیل دیکھ کر متواضع ہے اور روح سے اکرام اور افضال کے طور پر رفیع ہے سو اس کے لئے انس و ہیبت اور حضور و غیبت اور قرار و برار اور اخفاء و اظہار سب مجتمع ہیں پس وہ اپنے سجدہ کی حالت میں بحر شہود میں تیر رہا ہے اور اس کا اب تک بال بھی سجدہ سے متخلف نہیں جیسے سید البشر صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے سجدہ میں فرمایا **سجدلک سوادی وخیالی و للہ یسجد من فی السموات والارض طوعا و کرھا** طوع تو روح وقلب کے لئے ہے اس لئے کہ ان میں اہلیت ہے اور کرہ نفس کے لئے ہے کیونکہ اس میں اجنبیت ہے اور

اپنے سجدہ میں سبحان ربی الاعلیٰ کہے تین بار سے دس تک کہ وہ کمال ہے (غالباً دس سے مراد قرب ہے دس کا یعنی گیارہ جیسا رکوع میں اوپر آیا ہے) اور سجدہ میں آنکھیں کھولے رکھے کیونکہ وہ بھی سجدہ کرتی ہیں اور سجدہ میں جھکتے ہوئے اول اپنے گھٹنے رکھے پھر دونوں ہاتھ پھر پیشانی اور ناک اور سجدہ میں اپنی نرمہ بینی کی طرف نگاہ رکھے کہ سجدہ کرنے والے کے لئے خشوع میں زیادہ ابلغ ہے اور اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جائے نماز سے مس کرے اور ان کو کپڑے کے اندر نہ لپیٹے اور اس کا سر دونوں ہتھیلیوں کی درمیان رہے اور اس کے ہاتھ کندھوں کے مقابل رہیں ان کو داہنی جانب یا بائیں جانب مائل کر کے نہ رکھے اور بعد تسبیح کے یہ کہے اللھم لک سجدت وبک آمنت ولک اسلمت سجد وجھی للذی خلقہ وصورہ وشق سمعہ وبصرہ فتبارک اللہ احسن الخالقین اور امیر المؤمنین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے سجدہ میں فرمایا کرتے تھے۔

اور اگر یہ کہے سبوح قدوس رب الملئکۃ والروح تب بھی بہتر ہے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو اپنے سجدہ میں فرمایا کرتے تھے (حنفیہ کے نزدیک یہ سب نوافل میں ہے) اور اپنی کہنیوں کو اپنے پہلوؤں سے جدا رکھے اور اپنی انگلیوں کو سجدہ میں قبلہ کی طرف متوجہ رکھے اور اپنی ہتھیلیوں کی انگلیوں کو انگوٹھے کے ساتھ ملالے اور اپنے ہاتھوں کو زمین پر نہ بچھائے پھر اللہ اکبر کہتا ہوا اپنا سر اٹھائے اور اپنے بائیں پاؤں پر بیٹھے اور داہنے پاؤں کو اس طرح کھڑا کرے کہ انگلیوں کو قبلہ کی طرف متوجہ رکھے اور دونوں ہاتھ زانوں پر رکھے نہ انگلیوں کے ملانے کا اہتمام کرے اور نہ کشادہ رکھنے کا (اپنی حالت پر چھوڑ دے اور یہ پڑھے رب اغفرلی وارحمنی واھدنی واجبرنی وعافنی واعف عنی اور فرض میں اس جلسہ کو طویل نہ کرے رہا نفل میں تو جتنا طویل کرے کچھ حرج نہیں اور اسمیں رب اغفروارحم مکرر کہتا رہے پھر دوسرا سجدہ اللہ اکبر کہتا ہوا

کرے اور بیٹھنے میں اقعاء مکروہ ہے اور اقعاء کے معنی یہاں یہ ہیں کہ اپنے سرینوں کو اپنی ایڑیوں پر رکھ لے پھر جب (دوسرا سجدہ کر کے) دوسری رکعت کی طرف اٹھنے کا ارادہ کرے تو استراحت کے لئے ایک خفیف جلسہ کرے (یہ حنفیہ کے نزدیک نہیں ہے) اور بقیہ رکعات میں بھی اسی طرح کرے پھر تشہد پڑھے اور نماز میں راز ہے معراج کا اور وہ نماز معراج ہے قلوب کی اور تشہد قرارگاہ ہے وصول کا بعد قطع کرنے سافات ہیئات مختلفہ کے موافق تدریج طبقات سموات کے (یعنی جس طرح آسمان کے مختلف طبقات ہیں اسی طرح نماز میں مختلف ہیئتیں ملتی ہیں ان سب کے بعد تشہد ہے) اور التحیات کی حقیقت سلام ہے پروردگار خلق پر پس جو کچھ کہہ رہا ہے اس کو سمجھے (فی القاموس الذہن بالکسر الفہم والعقل الے قولہ فذہنہ ۱۲ منہ) اور جس سے کہہ رہا ہے اس کے ساتھ ادب کرے اور جس طرح کہہ رہا ہے اس کو جانے اور (اسی التحیات میں) نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر اسطرح سلام بھیجے کہ آپ کو اپنے قلب کی آنکھوں کے سامنے متمثل کر لے (یعنی اس وقت آپ کا اچھی طرح تصور کرے) اور اللہ کے صالح بندوں پر سلام بھیجے پس کوئی بندہ نہ آسمان میں رہے اور نہ زمین میں مگر اس پر نسبت روحیہ اور خاصیت فطریہ سے سلام بھیجے اور انگشت شہادت کو شہادت میں الا اللہ کے وقت اٹھائے لا کے ساتھ نہ اٹھائے (اور حنفیہ کی کتاب میں لا پر اٹھانا اور الا اللہ پر جھکانا لکھا ہے اور اس کو بالکل کھڑی نہ کرے بلکہ اس کا سرا ان کی طرف جھکا اور مڑا رہے پس یہ ہیئت ہے اس انگلی کے خشوع کی اور علامت ہے اس کی کہ قلب کے خشوع نے اس کی طرف بھی سرایت کی ہے اور ان پر آخر نماز میں دعا کرے اپنے لئے اور سب مومنین کے لئے اور اگر امام ہو تو مناسب ہے کہ صرف اپنے ہی لئے دعا نہ کرے بلکہ اپنے لئے بھی اور اپنے پیچھے والوں کے لئے بھی پس امام جو نماز میں بیدار (اور حقوق امامت میں ہوشیار) رہے مثل اس دربان کے ہے جو کسی بادشاہ کے پاس داخل ہو اور اسکے پیچھے کچھ اہل حاجت ہوں جن کے لئے عرض معروض کرتا ہے اور انکی

حاجتیں پیش کرتا ہے اور مومنین سب اس عمارت کی مثل ہیں۔

جس کا ایک جزو دوسرے کو قوت دیتا ہے اور اسی وصف سے اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے کلام میں اس قول سے ذکر فرمایا ہے کانھم بنیان مرصوص اور کتب سابقہ میں اس امت کے اوصاف میں یوں آیا ہے کہ ان کی صف نماز میں ایسی ہوگی جیسے ان کی صف قتال میں حدیث بیان کی ہم سے اس مضمون کی ہمارے شیخ ضیاء الدین ابو النجیب سہروردی نے لکھوانے کے طور پر انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو عبدالرحمٰن محمد بن عیسیٰ بن شعیب مالینی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابوالحسن عبدالرحمٰن بن محمد بن مظفر واعظ نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو محمد عبداللہ بن احمد سرخسی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو عمران عیسی بن عمر بن العباس سمرقندی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابو محمد عبداللہ بن عبدالرحمٰن دارمی نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو مجاہد بن موسیٰ نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے محن ابن عیسیٰ نے کہ انہوں نے کعب احبار سے پوچھا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت توراۃ میں کیسی پاتے ہو انہوں نے کہا ہم یہ مضمون پاتے ہیں محمد بن عبداللہ مکہ میں پیدا ہوں گے اور مدینہ کی طرف ہجرت کریں گے اور ان کی سلطنت شام میں ہوگی نہ وہ درشت خو ہیں نہ بازاروں میں غل مچانے والے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی سے نہیں کرتے لیکن معاف کر دیتے ہیں اور بخش دیتے ہیں ان کی امت بہت حمد کرنے والے ہیں ہر خوشی کی حالت میں وہ حمد کرتے ہیں اور ہر بلندی پر اللہ اکبر کہتے ہیں وضو میں اپنے اطراف کو دھوتے ہیں اور اپنی کمر میں لنگیاں باندھتے ہیں وہ اپنی نماز میں اس طرح صف باندھتے ہیں جس طرح اپنے قتال میں صف باندھتے ہیں ان کی آواز ان کی مساجد میں ایسی ہوگی جیسے شہد کی مکھی کی آواز۔ ان کا منادی کرنے والا جو آسمان میں سنا دے گا (مراد اس سے اذان ہے) پس امام نماز کا محاربہ شیطان میں مقدمہ صف کا ہے پس وہ خشوع اور ادائے حقوق ادب ظاہری و باطنی میں سب نمازیوں کے زیادہ مستحق ہے۔

اور بیدار نمازیوں کے ظاہری امور میں جس قدر اجتماع ہوگا اسی قدر ان کے باطنی امور مجتمع اور ایک دوسرے کو مدد پہنچانے والے اور قوت دینے والے ہوں گے اور بعض سے بعض کو انوار و برکات پہنچیں گے بلکہ تمام اقطار زمین میں جتنے مسلمان نمازی ہیں ان سب میں بھی باعتبار قلوب اور اسلامی نسبتوں اور ایمانی رابطہ کے باہم تعاضد و تناصر ہوتا ہے بلکہ اللہ تعالیٰ ان کی امداد ملئکہ کرام سے بھی فرماتے ہیں جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد نشانی کئے ہوئے ملئکہ سے فرمائی تھی کیونکہ ان کی حاجتیں محاربہ شیطان کے متعلق بہ نسبت محاربہ کفار کی حاجت کے زیادہ واقع ہیں (پھر جب ضعیف حاجت میں ملئکہ سے امداد ہوئی تو قوی حاجت میں کیوں نہ ہوگی) اور اسی واسطے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف رجوع ہوئے اس لئے فرشتے ان سے ملحق ہوتے ہیں بلکہ ان کے انفاس قدسیہ کی بدولت آسمان تھمے ہوئے ہیں پھر جب نماز سے باہر آنے کا ارادہ کرے ان پر داہنے طرف سلام پھیرے اور سلام کے ساتھ خروج من الصلوۃ کی نیت اور ملائکہ پر اور جو مومن موجود ہیں اور مومنین جن پر سلام بھیجنے کی نیت رکھے اور اپنا رخسارہ داہنے طرف والوں کے لئے گردن کو پھیر کر ظاہر کر دے اور اس سلام کے اور بائیں طرف کے سلام کے درمیان میں کسی قدر فصل کرے کیونکہ مواصلت سے ممانعت آئی ہے اور مواصلت کی پانچ قسم ہیں دو تو امام کے ساتھ خاص ہیں وہ یہ ہے کہ قرأت کو تکبیر سے نہ ملائے اور رکوع کو قرأت سے نہ ملائے اور دو مقتدی کے ذمہ ہیں۔

وہ یہ کہ تکبیر تحریمہ کو تکبیر امام سے نہ ملائے اور نہ اپنے سلام کو امام کے سلام سے ملائے اور ایک قسم امام اور مقتدیوں سب پر ہے اور وہ یہ کہ تسلیم فرض کو تسلیم نفل سے نہ ملائے (غالباً مطلب یہ ہے کہ فرض نماز کو پورا کر کے سلام نہ پھیرا ویسے ہی کھڑے ہو کر نفل شفعہ شروع کر دیا اور آخر میں سلام پھیر کر اب دونوں نماز سے خارج ہوا تو گویا یہ سلام دونوں کا ہوا اور سلام پر جزم دے (یعنی رحمۃ اللہ میں ہاء کی حرکت ظاہر نہ کرے

اور سلام کو بہت نہ کھینچے پھر بعد سلام کے جو چاہے دعا کرے دین کی یا دنیا کی اور سلام سے پہلے نماز کے اندر بھی دعا پڑھے وہ مقبول ہوتی ہے۔

اور جس شخص نے پانچوں نمازیں جماعت کے ساتھ قائم کرلیں اس نے تمام بروبحر کو عبادت سے بھر دیا اور تمام مقامات واحوال کا خلاصہ یہ پانچ نمازیں ہیں جماعت کیساتھ اور وہ دین کی روح ہے اور خطاؤں سے خالص کرنا ہے جیسا کہ خبر دی ہم کو شیخ شیخ الاسلام ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی نے بطور اجازت کے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابومنصور محمد بن عبدالملک ابن خبرون نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابومحمد حسن بن علی جوہری نے بطور اجازت کے کہا خبر دی ہم کو ابوعمر محمد بن العباس بن زکریا نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو ابومحمد یحیٰی بن محمد بن صاعد نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو حسین بن حسن مروزی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو عبداللہ بن المبارک نے انہوں نے کہا کہ خبر دی ہم کو یحیٰی بن عبداللہ نے انہوں نے کہا سنا میں نے اپنے باپ سے کہ وہ کہتے تھے میں نے ابوہریرہ رضی اللہ تعالٰی عنہ سے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ پانچ نمازیں خطاؤں کا کفارہ ہیں اور تمہارا جی چاہے یہ آیت پڑھ لو کہ بیشک نیکیاں دور کر دیتی ہیں بدیوں کہ یہ نصیحت ہے نصیحت ماننے والوں کے لئے۔

باب سی و ہشتم

آداب و اسرار نماز کے ذکر میں

نمازی کے آداب میں سب سے احسن یہ ہے کہ کسی چیز میں مشغول القلب نہ ہو خواہ وہ شے قلیل ہو یا کثیر ہو کیونکہ داناؤں نے دنیا کو صرف نماز اچھی طرح موافق حکم کے پڑھنے کے لئے چھوڑا ہے کیونکہ دنیا اور اس کے مشاغل جب قلب کو مشغول کرنے والے تھے انہوں نے اس کو اس لئے چھوڑ دیا کہ ان کو محل مناجاۃ (یعنی قلب) پر غیرت آئی اور ان کو وطن قربات میں رغبت ہوئی اور انہوں نے باطن کو رب الخلائق کے سامنے منقاد کر دیا کیونکہ ظاہر سے نماز میں حاضر رہنا یہ ظاہر کو منقاد بناتا ہے اور نماز میں ماسوی اللہ سے قلب کا فارغ رہنا یہ باطن کو منقاد بناتا ہے۔

پس انہوں نے یہ تجویز نہیں کیا کہ ظاہر حاضر ہو اور باطن (حضور سے) متخلف ہوتا کہ ان کا اذعان خلل پذیر نہ ہو جائے جس سے ان کی عبدیت منقطع نہ ہو جائے اس لئے اس سے بہت بچے کہ اس کا باطن کسی چیز سے متعلق ہو اور ایسی حالت میں نماز میں داخل ہو جائے اور بعض نے کہا ہے کہ آدمی کی سمجھ کی بات یہ ہے کہ نماز سے پہلے اول قضاء حاجت کرے اور اسی واسطے وارد ہوا ہے کہ جب رات کا کھانا اور نماز عشاء دونوں حاضر ہوں تو کھانے کو نماز پر (ایسی حالت میں) مقدم کرو (کہ کھانے کے لئے طبیعت بے چین رہے) اور اس حالت میں بھی نماز نہ پڑھے کہ وہ حاجت کو دبائے ہوئے ہو کہ اس کو پیشاب کا تقاضا ہو یا پاخانہ کا تقاضا ہو اور اس کو حازق کہتے ہیں اور حزق کے معنے تنگی، موزہ بھی ہیں اور ایسی حالت میں بھی نماز نہ پڑھے کہ اس کا

موزہ تنگ ہو مشہور ہے کہ حازق کی کوئی رائے نہیں اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے کہ ایسا شخص جس کو کچھ تنگی ہو حاصل یہ ہے کہ یہ امر خلاف ادب ہے کہ ایسی حالت میں نماز پڑھے کہ اس کے پاس کوئی ایسی بات ہو جو اس کے مزاج باطن کو اعتدال سے متغیر کردے جیسے یہ اشیاء جن کا ہم نے ذکر کیا اور جیسا فکر مفرط اور غضب اور خبر میں ہے کہ ایسی حالت میں نماز میں داخل نہ ہو کہ وہ کسی پر ترش رو ہو اور غضب کی حالت میں بھی نماز نہ پڑھے پس بندہ کو زیبا نہیں کہ نماز سے تلبس کرے مگر اس حالت میں کہ وہ اکمل ہیئات پر ہو اور نمازی کو اچھی ہیئت اعضاء کا سکون اور ادھر ادھر نہ دیکھنا اور سر جھکائے رکھنا اور داہنا ہاتھ بائیں پر رکھنا ہے۔

پس یہ ہیئت ایک ایسے ذلیل غلام کے لئے جو ایک معزز بادشاہ کے سامنے کھڑا ہو کیسی اچھی ہیئت ہے اور رخصت شرع میں تین سے کم متواتر حرکات جائز ہیں اور اہل عزیمت نماز میں بالکلیہ ہی حرکت کو ترک کر دیتے ہیں اور میں نے ایک بار نماز میں اپنے ہاتھ کو حرکت دی تھی اور میرے نزدیک ایک شخص صالحین میں سے کھڑے تھے جب میں نماز سے فارغ ہوا انہوں نے مجھ پر انکار فرمایا اور کہا کہ ہمارے نزدیک یہ بات ہے کہ بندہ جب نماز میں کھڑا ہو تو مناسب ہے کہ بالکل جماد کی طرح بندھا ہوا کھڑا رہے کہ اس کی کوئی چیز بھی حرکت نہ کرے اور خبر میں آیا ہے کہ سات چیزیں نماز میں شیطان کی طرف سے ہیں نکسیر اور اونگھ اور وسوسہ اور جمائی اور کھجلانا اور ادھر ادھر دیکھنا اور کسی چیز سے کھیلنا یہ بھی شیطان کی طرف سے ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ سہو اور شک بھی اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے انہوں نے فرمایا کہ خشوع (کامل) نماز میں یہ ہے کہ نمازی کو یہ شناخت نہ ہو کہ اس کے داہنی طرف کون اور بائیں طرف کون ہے اور حضرت سفیان سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ جو شخص خشوع نہ کرے اس کی نماز فاسد ہے اور حضرت معاذ بن جبل سے اس سے بھی زیادہ سخت منقول ہے انہوں نے فرمایا کہ جو

شخص نماز میں قصداً اپنی داہنی طرف والوں کو اور اپنی بائیں طرف والوں کو شناخت کرے اس کی نماز باطل ہے بعض نے (اس کی توجیہ میں) کہا ہے کہ یہ اس لئے ہے کہ اس (قصداً شناخت کرنے) کو ان لوگوں نے ایک عمل (منافی صلوٰۃ) شمار کیا ہے (اور یہ قول پہلے قول سے اس لئے اشد ہے کہ اس قول اول میں عدم خشوع کو مفسد کہا تھا اور خشوع ادنیٰ درجہ پر بھی صادق آتا ہے اور اس کا ادنیٰ درجہ تعمد معرفت کے ساتھ جمع ہوسکتا ہے تو اس قول میں تعمد معرفت مفسد نہ تھا اور اس قول میں مفسد ہے پس اشد ہونا ظاہر ہے اور یہ سب اقوال یا متروک ہیں یا مول ہیں نفی کمال صلوٰۃ کے ساتھ کیونکہ بالاجماع خشوع شرائط صحت صلوٰۃ سے نہیں مگر نفی کمال بھی قابل تحذیر ہے)۔

بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس قول یعنی **والذین هم علی صلاتهم دائمون** کی تفسیر میں کہا ہے کہ مراد دوام سے سکون جوارح اور طمانیت (قلب) ہے (جیسا قاموس میں ہے دام سکن ومنہ الماء الدائم) بعض نے کہا ہے کہ جب تو تکبیرۂ اولی کہے تو جان لے کہ اللہ تعالیٰ تیرے قلب کو دیکھ رہا ہے اور تیرے مافی الضمیر کو جانتا ہے اور اپنی نماز میں جنت کو اپنی داہنی طرف اور دوزخ کو اپنی بائیں طرف متمثل کرلے اور ہم نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ جنت اور دوزخ کو متمثل خیال کرے تو یہ اس لئے ہے کہ قلب جب ذکر آخرت میں مشغول ہوجائے گا تو اس سے وساوس خود منقطع ہوجائیں گے پس یہ متمثل خیال کرنا دفع وسوسہ کے لیے قلب کا علاج ہوجائے گا (آگے اس مضمون کی تائید ہے وہ یہ کہ) خبر دی ہم کو ہمارے شیخ ضیاء الدین ابوالنجیب سہروردی نے بطور اجازت کے انہوں نے کہ خبر دی ہم کو عمر بن احمد صفار نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابوبکر بن خلف نے کہا انہوں نے کہ خبر دی ہم کو ابوعبدالرحمٰن نے کہا انہوں نے سنا میں نے ابوالحسین فارسی سے وہ کہتے تھے سنا میں نے محمد بن الحسین سے وہ کہتے تھے کہ حضرت سہل نے فرمایا جس کا قلب آخرت کی یاد سے خالی ہوگا وہ وساوس شیطان کے لئے آمادہ ہوجاتا ہے (اس کے لئے یہ تمثل علاج ہے) باقی جو شخص ایسا

ہو کہ اس کا باطن یقین صافی اور نور معرفت سے رچا ہوا ہو وہ اپنی اس کیفیت حاضرہ کے سبب کسی اور مشاہدہ کی تمثیل سے مستغنی ہوگا۔

ابوسعید خراز کہتے ہیں کہ جب رکوع کرے تو رکوع میں ادب یہ ہے کہ اعضاء کو جھکا دے (نصب لشئے وضعه ورفعه ضد کنصبه فانتصب وتنصب ۱۲ق) اور (زمیں کے) قریب ہو جائے اور رکوع میں نشیب کی طرف حرکت کرتا ہوا چلا جائے۔ یہاں تک کہ اس کا کوئی جوڑ ایسا نہ رہ جائے جو عرش عظیم کی طرف کو (جو کہ بمنزلہ تخت شاہی کے ہے) نہ جھکا دیا جائے (یعنی جس طرح تخت شاہی کے روبرو تواضع کی ہیئت بناتے ہیں اس طرح رکوع میں حق تعالیٰ کو عرش پر جلوہ فرما خیال کر کے ہر عضو کی ہیئت بنا دے) پھر حق تعالیٰ کو ایسا عظم سمجھے کہ اس کے قلب میں کوئی شئے نہ رہے جو اللہ تعالیٰ سے زیادہ عظیم ہو (یعنی طبعاً بھی ورنہ عقلاً تو ہر مسلمان کو یہ دولت میسر ہے اور اپنے دل میں اپنے کو ایسا حقیر سمجھے کہ ایک غبار سے بھی کمتر ہو جائے اور جب (رکوع سے) سر اٹھائے اور (سمع اللہ لمن حمدہ میں) اللہ تعالیٰ کی حمد کرے تو یہ جانے کہ اللہ تعالیٰ اس کو سنتے ہیں (جیسا کہ اس جملہ کا ترجمہ بھی یہی ہے)۔

حضرت سہل نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اور (اس سننے کے تصور کے ساتھ) اس کو خوف بھی اتنا ہونا چاہئے کہ اس سے پگھلنے کے قریب ہو جائے۔ سراج نے فرمایا ہے کہ جب بندہ تلاوت شروع کرے تو ادب اس میں یہ ہے کہ مشاہدہ کرے اور اپنے قلب کو اس طرح سنائے گویا وہ قلب اللہ تعالیٰ سے سن رہا ہے یا یوں سمجھے کہ گویا اللہ تعالیٰ کے سامنے پڑھ رہا ہے (اور اللہ تعالیٰ کو سنا رہا ہے جس طرح شاگرد استاد کو سنایا کرتا ہے) اور سراج نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اہل طریق کے آداب میں سے قبل صلوٰۃ مراقبہ کرنا اور قلب کی محافظت کرنا ہے خواطر اور عوارض سے اور تمام غیر اللہ کی نفی کر دینا ہے (یہ تو نماز کے قبل ہوا) پھر جب نماز کی طرف حضور قلب کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں تو وہ گویا ایک نماز سے دوسری نماز کی طرف کھڑے ہوتے ہیں (کیونکہ قبل صلوٰۃ

جو مراقبہ تھا وہ بھی مشاہدۂ حق و حضور قلب میں مثل صلوۃ ہی کے تھا) پھر نفس و عقل (کے حضور) کے ساتھ (نماز میں خصوص تلاوت کے وقت روتے ہیں (یعنی جس طرح ان کا قلب نماز میں حاضر تھا جن (کے حضور) کے ساتھ وہ نماز میں داخل ہوئے ہیں جس کا اوپر ذکر آیا ہے اسی طرح ان کا نفس اور عقل بھی حاضر ہوتا ہے جس کی تفصیل عنقریب آتی ہے جہاں نماز کے چار شعبے مذکور ہوں گے) پھر جب وہ نماز سے خارج ہوتے ہیں تو پھر حضور قلب کی پہلی حالت کی طرف لوٹ آتے ہیں۔ پس گویا وہ ہمیشہ ہمیشہ (حکما) نماز ہی میں رہتے ہیں سو یہ ہے ادب نماز کا (حکما اس لئے کہا کہ ان کی حالت حضور قلب کی دائم ہے اور یہ ایک حقیقت ہے حقائق صلوٰۃ سے پس اس کا دوام مثل دوام صلوۃ کے ہے) اور منقول ہے کہ بعض بزرگوں سے بوجہ کمال استغراق کے شمار (رکعات) کا یاد رکھنا نہ بن پڑتا تھا اور ان کا کوئی ہم صحبت ان پر شمار کرتا رہتا تھا کہ کتنی رکعت پڑھیں اور بعض نے کہا ہے کہ نماز کے چار شعبے ہیں ایک قالب کا حاضر ہونا محراب میں اور ایک عقل کا حاضر ہونا بادشاہ وہاب کے روبرو اور ایک خشوع قلب کا بلا کسی خلجان کے اور ایک خضوع جوارح کا انتظار (رحمت حق) کے ساتھ کیونکہ حضور قلب کے وقت حجاب کا رفع ہے اور حضور عقل کے وقت غباب کا رفع ہے اور حضور نفس کے وقت (عنایت حق کے) دروازوں کی کشادگی ہے اور خضوع ارکان کے وقت وجود ثواب ہے (اوپر شعبوں کی فہرست میں نفس کا حاضر ہونا نہیں آیا۔

ممکن ہے کہ حضور قالب میں حکما اس کو داخل کیا ہے کہ نفس کو قالب کے ساتھ زیادہ تعلق ہے بہ نسبت تعلق قلب و عقل کے اور بواسطہ قالب کے نفس پر شہود فی المحراب کا حکم بھی صحیح ہوسکتا ہے آگے تفریع ہے ماقبل پر) سو جو شخص نماز میں بلا حضور قلب داخل ہو پس وہ نمازی غافل نمازی ہے اور جو اس (نماز) میں بلا حضور قلب آئے پس وہ سہو کرنے والا نمازی ہے اور جو شخص اس میں بلا خضوع نفس آئے پس وہ خطا کار نمازی ہے اور جو اس میں بلا خشوع ارکان آئے وہ بے تمیز نمازی ہے اور جو اس

میں اس طرح داخل ہو جیسا (اوپر) بیان کیا گیا ہے سو وہ حق کا ایفاء کرنے والا نمازی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ جب بندہ فرض نماز کی طرف اپنے قلب اور سمع اور بصر سے حق تعالیٰ پر متوجہ ہو کر کھڑا ہوتا ہے تو وہ ایسی حالت میں نماز سے فارغ ہوتا ہے کہ وہ اپنے گناہوں سے اسی طرح باہر ہو چکتا ہے جیسے اس کی ماں کے جننے کے دن تھا اور بیشک اللہ تعالیٰ منہ دھونے سے وہ خطا معاف کر دیتا ہے جو اس سے ہو گئی ہے اور اس کے دونوں ہاتھ دھونے سے وہ خطا معاف کر دیتا ہے جو اس سے ہو گئی ہے اور اس کے دونوں پاؤں کے دھونے سے وہ خطا معاف کر دیتا ہے جو اس سے ہو گئی ہے یہاں تک کہ وہ نماز میں داخل ہوتا ہے کہ اس پر کوئی گناہ نہیں رہتا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چوری کا ذکر آیا آپ نے فرمایا کہ چوری کونسی بدتر سے بدتر ہے۔ لوگوں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسول زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا کہ سب سے بڑی چوری یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی نماز میں سے چوری کرے لوگوں نے عرض کیا کہ نماز میں سے کیسے چراوے گا۔

آپ نے فرمایا (وہ چوری اس طرح سے ہے کہ وہ) نماز کے نہ رکوع کو پورا کرے نہ سجود کو اور نہ اس کے خشوع کو اور نہ اس میں قرآن پڑھنے کو۔ ابو عمرو بن ابی العلاء سے منقول ہے کہ وہ امام بننے کے لئے آگے بڑھائے گئے انہوں نے عذر کیا کہ میں (اس کی) صلاحیت نہیں رکھتا جب لوگوں نے زیادہ اصرار کیا تو (نماز شروع کرنے کیلئے) اللہ اکبر کہا پھر (فوراً) بے ہوش ہو گئے لوگوں نے دوسرے امام کو آگے کیا جب ان کو افاقہ ہوا ان سے سوال کیا گیا انہوں نے فرمایا کہ جب میں نے (صف سیدھی کرنے کے واسطے) کہا کہ ٹھیک ہو مجھ کو ایک ہاتف نے آواز دی کہ (تو جو اوروں کو ٹھیک ہونے کے لئے کہہ رہا ہے سو) تو بھی کبھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ٹھیک ہوا ہے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بندہ جس وقت وضو اچھی طرح کرتا ہے اور وقت پر نماز پڑھتا ہے اور اس کے رکوع و سجود اور اوقات پر محافظت کرتا ہے تو وہ نماز

کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ (ہر شر سے) تیری حفاظت کرے جیسا تو نے میری حفاظت کی اس کے بعد وہ (اوپر) چڑھ جاتی ہے اور اس میں ایک نور ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ آسماں تک پہنچتی ہے اور یہاں تک کہ وہ حق تعالیٰ تک پہنچتی ہے پھر اپنے پڑھنے والے کی سفارش کرتی ہے اور جب بندہ اس (نماز) کو ضائع کرتا ہے۔

تو کہتی ہے کہ خدا تعالیٰ تجھ کو ضائع کرے جیسا تو نے مجھ کو ضائع کیا پھر اوپر چڑھتی ہے اور اس میں ایک ظلمت ہوتی ہے یہاں تک کہ آسمان کے دروازوں تک پہنچتی ہے پھر وہ دروازے اس کے آگے سے بند کر دیئے جاتے ہیں پھر اس کو پرانے چیتھڑے کی طرح لپیٹا جاتا ہے اور اس کو اس کے پڑھنے والے کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور ابو سلیمان دارانی نے فرمایا ہے کہ جب بندہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے اور میرے بندہ کے درمیان کے حجاب اٹھا دو پھر جب وہ ادھر ادھر دیکھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان حجابوں کو پھر میرے اور اس کے درمیان چھوڑ دو اور پھر میرے بندہ کو اس چیز کے ساتھ جس کو اس نے نفس کے لئے اختیار کیا ہے مخلی بالطبع چھوڑ دو (یعنی اس کو اسی بے التفاتی کی بے برکتیوں کے ساتھ رہنے دو جس کو اس نے توجہ الی اللہ کی برکات کو چھوڑ کر اختیار کیا ہے) اور ابو وراق نے فرمایا ہے کہ بعض اوقات میں نماز پڑھتا ہوں اور اس سے ایسی حالت میں فارغ ہوتا ہوں کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس شخص کی طرح شرماتا ہوں جو کہ زنا سے فارغ ہوتا ہے (اور) ان کا یہ قول ان کی نظر میں نماز کا ادب غایت درجہ میں عظیم ہونے کی وجہ سے ہے اور ہر شخص کا ادب صلوٰۃ کو پہچاننا بقدر اس کے حصہ قرب (من اللہ) کے ہے اور حضرت موسیٰ (کاظم) بن جعفر (صادق) رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا گیا کہ لوگوں نے آپ کی نماز کو آپ کے سامنے سے گزر کر خراب کیا۔

انہوں نے فرمایا کہ میں جس کے لئے نماز پڑھ رہا ہوں وہ میرے ساتھ اس شخص کی نسبت زیادہ قریب ہے جو میرے سامنے سے چل رہا ہے (یعنی جب مجھ کو توجہ الی

اللہ اس شخص کی طرف توجہ کرنے سے مانع ہے تو میری نماز میں کیا خرابی ہوئی کیونکہ وہ خرابی بھی توجہ الی المارین تھی) اور کہا گیا ہے کہ حضرت زین العابدین علی بن الحسین رحمۃ اللہ علیہ جب نماز کو جاتے تھے تو بوجہ رنگ بدل جانے کے پہچانے نہ پڑتے تھے اس باب میں ان سے عرض کیا جاتا تو فرماتے کہ تم کچھ جانتے بھی ہو میں کس کے سامنے کھڑے ہونے کا ارادہ کرتا ہوں اور عمار بن یاسر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ بندہ کی نماز میں سے اتنا ہی لکھا جاتا ہے جس کو سمجھ کر پڑھے (اور بے فکری کا حصہ نہیں لکھا جاتا) اور ایک دوسرے لفظ میں وارد ہوا ہے کہ تم میں سے بعض تو کامل نماز پڑھتے ہیں اور بعضے نصف اور ثلث اور ربع اور خمس یہاں تک کہ عشر تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔

خواص ؒ نے فرمایا ہے کہ آدمی کو مناسب ہے کہ اپنے نوافل میں اپنے فرائض کی کمی کے لئے نیت کرے اگر اس میں یہ نیت نہ کی تو اسمیں سے (اس) حساب میں کچھ نہ لگے گا۔ ہم کو یہ خبر پہنچی ہے کہ اللہ تعالیٰ نفل کو قبول نہیں فرماتے یہاں تک کہ فرض ادا کیا جائے اللہ تعالیٰ (ایسے شخصوں سے) فرماتے ہیں کہ تم لوگوں کی مثال اس بندۂ بد کی سی ہے جو ادائے دین کے قبل ہدیہ کی ابتدا کرے اور انہوں نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مخلوق اللہ تعالیٰ سے دو خصلتوں کے سبب دور ہو گئی ایک یہ کہ وہ نوافل کے تو طالب ہوئے اور فرائض کو ضائع کیا اور دوسرے یہ کہ انہوں نے اعمال ظاہری جوارح سے تو کئے اور اپنے نفسوں پر انہوں نے اس کا مواخذہ نہ کیا ان میں صدق پیدا کریں اور (اس صدق سے) ان کی خیر خواہی کریں اور اللہ تعالیٰ کسی عامل سے کسی عمل کے قبول کرنے کو بدون صدق اور عمل بالحق کے منظور نہیں کرتا۔ اور نماز میں آنکھ کا کھولنا بہ نسبت آنکھ بند کرنے کے زیادہ بہتر ہے (بوجہ موافقت سنت کے) مگر یہ کہ نظر کے پریشان ہونے سے خیال منتشر ہونے لگے تو بغرض استعانت علی الخشوع کے آنکھ بند کرلے اور اگر نماز میں جمائی لے تو اپنے ہونٹوں کو بقدر امکان بند کرلے

اوراپنے ذقن کواپنے سینے سے نہ لگائے اورنماز میں دوسرے شخص کے ساتھ مزاحمت نہ کرے (مثلاً کسی سے بہت بھڑ کر کھڑا ہو) کہا گیا ہے کہ جس سے مزاحمت کی جائے وہ مزاحمت کرنے والے کی نماز کو ضائع کر دیتا ہے (یعنی اس کا سبب ہو جاتا ہے) اوراسی کی تائید میں) کہا گیا ہے کہ جو شخص صف اول کواس اندیشہ سے ترک کر دے کہ صف اول پر تنگی کا سبب ہو جائے گا اور صف ثانی میں کھڑا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ اس کو مثل ثواب صف اول کے دے گا اوران کے ثواب سے کچھ کم نہ کیا جائے گا اور بعض نے کہا ہے کہ ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جب نماز میں کھڑے ہوتے تو آپ کے قلب کی حرکت ایک میل سے سنائی دیتی تھی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ایک جوش کی آواز سنائی دیتی تھی جیسے ہنڈیا کے جوش کی آواز ہوتی ہے یہاں تک کہ مدینہ کے بعضے کوچوں میں بھی سنائی دیتی تھی اور حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا نماز میں فرض کیا ہے انہوں نے (بجائے اس کے کہ اس کے ارکان ظاہری بتلاتے جیسا غالباً مقصود سائل کا تھا بطور جواب علی اسلوب الحکیم کے اس کے ارکان باطنی بتلائے اور) کہا کہ علائق کا قطع کرنا اور خیالات کا مجتمع کرنا اور حق تعالیٰ کے روبرو (قالب اور قلوب کا) حاضر رہنا اور جس کا قول ہے تیرے دین میں سے کون چیز تجھ کو عزیز ہوگی جبکہ تجھ کو تیری نماز ہی بے قدر ہے اور کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کے پاس وحی بھیجی تو ارشاد فرمایا کہ جب تم نماز میں داخل ہوا کرو تو اپنے قلب سے تو مجھ کو خشوع دے دیا کرو اور اپنے بدن سے خضوع (دیدیا کرو) اور اپنی آنکھ سے آنسو (دیدیا کرو) کیونکہ میں قریب ہوں اور ابوالخیر اقطع نے کہا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ کو وصیت فرمایئے آپ نے فرمایا اے ابوالخیر نماز کو پلہ باندھ لو کیونکہ میں نے اپنے رب سے وصیت کی درخواست کی تو اس نے مجھ کو نماز کی وصیت کی اور مجھ سے فرمایا کہ سب

سے زیادہ تمہارے قریب اس حالت میں ہوتا ہوں جب تم نماز پڑھتے ہوتے ہو اور ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ دو رکعتیں فکر کے ساتھ بہتر ہے رات بھر جاگنے سے (جس میں فکر نہ ہو) اور کہا گیا ہے کہ محمد بن یوسف فرغانی نے حاتم اصم کو کھڑے ہوئے دیکھا کہ وعظ فرمارہے ہیں ان سے کہا کہ اے حاتم میں تم کو لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے دیکھتا ہوں سو کیا تم کو نماز پڑھنا اچھی طرح آتا ہے انہوں نے کہا ہاں۔ کہا کس طرح پڑھتے ہو کہا کہ میں کھڑا ہوتا ہوں حکم کے موافق (جو اس آیت میں مذکور ہے یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ الخ اور یہ مغائر ہے قیام فی الصلوٰۃ کے) اور چلتا ہوں خوف سے اور (نماز میں) داخل ہوتا ہوں ہیبت سے اور اللہ اکبر کہتا ہوں عظمت سے اور قرآن پڑھتا ہوں ترتیل سے اور رکوع کرتا ہوں خشوع سے اور سجدہ کرتا ہوں تواضع سے اور تشہد میں بیٹھتا ہوں تمیم صلوٰۃ کے ساتھ اور سلام پھیرتا ہوں سنت کے موافق اور اُس کے بعد) اس (نماز) کو اپنے رب کے سپرد کردیتا ہوں اور اپنے ایام عمر تک اس کی حفاظت کرتا ہوں (کہ کوئی عمل منقص اجر صلوۃ نہ ہوجائے اور یا مراد نماز کی پابندی ہے) اور (اس کے بارہ میں) بار بار اپنے نفس کو ملامت کرتا رہتا ہوں کہ تو نے نماز کا حق ادا نہیں کیا اور اندیشہ کیا کرتا ہوں کہ وہ مجھ سے مقبول نہ ہو اور امید بھی رکھتا ہوں کہ (شاید) مقبول ہوجائے اور میں بیم و امید کے درمیان رہتا ہوں اور جس نے مجھ کو نماز سکھلائی تھی اس کی شکر گزاری کیا کرتا ہوں اور جو مجھ سے درخواست کرتا ہے اس کو سکھلا دیتا ہوں اور اپنے رب کی حمد کرتا ہوں کہ اس نے مجھ کو (اس کی) ہدایت کی یہ سن کر محمد بن یوسف بولے تم جیسا شخص بیشک واعظ ہونے کے لئے لائق ہے اور حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ حالت نشہ میں تم نماز کے پاس) مت جاؤ (اس کی تفسیر میں) کہا گیا ہے کہ جب دنیا کے نشہ میں (مست ہو) اور بعض نے کہا کہ فکر دنیا کے نشہ میں (مست ہو) اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص دو رکعت پڑھے اور اپنے جی سے کچھ دنیا کی باتیں نہ کرے تو اللہ

تعالٰی اس کے سب گزشتہ گناہ معاف فرمادے گا۔

اور یہ بھی فرمایا ہے کہ نماز (کی حقیقت) فروتنی اور تواضع اور تضرع اور (حق تعالٰی کا) ندیم (یعنی جلیس) ہوتا ہے اور یہ کہ (بعد فراغ) اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے اور کہے اللھم اللھم (یعنی دعا کرے) پس جو شخص ایسا نہ کرے سو وہ نماز ناقص ہے اور یہ تحقیق وارد ہوا ہے کہ مومن جب نماز کے لئے وضو کرتا ہے تو شیطان اس سے ڈر کر اطراف زمین میں اس سے دور ہو جاتا ہے کیونکہ وہ بادشاہ کے حضور میں جانے کے لئے تیار ہوا ہے پھر جب اللہ اکبر کہتا ہے تو فرشتہ اس کے قلب میں جھانک کر دیکھتا ہے سو جب اس کے قلب میں اللہ تعالٰی سے بڑا کچھ نہیں ہے تو وہ کہتا ہے کہ تو نے سچ کہا ہے اللہ تعالٰی تیرے قلب میں ایسا ہی ہے جیسا تو کہہ رہا ہے (یعنی سب سے بڑا) اور اس کے قلب سے ایک نور شعاع افگن ہوتا ہے جو ملکوت عرش سے ملحق ہو جاتا ہے اور اس نور سے اس کو آسمان اور زمین کی مملکت مکشوف ہو جاتی ہے اور اس کے لئے اس نور کے ضمن (فی الاصل حشو ترجمۃ بالحاصل ۱۲ منہ) میں نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور جاہل غافل جب نماز کی طرف کھڑا ہوتا ہے تو اس پر شیاطین اس طرح ہجوم کرتے ہیں جس طرح مکھیاں شہد کے قطرہ پر ہجوم کرتی ہیں۔

پھر جب وہ اللہ اکبر کہتا ہے تو اللہ تعالٰی اس کے قلب کو اندر سے دیکھتا ہے پھر جب کوئی شئے اس کے قلب میں اس کے نزدیک اللہ تعالٰی سے بڑی ہوتی ہے تو اللہ تعالٰی فرماتا ہے کہ تو نے جھوٹ کہا ہے اللہ تعالٰی تیرے قلب میں اس طرح سب سے بڑا نہیں ہے جس طرح تو کہہ رہا ہے پھر اس کے قلب سے ایک دھواں اٹھتا ہے جو سقف آسمان تک ملحق ہوتا ہے اور اس کے قلب کے لئے ملکوت سے حجاب ہو جاتا ہے پھر وہ حجاب زیادہ غلیظ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے قلب کو محیط ہو جاتا ہے اور اس میں برابر پھونکتا رہتا ہے اور دم کرتا رہتا ہے اور اس کی طرف وسوسہ کرتا رہتا ہے اور ملمع کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ وہ نماز سے فارغ ہوتا ہے اور کچھ نہیں سمجھتا کہ اس

میں کیا تھا (یعنی غفلت میں نماز ختم کرتا ہے) اور خبر نہیں ہے کہ اگر شیاطین بنی آدم کے قلوب کو گھیرے ہوئے نہ ہوتے تو وہ ملکوت آسمان کی طرف نظر کرتے ہوتے اور جو قلوب صافی ہیں جن کی اصلاح ان کے قالب کے کمال اصلاح کے سبب ہو چکی ہے وہ (باعتبار خاصیت کے) ساوی ہو جاتے ہیں وہ اللہ اکبر کے ساتھ ہی آسمان میں داخل ہو جاتے ہیں جس طرح سے کہ نماز میں داخل ہوتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آسمان کو شیاطین کے تصرف سے محفوظ فرمایا ہے۔

پس (اسی طرح اس) قلب ساوی تک بھی شیطان کو کوئی راہ نہیں ہے۔ پس اس مقام پر صرف وساوس نفسانیہ باقی رہ جاتے ہیں (باقی تصرف شیاطین سے مامون ہو گیا) یہ وساوس آسمان کی پناہ لینے سے منقطع نہیں ہوتے جس طرح سے کہ شیطان کا تصرف منقطع ہو گیا تھا (یہ تو کیفیت تھی قلوب مریدین کی) اور جو قلوب قرب میں مراد ہیں ان کا تدریجاً قرب بڑھایا جاتا ہے اور تمام طبقات آسمان میں ان کو عروج ہوتا ہے اور طبقات سمٰوات میں سے ہر طبقہ میں کچھ کچھ ظلمت نفس پیچھے رہتی جاتی ہے اور اسی قدر وسوسہ میں قلت ہوتی جاتی ہے۔

یہاں تک کہ وہ شخص سب آسمانوں سے تجاوز کر جاتا ہے اور عرش کے سامنے جا کھڑا ہوتا ہے پس اس وقت وساوس نفس عرش کے اس نور بلند سے بالکلیہ زائل ہو جاتے ہیں اور ظلمات نفس نور قلب میں اس طرح مندرج ہو جاتے ہیں جس طرح لیل نہار کے اندر مندرج ہو جاتی ہے اور اس وقت آداب (نماز) کے حقوق علی وجہ الکمال ادا ہوتے ہیں اور ہم نے جتنا کچھ ادب صلوٰۃ ذکر کیا ہے یہ کثیر میں سے قلیل ہے اور نماز کی شان ہمارے بیان سے کہیں زیادہ بڑی ہے اور ہمارے ذکر سے کہیں زیادہ اکمل ہے۔

اور بعض لوگوں نے (اس باب میں) غلطی کی ہے اور (وہ غلطی یہ ہے کہ) انہوں نے یہ گمان کیا ہے کہ مقصود نماز سے اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اور جب

ذکر حاصل ہوگیا پھر نماز کی کون حاجت ہے اور یہ لوگ ضلالت کی راہوں میں چلے ہیں اور باطل خیالات کی طرف مائل ہوگئے ہیں اور انہوں نے (شریعت کے) اعمال واحکام کو محو کر دیا ہے اور حلال وحرام (کی پابندی) کو چھوڑ دیا ہے اور ایک اور قوم ہیں جو اس باب میں ایسے طریق پر چلے ہیں جس نے ان کو (صرف) نقصان حال کی طرف پہنچایا ہے چونکہ وہ ضلالت سے سالم ہیں کیونکہ انہوں نے فرائض کا تو اعتراف کیا اور فضیلت نوافل کا انکار کیا اور روح حال کی ادنیٰ مقدار پر انہوں نے دھوکہ کھایا ہے اور فضل اعمال کو انہوں نے مہمل چھوڑ دیا ہے (مطلب یہ کہ ان کو ایک حال ضعیف میسر ہوگیا۔ وہ اس کو فضل اعمال سے مغنی سمجھ گئے) اور ان کو یہ خبر نہ ہوئی کہ جمیع ہیئات میں سے ہر ہیئت میں اور کل حرکات میں ہر حرکت میں اللہ تعالیٰ کے ایسے اسرار اور حکمتیں ہیں کہ وہ کسی ذکر میں بھی معلوم نہیں پس احوال اور اعمال (تشبیہا) روح اور جسم ہیں (تو جسم کو کون غیر ضروری سمجھتا ہے) اور جب تک بندہ دار دنیا میں ہے اعمال سے اس کا اعراض کرنا عین طغیان ہے پس اعمال تو احوال سے صاف ہوتے ہیں اور احوال اعمال سے نشو ونما پاتے ہیں۔

باب سی ونہم

فضیلت صوم اور اس کے اثر نیک میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صبر نصف ایمان ہے اور صوم نصف صبر ہے اور کہا گیا ہے کہ ابن آدم کے اعمال میں کوئی ایسی چیز نہیں جو حقوق کی واپسی میں نہ چلی جائے بجز صوم کے کہ اس میں بدلہ کو دخل نہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمادے گا کہ یہ صوم خاص میری چیز ہے اس میں سے کوئی شخص اپنا بدلا نہیں لے سکتا اور یہ ایک توجیہ ہے الصوم لی کی مطلب یہ کہ جب قیامت میں اہل حقوق کے حقوق ظالموں سے لے لے کر واپس دیئے جانے لگیں گے اور چونکہ عین حق وہاں موجود نہ ہوگا اس لئے اس کے عوض اعمال حسنہ دیئے جائیں گے تو اس حساب سے روزہ خارج رہے گا باقی یہ حد اس معنی میں نص نہیں اس کا خلاف بھی محتمل ہے) اور خبر میں ہے کہ (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ) روزہ خاص میرا ہے اور میں اس کی جزا دوں گا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کو اپنی طرف اس لئے منسوب فرمایا کہ اس میں منجملہ اخلاق صمدیت کا ایک خلق ہے (یعنی استغناء عن الطعام والشراب والزوجہ کے اعتبار سے اس میں تشبہ ہے حضرت صمدیت کے ساتھ) اور نیز اس لئے بھی (حق تعالیٰ نے اس کو اپنی طرف منسوب فرمایا) کہ وہ از قبیل تروک اعمال مخفیہ ہے۔ اس پر بجز اللہ تعالیٰ کے کوئی شخص مطلع نہیں ہوتا (یعنی دوسرے ارکان اسلام مثل نماز و زکوٰۃ و حج کے حقائق تو وجودیات ہیں کہ ان کی صورت محسوس ہے بخلاف ان کے کہ حقیقت اس کی عدمی ہے کہ اس میں ترک ہے بعضی چیزوں کا جس کی وجہ سے اس کی کوئی صورت محسوس نہیں مخفی ہو گیا

اور اس لئے اس میں خلوص زیادہ ہوگا اور خلوص کے اعمال کو خاص نسبت ہے حق تعالیٰ کے ساتھ) اور بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد والسائحون کی تفسیر میں کہا ہے کہ روزہ دار مراد ہیں (گو معنی لغوی اس کے سیر وسیاحت کرنے والے کے ہیں) کیونکہ ان روزہ داروں نے اپنی جوع وعطش کے ذریعہ سے حق تعالیٰ کی طرف سیر کی ہے اور بعض نے اللہ تعالیٰ کے اس قول میں انما یو فی الصابرون اجرھم بغیر حساب کہا ہے کہ صائمین مراد ہیں کیونکہ صوم کے ناموں میں سے ایک نام صبر بھی ہے اور (اس بناء پر بغیر حساب کے یہ تفسیر ہوگی کہ) صائم کے لئے (ثواب) خوب بہایا جائے گا اور اس کو بلاشمار دیا جائے گا (اور دوسروں کو قانون سے ملے گا) اور بعض نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس قول میں فلا تعلم نفس الی قوله جزاء بما کانوا یعملون ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ ان کا یہ عمل (جس کی جزاء اس آیت میں مذکور ہے) صوم تھا۔

یحییٰ بن معاذ نے فرمایا ہے کہ جب مرید بسیار خواری میں مبتلا ہو جاتا ہے تو اس پر فرشتے براہ ترحم روتے ہیں اور جو شخص کھانے کی حرص میں مبتلا ہوتا ہے وہ آتش شہوت سے سوختہ کیا جاتا ہے اور ابن آدم کے نفس میں شرک کے ایک ہزار اجزاء ہیں (فی الاصل الف عضو ولماکان وجود العضو غیرمستبین فی النفس ترجمت بالجزء ۱۲ منہ) کہ وہ سب کے سب شیطان کے ہاتھ میں ہیں اور اس ہاتھ کے ساتھ متعلق ہیں پس جب وہ اپنے شکم کو بھوکا رکھتا ہے اور اپنے حلق کو روک لیتا ہے اور اپنے نفس کی ریاضت کرتا ہے تو وہ تمام اجزاء خشک ہو جاتے ہیں اور وہ شخص آتش گرسنگی سے سوختہ ہو جاتا ہے اور شیطان اس کے سایہ سے بھاگتا ہے اور جب وہ اپنے شکم کو سیر کرتا ہے اور اپنے حلق کو مرغوبات لذیذہ میں رہنے دیتا ہے تو اس کے اعضاء تروتازہ ہو جاتے ہیں اور شیطان اس پر قابو پالیتا ہے اور شکم سیری نفس میں ایک نہر ہے جس پر شیطان آمدورفت رکھتے ہیں اور گرسنگی روح میں ایک نہر ہے جس پر ملائکہ آمدورفت رکھتے ہیں اور شیاطین بھوکے سے بھاگتا ہے اگرچہ وہ سوتا ہی ہو پس جبکہ

مشغول عبادت ہو اس وقت تو کیسے نہ بھاگے گا اور شیطان شکم سیر سے معانقہ کرتا ہے اگر چہ وہ مشغول عبادت ہی ہو پس جبکہ وہ سوتا ہو اس وقت تو کیسے معانقہ نہ کرے گا پس نفس جو طعام و شراب کا مطالبہ کرتا ہے مرید صادق کا قلب اس سے حق تعالیٰ کے سامنے فریاد کرتا ہے ایک شخص طیاسی کے پاس ایسے وقت پہنچا کہ وہ خشک روٹی جس کو پانی سے تر کر رکھا تھا نمک کی ڈلیوں (فی القاموس حرشه والشیء لم ینعم وقد فهو حریش ۱۲ منہ) سے کھا رہے تھے اس شخص نے ان سے کہا کہ اس کی کیسی رغبت ہوتی ہوگی۔ انہوں نے فرمایا میں اس کو اتنا چھوڑے رکھتا ہوں کہ مجھ کو اس کی رغبت ہو جاتی ہے (مطلب یہ کہ جب بہت دنوں تک نہیں کھاتا تو اضطرار میں بھی مرغوب معلوم ہونے لگتا ہے) اور بعض کا قول ہے جو شخص اپنے کھانے اور پینے میں زیادتی کرتا ہے خواری اور ذلت اس کی طرف دنیا ہی میں آخرت کے قبل جلدی آجاتی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ وہ باب عظیم جس سے اللہ تعالیٰ کی طرف داخل ہوا جاتا ہے قطع غذاء ہے اور بشر نے فرمایا ہے کہ گرسنگی قلب کا تصفیہ کرتی ہے اور خواہش نفسانی کو مردہ کرتی ہے اور باریک علوم کو پیدا کرتی ہے اور ذوالنون نے فرمایا ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے شکم سیر ہو کر کھایا ہو یا سیراب ہو کر پیا ہو اور اس کے بعد کوئی معصیت یا ارادہ معصیت نہ ہوا ہو اور قاسم بن محمد نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا ہے وہ فرماتی ہیں کہ ہم پر ایک ایک مہینہ اور آدھا آدھا مہینہ اس حالت میں گزر جاتا تھا کہ ہمارے گھر میں آگ آنے نہ پاتی تھی نہ چراغ کے لئے اور نہ اور کسی کام کے لئے۔ قاسم لکھتے ہیں کہ میں نے کہا سبحان اللہ پھر تم لوگ کس چیز سے زندہ رہتے تھے کہنے لگیں خرما اور پانی سے اور ہمارے کچھ پڑوسی انصار تھے اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے ان کے پاس کچھ دودھ کی اونٹنیاں تھیں سو بعض اوقات وہ ہماری کچھ مدد کر دیتے تھے اور مروی ہے کہ حضرت حفصہ بنت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے (بعد فتوحات و فراغ معاش کے) اپنے باپ سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اب رزق میں وسعت فرما دی ہے سو کیا خوب ہو، اگر آپ

اپنے (معمولی) طعام سے زیادہ طعام کھایا کریں اور اپنے (معمولی) کپڑوں سے زیادہ نرم کپڑے پہنا کریں انہوں نے فرمایا میں تمہاری جواب دہی تمہاری ہی ذات کے سپرد کرتا ہوں کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی ایسی باتیں اس کو چند بار فرمایا نہ تھیں یعنی آپ کی معاشرت کی تفاصیل یاد دلائیں) وہ رونے لگیں۔ انہوں نے فرمایا میں تم کو اطلاع دیتا ہوں واللہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آپ کی سختی کی زندگانی میں ضرور شریک ہوں گا شاید (اس کی بدولت) مجھ کو آسائش کی زندگی (آخرت میں) میسر ہو اور بعض نے کہا کہ میں نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کبھی آٹا نہیں چھانا جس میں ان کی نافرمانی نہ کی ہو (یعنی ان کے حکم کی مخالفت کر کے چھانا ہے وہ چھاننے سے منع فرماتے تھے) اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کبھی) تین دن (متواتر) گیہوں کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا یہاں تک کہ آپ وفات فرما گئے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ ملکوت کا دروازہ ہمیشہ کھٹکھٹایا کرو وہ تمہارے لئے کھول دیا جائے گا لوگوں نے عرض کیا اس پر دوام کس طرح کریں انہوں نے فرمایا کہ بھوک سے اور پیاس سے اور پانی کو ترسنے (**فی القاموس ظمئی الی قولہ عطش والیہ اشتاق ۱۲ منہ**) سے اور کہا گیا ہے کہ ابلیس حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کے سامنے ظاہر ہوا اور اس کے پاس بہت سے پھندے (**فی القاموس المعلاق اللسان فکل ما علق بہ شئی ۱۲ منہ**) تھے انہوں نے پوچھا یہ کیا چیزیں ہیں اس نے کہا کہ یہ شہوات ہیں جن کے ذریعہ سے میں ابن آدم پر قابو پالیتا ہوں۔ انہوں نے فرمایا کیا تو ان میں میرے لئے کوئی شہوت پاتا ہے اس نے کہا نہیں بجز اس کے کہ ایک شب آپ نے پیٹ بھر لیا تھا سو میں نے تم کو نماز اور ذکر سے سست کر دیا تھا انہوں نے فرمایا تو پھر بالضرور میں کبھی پیٹ نہ بھروں گا، ابلیس نے کہا تو پھر بالضرور میں کبھی کسی کی خیر خواہی نہ کروں گا (کہ اس وقت خیر خواہی میں آ کر اپنے راز پر مطلع کر دیا جس کا تم نے انتظام کر لیا) اور شقیق

نے فرمایا ہے کہ عبادت (حکما) ایک پیشہ ہے (جس کی داد وستد حق تعالیٰ کے ساتھ ہے) اور اس کی دوکان مغلوب ہے اور اسکے آلات بھوک ہے اور حضرت لقمان نے اپنے صاحبزادہ سے فرمایا جب معدہ پر ہوتا ہے فکر سو جاتا ہے اور حکمت مقید ہو جاتی ہے اور اعضاء عبادت سے تقاعد کرتے ہیں۔

حضرت حسن نے فرمایا ہے کہ (کھانے میں) دو سالن جمع مت کرو کہ یہ جمع کرنا طعام منافقین سے ہے (کہ یہ اس وقت ان کی عبادت تھی) اور بعض نے کہا ہے کہ میں ایسے زاہد سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتا ہوں جس کے معدہ نے اقسام غذاؤں کو متغیر کیا ہو (یعنی کھایا ہو کہ کھانے کو تغیر لازم ہے) پس مرید کے لئے یہ بات ناپسندیدہ ہے کہ چار دن سے زائد متواتر بے روزہ رہے کیونکہ نفس اس حالت میں عادت کی طرف مائل ہوتا ہے اور شہوت میں توسع کرتا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ دنیا بس تیرا پیٹ ہے سو جس قدر پیٹ کے معاملہ میں تیرا زہد ہوگا اسی قدر تیرا زہد دنیا میں ہوگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی نے کوئی ظرف ایسا نہیں بھرا جو پیٹ سے زیادہ برا ہو۔ ابن آدم کو چند لقمے کافی ہیں جو اس کی کمر کو سیدھا رکھیں (کہ چل پھر سکے نماز پڑھ سکے) اور اگر (اس سے زائد کی) بہت ہی ضرورت ہو تو (معدہ کا) ایک تہائی حصہ کھانے کے لئے رہے اور ایک تہائی پانی کے لئے اور ایک تہائی سانس کے لئے۔ اور فتح موصلی نے فرمایا ہے کہ میں تیس مشائخ کی صحبت میں رہا ہر شیخ مجھ کو جبکہ میں ان سے رخصت ہوا دو امر کی وصیت کرتے تھے۔ ایک نوعمر لڑکوں کی مخالطت کا ترک کرنا اور دوسرے کم کھانا۔

باب چہلم

صوم وافطار کے بارہ میں صوفیہ کے احوال کا مختلف ہونا

مشائخ صوفیہ میں سے ایک جماعت سفر اور حضر میں علی الدوام روزہ پر مداومت کرتے تھے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ سے جا ملے اور ابوعبداللہ بن جابار نے پچاس سال سے اوپر روزہ رکھا ہے نہ سفر میں افطار کرتے تھے اور نہ حضر میں ان کے اصحاب نے ایک روز ان پر بہت زور ڈالا انہوں نے افطار کر لیا تو اس سے وہ کئی روز تک علیل رہے (گویا روزہ بمنزلہ امر طبعی کے ہو گیا تھا) سو مرید جب اپنے قلب کی درستی دوام صوم میں دیکھے تو اس کو چاہئے کہ ہمیشہ روزہ رکھا کرے اور افطار (**اصل العبارة هكذا فليصم دائما ويدع للافطار جانبا فهو عون حسن له على ما يريد اھ وفهمته كما فسرت فان لصق بقلب احد غيره فليصلح** ۱۲منہ) کے لئے بھی کچھ گنجائش چھوڑ دے کیونکہ یہ (گنجائش) اس شخص کے لئے اس کے مقصود پر مناسب اعانت ہے (کہ اگر کبھی روزہ میں مشقت ہوئی تو افطار سے راحت لے لے گا۔ کہ پھر دوام آسان ہو) حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مسلسل روزہ رکھے اس پر جہنم اس طرح تنگ کر دی جائے گی اور آپ نے (اس طرح کی تفسیر کے لئے) نوے کا عقد کر کے بتلایا یعنی اس کے لئے جہنم میں ذرا بھی جگہ نہ ہوگی (جیسا کہ نوے (فی الغیاث برائے نود سر ناخن سبابہ را بر باطن مفصل عقد دوم ابہام باید نہاد ۱۲منہ) کے عقد

انامل میں بہ نسبت دوسرے بعض عشرات کے بہت کم فرجہ رہتا ہے کہ وہ مثل نہ رہنے کے ہے) اور ایک قوم نے (مشائخ میں سے) مسلسل روزہ رکھنے کو مکروہ کہا ہے اور اس باب میں وہ حدیث وارد ہوئی ہے جس کو ابو قتادہ نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کی کیا کیفیت ہے جو مسلسل روزہ رکھے آپ نے فرمایا اس نے نہ روزہ رکھا اور نہ افطار کیا اور بعض لوگوں نے اس مسلسل روزہ رکھنے کی (کہ جس سے ممانعت آئی ہے) یہ تاویل کی ہے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ عیدین اور ایام تشریق میں بھی افطار نہ کرے سو یہ مکروہ (یعنی حرام) ہے اور جب ان ایام میں افطار کرلیا تو یہ وہ روزہ نہیں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکروہ فرمایا ہے اور بعض مشائخ وہ ہوئے ہیں کہ ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے اور (حدیث میں) وارد ہوا ہے کہ افضل صیام میرے بھائی داؤد علیہ السلام کا روزہ ہے کہ ایک روز روزہ رکھتے اور ایک روز افطار کرتے اور اس کو صالحین میں سے ایک جماعت نے پسند کیا ہے تاکہ حالت صبر اور حالت شکر کے درمیان میں رہے اور بعضے اہل طریق وہ ہوئے ہیں جو دو روز روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے یا ایک دن روزہ رکھتے اور دو دن افطار کرتے اور بعضے وہ ہوئے ہیں جو پیر اور جمعرات اور جمعہ کو روزہ رکھتے تھے اور بعض نے کہا ہے کہ سہل بن عبداللہ ہر پندرہ دن میں ایک بار کھاتے تھے اور رمضان میں صرف ایک بار کھاتے تھے اور افطار خالص پانی سے کرتے تھے بوجہ (موافقت) سنت کے اور حضرت جنید سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے اور جس وقت ان کے پاس ان کے (طریقی) بھائی (مہمان) آتے تو ان کے ساتھ افطار کرتے اور فرماتے کہ بھائیوں کا ساتھ دینے کی فضیلت روزہ کی فضیلت سے کم نہیں ہے مگر اتنی بات ہے کہ ایسا افطار علم (قواعد طریق) کا محتاج ہے کیونکہ اس افطار کا داعی کبھی حرص نفسانی ہوتی ہے نہ کہ موافقت (اخوان) کی نیت اور حرص نفس کے ہوتے ہوئے نیت کا محض موافقت (اخوان) کے لئے خالص کرنا دشوار ہے اور میں

نے اپنے شیخ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ مجھ کوکئی سال (فی الاصل فی سنن و الفطار فی سنون ولعله من زلة الناسخ ۱۲منہ) ہوگئے ہیں کہ میں نے کوئی چیز ابتداءً اور استدعاء نفس کی رغبت سے نہیں کھائی (یعنی یوں کھانا شروع ہونے کے بعد گو اس میں رغبت پیدا ہوگئی ہو مگر یہ نہیں ہوا کہ خودنفس نے اول استدعا کی ہو اور اس کی وجہ سے کھائی ہو) بلکہ میرے پاس کوئی چیز لائی جاتی ہے میں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور نعمت اور فعل سمجھتا ہوں اور حق کی موافقت اس کے فعل میں کرتا ہوں (اور کھا لیتا ہوں) اور حضرت شیخ ممدوح نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ انکا ایک دن کھانے کو جی چاہا اور وہ شخص حاضر نہ تھا جس کا معمول تھا ان کے پاس کھانا لانا۔

وہ فرماتے ہیں کہ میں نے اس کوٹھری کا دروازہ کھولا جس میں کھانا تھا اور میں نے ایک انار کھانے کے واسطے لیا پس ایک بلی آئی اور (میری) ایک مرغی کو جو کہ وہاں موجود تھی پکڑ لیا میں نے (دل میں) کہا کہ انار لینے کے بارہ میں جو میں نے تصرف کیا ہے اس پر میری یہ سزا ہے اور میں نے شیخ ابوالمسعو درحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ دن میں کئی کئی مرتبہ کھاتے تھے جس وقت بھی کھانا حاضر کیا جائے اس میں سے کچھ کھا لیتے اور یہ سمجھتے تھے کہ ان کا یہ طعام کو تناول کر لینا حق تعالیٰ کی موافقت ہے کیونکہ ان کا حال ترک اختیار تھا اپنے کھانے میں اور پہننے میں اور اپنے تمام افعال میں اور ان کا حال فعل حق کے ساتھ وقوف کرنا تھا اور اس باب میں ان کی ابتدا کی حالت بھی ایسی تھی کہ ویسی حالت نادر ہوتی ہے یہاں تک کہ منقول ہے کہ وہ کئی کئی روز بن کھائے رہتے تھے اور ان کے حال کی نہ کسی کو خبر ہوتی تھی اور نہ وہ اپنے نفس کے لئے کچھ تصرف کرتے تھے اور نہ کسی شے کے تناول کا سبب بنتے تھے (مثلاً ایسے وقت کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں احتمال کھلانے کا ہو) اور وہ ان کے پاس رزق پہنچانے میں حق تعالیٰ کے فعل کے منتظر رہتے تھے اور ایک مدت دراز تک ان کے حال کی کسی کو اطلاع نہیں ہوئی پھر اللہ تعالیٰ نے ان کا حال ظاہر فرما دیا اور ان کے لئے احباب اور تلامذہ کو

کھڑا کر دیا اور وہ لوگ کھانوں میں تکلف کرتے اور ان کے پاس لاتے اور وہ اس میں حق تعالیٰ کا فضل اور موافقت سمجھتے میں نے ان کو یہ فرماتے بھی سنا کہ ہر روز مجھ کو صبح اس حال میں ہوتی ہے کہ سب سے زیادہ محبوب چیز مجھ کو روزہ ہوتا ہے (یعنی ہر روز روزہ رکھنا چاہتا ہوں) اور حق تعالیٰ میرے روزہ کے محبوب سمجھنے کو اپنے فعل سے توڑ دیتا ہے (یعنی کچھ کھانے کو بھیج دیتا ہے) سو میں حق تعالیٰ کے اس فعل میں اس کی موافقت کرتا ہوں (یعنی روزہ نہیں رکھتا اور یا تو اسی احتمال سے صبح کو نیت پختہ نہ کرتے ہوں گے اور یا ان کے مذہب میں نفل روزہ کی قضا واجب نہ ہوگی)۔

اہل واسط میں سے بعض اہل صدق کی حکایت ہے کہ انہوں نے بہت برسوں تک روزہ رکھا اور ہر روز قبل غروب آفتاب کے افطار کر دیتے بجز رمضان کے اور ابو نصر سراج نے کہا ہے کہ اس فعل پر ایک قوم نے انکار کیا ہے بوجہ مخالفت علم (یعنی شرع) کے اگرچہ نفل ہی روزہ کیوں نہ ہو (کیونکہ جو اتمام کو واجب نہیں کہتے وہ بھی اس عادت کو خلاف سنت اور ناپسند ضرور کہتے ہیں) اور دوسرے بعض نے اس کو مستحسن سمجھا ہے کیونکہ ایسا فعل کرنے والے کا مقصود اس سے ایک تو نفس کو سزا دینا ہے بھوک کی اور دوسرے یہ کہ روزہ سمجھنے سے متمتع نہ ہو (کہ اس کو اتنا بھی حظ نہ ہو) اور مجھ کو اس میں یہ (شبہ) واقع ہوا کہ اس شخص نے اگر یہ قصد کیا ہے کہ روزہ سمجھنے سے تمتع نہ ہو تو روزہ سمجھنے سے متمتع ہونے کا عدم سمجھنے سے تو تمتع ہو گیا (اور اگر اس تمتع کی نفی بھی کیجائے تو پھر اس نفی سے تمتع ہو گیا) اور اس میں تو تسلسل ہو جائے گا (جو کہ محال ہے لہٰذا یہ توجیہ صحیح نہیں) اور موافقت شرع کے زیادہ لائق روزہ کو پورا کرنا ہے (چنانچہ) اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور اپنے اعمال باطل مت کرو لیکن (پھر یہ کہ ان بعض اہل صدق کے اس فعل کی کیا توجیہ ہوگی سو بات یہ ہے کہ) اہل صدق کی ان کے افعال میں کچھ نیتیں ہوا کرتی ہیں اس لئے ان سے معارضہ کرنا زیبا نہیں اور صدق بعینہ محمود ہے خواہ کسی طرح ہو اور صاحب صدق اپنے صدق کی پناہ میں ہے خواہ وہ کسی طرح کا

تصرف (فی القاموس تقلب فی الامور تصرف فیھا کیف شاء ۱۲ منہ)
کرے (مترجم کہتا ہے کہ یہ فعل شرع کے خلاف اس وقت ہے جبکہ روزہ کی نیت کی ہو ورنہ محض بھوکا رہنا جائز ہے اور غروب کے قبل کھالینا اس لئے تھا کہ دیکھنے والے غیر روزہ دار کو روزہ دار نہ سمجھ لیں) اور بعض نے کہا ہے کہ جب تو صوفی کو نفل روزہ رکھتے دیکھے تو اس کو متہم سمجھ کیونکہ اس روزہ کے ساتھ کچھ دنیا بھی شامل ہوگئی ہے (خواہ ریا خواہ عجب کہ صوفی مبتدی ہنوز اس سے خالص نہیں ہوا)۔

بعض نے کہا ہے کہ جب کوئی جماعت ایسی ہو کہ وہ اوضاع میں متفق ہوں اور ان میں کوئی (مبتدی) مرید ہو تو (اول) اس کو روزہ کی ترغیب (فی الاصل یحثونہ بصیغة الخبر وترجمت لجملہ علی الانشاء لقرائنہ من قولہ یھتموا وقولہ یتکلفوا وقولہ ولا یحملوا ۱۲ منہ) دیں پھر اگر وہ ان کی موافقت (فی الاصل فان لم یساعدوہ الخ والظاھر ان یکون فان لم یساعدھم لکن یمکن التوجیہ بان المساعدة من الجانبین فکنی بعدم مساعدتھم عن عدم مساعدت لھم وعلیہ ترجمت ۱۲ منہ) نہ کریں تو ان لوگوں کو چاہئے کہ اس شخص کے افطار کا اہتمام کریں اور اس کے لئے بتکلف ایسا کریں (گو دل نہ چاہے) اور اس کے حال کو اپنے حال پر محمول نہ کریں (کیونکہ کجا مبتدی کجا غیر مبتدی یہ تو اس صورت میں ہے جب اس جماعت میں کوئی شیخ نہ ہو ویسے ہی باہمی مناسبت کے سبب جمع ہوگئے) اور اگر کوئی جماعت شیخ کے ساتھ ہو تو وہ لوگ اس شیخ کے روزہ کے ساتھ روزہ رکھیں اور اس کے افطار کے ساتھ افطار کریں بجز اس شخص کے جس کو شیخ اس کے خلاف حکم دے اور منقول ہے کہ بعض اہل طریق نے ایک جوان کے سبب جو ان کی صحبت میں رہتا تھا کئی سال تک روزہ رکھا تا کہ وہ جوان ان کو دیکھے اور ان کا طریقہ اختیار کرے اور ان کے روزہ سے روزہ رکھے۔

ابوالحسن مکی سے حکایت کی گئی ہے کہ وہ صوم دہر رکھتے تھے اور بصرہ میں مقیم تھے اور

روٹی صرف شب جمعہ میں کھاتے تھے اوران کی غذا ہر مہینہ میں صرف چار دانق ہوتی تھی (ایک دانق مسدس ہوتا ہے درہم کا اور درہم تقریباً چار آنہ چار پائی سکہ رائجہ سے ہوتا ہے پس چار دانق قریب تین آنہ کے ہوا اگر ایک مہینہ میں چار جمعہ ہوئے تو ایک دفعہ میں تین پیسے ہوئے پھر ہفتہ کے بعد اسی قدر) یہ اپنے ہاتھ سے پوست خرما کی رسی بناتے اوراس کو فروخت کر دیتے (اسی دام میں کھانے کا مذکورہ سامان کرتے)۔

اور شیخ ابوالحسن بن سالم کہتے تھے کہ میں ابوالحسن مکی پر مامون نہیں ہوں مگر یہ کہ وہ افطار کریں اور کھائیں اور غالباً ان شیخ ابن سالم نے ان ابوالحسن مکی پر اس صوم دہر میں کسی شہوت خفیہ کا شبہ کیا ہے کیونکہ وہ لوگوں میں (صوم دہر کے ساتھ) مشہور ہو گئے تھے (اس لئے ابن سالم وجدان سے یہ سمجھے کہ اب وہ افطار کو بوسوسہ سقوط جاہ کے ناپسند کرتے ہیں) اور بعض نے کہا ہے کہ کبھی کوئی بندہ اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص نہیں کرتا مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ کسی کنویں میں رہے جو پہچانا نہ جائے (یعنی مشہور نہ ہوتا کہ ایسے احتمال مذکور کے (مثال سے محفوظ رہے) اور (پھر طعام کے متعلق مضمون ہے کہ) جو شخص حاجت سے زائد کھانا کھائے گا وہ حاجت سے زائد کلام بھی زبان سے نکالے گا۔ اور منقول ہے کہ ابوالحسن تینسی اپنے اصحاب کے ساتھ حرم میں سات روز رہے کہ کھانا نہیں کھایا ان کا کوئی ہمراہی استنجا کرنے باہر چلا گیا۔

اور خربزہ کا ایک چھلکا دیکھا اس کو لے کر کھالیا ان کو کسی آدمی نے دیکھا اوران کے پیچھے ہولیا (اور ان لوگوں کا ٹھکانا معلوم کر کے چلا گیا) اور کچھ امداد (فی القاموس الرفق ما استعین بہ ۱۲ منہ) کے طور پر لایا اور قوم کے سامنے رکھ دیا شیخ نے فرمایا یہ جرم تم میں سے کس نے کیا ہے (کہ اس شخص کو اپنے حال کی اطلاع دی) اس شخص نے کہا کہ میں نے خربزہ کا چھلکا پایا تھا اوراس کو کھالیا تھا (باقی قصداً میں نے حال سے اطلاع نہیں دی) شیخ نے فرمایا تو ہی رہ اپنے جرم کے ساتھ بھی اوراپنی اس امداد کے ساتھ بھی (یعنی اس کو اٹھا کر یہاں سے رخصت) اس نے کہا میں اپنے جرم

سے توبہ کرتا ہوں انہوں نے فرمایا کہ خیر توبہ کے بعد پھر کوئی بات نہیں۔

اور مشائخ ایام بیض کے روزہ کو مستحب سمجھتے تھے اور وہ ایام بیض تیرہویں اور چودھویں اور پندرہویں تاریخیں ہیں مروی ہے کہ آدم علیہ السلام جب زمین کی طرف اتارے گئے تو ان کا بدن اثر معقب سے سیاہ ہوگیا جب اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی تو ان کو ایام بیض کے روزے رکھنے کا حکم دیا پس ہر روز کے روزہ کے ساتھ ان کا ایک ایک ثلث بدن سفید ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ صیام ایام بیض سے ان کا تمام جسد سفید ہوگیا اور نیز مستحب کہتے ہیں شعبان نصف اول کے روزہ کو اور اس شعبان کے نصف اخیر کے افطار کو اور شعبان اور رمضان میں اتصال بھی کرے تب بھی کچھ حرج نہیں (یعنی پورے شعبان کا بھی روزہ رکھے) لیکن اگر (پہلے سے) روزہ نہیں رکھا تھا تو پھر رمضان کے ایک دو روز قبل نہ رکھے (کہ حدیث میں نہی آئی ہے) اور بعض مشائخ پورے رجب کے روزہ کو بوجہ کراہت مشابہت رمضان کے مکروہ کہتے ہیں اور نیز عشرۂ ذی الحجہ اور عشرہ محرم کا روزہ مستحب ہے اور اشہر حرم میں سے جمعرات و جمعہ و ہفتہ کا روزہ مستحب ہے حدیث میں وارد ہوا ہے جو شخص کسی حرام مہینے میں سے تین دن کا روزہ رکھے جمعرات اور جمعہ اور ہفتہ تو وہ دوزخ سے سات سو برس کے فاصلہ پر دور ہو جائے گا۔

باب چہل ویکم

صوم کے آداب وضروریات میں

صوفیہ کے آداب روزہ کے متعلق ظاہر اور باطن کا خبط کرنا ہے اور جوارح کا گناہوں سے روکنا ہے جس طرح نفس کو کھانے سے روکا گیا ہے (اور یہ آداب جس طرح صوفیہ کے لئے ہیں غیر صوفیہ کے لئے بھی عام ہیں) اسکے بعد (ایک ادب) نفس کو روزی کے اہتمام سے روکنا ہے (اور یہ ادب صوفیہ کے ساتھ خاص ہے۔آگے خاص اس ادب کے متعلق ایک حکایت فرماتے ہیں وہ یہ کہ) میں نے سنا ہے کہ بعض صلحاء جو عراق میں تھے ان کا اور ان کے اصحاب کا (اس کے متعلق) یہ طریق تھا کہ وہ روزہ رکھتے تھے اور جب ان پر قبل وقت افطار کے (طعام وغیرہ کے قبیل سے) کچھ فتوحات ہوتی تھیں تو وہ اس کو (اپنے ملک سے) نکال دیتے تھے اور اسی چیز پر افطار کرتے تھے جو ان پر وقت افطار کے فتوحات ہوتی تھیں (اور ادب مذکور کے متعلق حکایت ختم ہوگئی آگے اور آداب کے متعلق مضمون ہے کہ) یہ امر ادب میں سے نہیں ہے (بلکہ سخت مذموم ہے) کہ مرید طعام مباح سے توڑ کے اور حرام گناہوں سے افطار کرے حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ عقلاء کا سونا اور افطار کرنا بھی اچھی بات ہے وہ کس طرح سے احمقوں کی شب بیداری اور ان کے روزہ سے (اس نوم کے افطار میں) بڑھ جاتے ہیں اور صاحب یقین وتقویٰ کا ایک ذرہ (عمل) اہل غرور (وجہل) کے پہاڑوں برابر عمل سے افضل ہے اور منجملہ صوم کی فضیلت وادب کے یہ ہے کہ جس حد پر حالت افطار میں کھایا کرتا تھا اس کی نسبت طعام میں تقلیل کردے ورنہ جب

سب دفعوں کے کھانوں کو ایک ہی دفعہ کے کھانے میں جمع کرلیا تو (صوم میں) جس قدر (حظ نفس) فوت کیا تھا اس سب کا تدارک کرلیا۔ حالانکہ مقصود قوم (صوفیہ) کا روزہ سے نفس کو مقہور کرنا اور توسع سے اس کا روکنا تھا (تو اس طرح کھانے سے وہ مقصود حاصل نہ ہوا تو روزہ کی مصلحت فوت ہوگئی اور گو مقصود اعظم ثواب ہے جو کہ اس صورت میں بھی بلا کسی کمی کے حاصل ہوگا مگر یہ امر بھی ایک درجہ میں مقصود تھا خصوص صوفیہ کو اور خصوص نفل روزہ میں تو اس کی رعایت بھی مستحسن ہے اسی لئے ادب سے تعبیر کیا گیا) اور قوم (صوفیہ) کا طعام میں سے لینا (اور تناول کرنا) بقدر ضرورت ہوتا ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ ضرورت پر اکتفا کرنا نفس کو تمام افعال واقوال (غیر ضروریہ) سے ضرورت کی طرف جذب کرتا ہے اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) نفس کا طبعی خاصہ ہے کہ وہ جب کسی ایک چیز میں اللہ تعالیٰ کے لئے ضرورت پر مقہور (ومجبور) ہوجاتا ہے تو یہ (اثر) اس کے بقیہ تمام احوال کی طرف بھی پہنچتا ہے پس (ضرورت کے موافق) اس کھانے کی نسبت سونا بھی ضرورت کے موافق ہوتا ہے اور قول فعل بھی ضرورت کے موافق ہوتا ہے اور یہ اہل اللہ کے لئے ابواب خیر میں سے ایک باب عظیم ہے جس کی رعایت اور دیکھ بھال ضروری ہے اور ضرورت کے علم اور اس کے فائدے اور اس کی طلب کے ساتھ وہی بندہ مخصوص کیا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنا مقرب اور قریب اور برگزیدہ اور تربیت کردہ بنانا چاہتا ہے اور (ایک ادب یہ بھی ہے کہ) اپنے صوم میں بی بی کے ساتھ بواسطہ ملامست کے ملاعبت کرنے سے باز رہے کیونکہ اس میں صوم کی زیادہ تنزیہ ہے۔ اور (ادب مستحب ہے کہ) سنت پر عمل کرنے کے لئے سحری بھی کھائے اور سحری کھانا اتمام صوم کا زیادہ داعی ہے دو وجہ سے ایک تو اس پر سنت کی برکت کا عود کرنا (جس سے تائید غیبی ہوتی ہے) اور دوسرے طعام کے ذریعہ سے روزہ پر تقویت ہونا۔ حضرت انس بن مالک نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا سحری کھایا کرو اس لئے کہ سحری میں برکت ہے اور

(ایک ادب موکد یہ ہے کہ) سنت پرعمل کرنے کے لئے افطار میں تعجیل کرے۔ پھر اگر عشاء کے قبل کھانا کھانے کا ارادہ نہ ہو اور مابین المغرب والعشاء کے احیاء (یعنی اشتغال بالعبادۃ) کا ارادہ ہو تو صرف پانی پر یا چند دانہ کشمش یا خرما پر افطار کرے یا اگر نفس زیادہ تقاضا کرے تو چند لقمے کھالے تاکہ یہ وقت مابین المغرب والعشاء اس کے لئے صاف (غیر مکدر) رہے (ورنہ منازعت میں وقت مشوش ہو جاتا ہے) کیونکہ اس وقت کے احیاء میں بہت فضیلت ہے ورنہ (یعنی اگر منازعت نہ ہو تو) پھر صرف پانی پر کفایت کرے بوجہ سنت کے (آگے تعجیل افطار اور فطر علی الماء کو سنت سے ثابت کرتے ہیں) خبر دی ہم کو شیخ عالم ضیاء الدین عبدالوہاب بن علی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوالفتح ہردی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابونصر تریاقی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابومحمد جراحی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوالعباس محبوبی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوعیسیٰ ترمذی نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے اسحاق بن موسیٰ انصاری نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے ولید بن مسلم نے اوزاعی سے انہوں نے قرہ سے انہوں نے زہری سے انہوں نے ابومسلمہ سے انہوں نے ابوہریرہ سے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق تعالیٰ سے حکایت فرمائی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ سب بندوں میں میرے نزدیک زیادہ محبوب وہ شخص ہے جو افطار میں تعجیل کرے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہمیشہ لوگ (دین میں) خیریت سے رہیں گے جب تک افطار کی تعجیل کرتے رہیں گے اور افطار قبل صلوۃ سنت ہے (ورنہ تعجیل نہ رہے گی یہ تو ثبوت ہے سنت سے تعجیل افطار کا۔ آگے ثبوت ہے افطار علی الماء کا کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پانی کے گھونٹ پر یا دودھ کی لسی پر یا چند خرما پر افطار فرماتے تھے اور (آگے روزہ کو گناہوں سے منزہ رکھنے کا بیان ہے کہ) خبر میں ہے کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کا حصہ روزہ میں سے صرف بھوکا اور پیاسا رہنا ہی ہے۔ بعض نے (اس کی تفسیر میں) کہا ہے کہ یہ وہ شخص ہے جو دن بھر

ہو کار ہے اور حرام پر افطار کرے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ وہ ہے جو حلال طعام سے تو روزہ رکھے اور غیبت کر کے لوگوں کے گوشت پر افطار کرے۔ حضرت سفیان نے کہا ہے کہ جو شخص غیبت کرے اس کا روزہ فاسد ہو جاتا ہے اور حضرت مجاہد سے منقول ہے دو خصلتیں ہیں جو روزہ کو فاسد کر دیتی ہیں غیبت اور جھوٹ شیخ ابو طالب مکی نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے غیر واقعی بات سننے کو اور گناہ کی بات کہنے کو (آئندہ آیت میں) اکل حرام کے ساتھ مقرون فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد فرمایا ہے کہ وہ (یہودی) لوگ جھوٹ بات کے سننے والے ہیں (اور) حرام کے کھانے والے ہیں (اور چونکہ جھوٹ بات سننے کے لئے قول بالاثم وقوعاً لازم ہے اس لئے ملزوم کا قرین باکل الحرام ہونا لازم کا قرین ہوتا ہے پس آیت سے دعویٰ شیخ ابو طالب کا ثابت ہو گیا اور خبر میں وارد ہوا ہے کہ دو عورتوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں روزہ رکھا پس ان کو بھوک اور پیاس نے آخر نہار میں پریشان کر دیا یہاں تک کہ قریب بہ ہلاکت ہو گئیں پس انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آدمی بھیجا (جس کی زبانی) وہ آپ سے افطار کی اجازت چاہتی تھیں آپ نے ان کے پاس ایک بادیہ بھیجا اور فرمایا کہ ان دونوں سے کہو کہ تم نے جو کچھ کھایا ہے اس میں قے کر دو سو ایک نے خالص خون اور تازہ گوشت (کذا فی القاموس فی معنی الغریض ۱۲ منہ) کی قے کی اور دوسری نے بھی ایسی ہی قے کی یہاں تک کہ انہوں نے اس بادیہ کو (اپنی قے سے) بھر دیا لوگوں کو اس سے تعجب ہوا۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان دونوں عورتوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کی ہوئی چیزوں سے تو روزہ رکھا اور اللہ تعالیٰ کی حرام کی ہوئی چیز پر افطار کیا (یعنی اس سے نہ رکیں کہ مردہ مسلمانوں کا گوشت روزہ میں کھایا انہوں نے کسی کی غیبت کی تھی جس کو حق تعالیٰ نے اس سے تشبیہ دی ہے اور جس کا اس شکل مثالی میں ظہور ہوا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم میں سے کسی کے روزہ کا دن ہوا کرے تو اس کو چاہئے کہ نہ فحش بات کرے اور نہ جہالت کی بات کرے اور اگر

کوئی آدمی اس سے گالی گلوچ کرنے لگے تو یہ کہہ دینا چاہئے کہ میں روزہ سے ہوں۔
اورخبر میں ہے کہ روزہ ایک امانت ہے پس ہر ایک کو چاہئے کہ اپنی امانت کی حفاظت
کرے اور (صوفی کی دوقسمیں ہیں ایک وہ جن کی بسر اوقات کی کوئی صورت معین
نہیں نہ یہ معلوم کہ ان کے لئے کہاں سے آئے گا اور نہ یہ معلوم کہ کب آئے گا اور کتنا
آئے گا۔اور ایک وہ ہیں جن کی کوئی صورت معین ہے مثلاً کسی خانقاہ میں یا کسی کے گھر
ان کا کھانا مقرر ہے روزہ وافطار کے متعلق ان دونوں کے بعض احکام میں تفاوت ہے
یہاں سے اس کا بیان ہے پس فرماتے ہیں کہ) جو صوفی ایسا ہو کہ کسی معین صورت کی
طرف راجع نہ ہو اور نہ اس کو یہ معلوم کہ اس کے پاس رزق کب بھیجا جائے گا سو (اس
کا حکم یہ ہے کہ) اللہ تعالیٰ اس کے پاس جب رزق بھیجے تو اس کو اس طرح (فی
الاصل تناوله بالادب وهو دائم المراقبة لوقته آه وحملت الجمله
الثانية على الحال بشهادة الذوق ۱۲منه) ادب کے ساتھ لے کہ وہ ہمیشہ اپنے
وقت کا نگران رہے (مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص کے لئے ایک ادب یہ ہے
کہ رزق آنے کے وقت روزہ نہ رکھے اور اللہ تعالیٰ کے رزق بھیجنے کو اس کا اشارہ سمجھے
اور ایک ادب یہ بھی ہے کہ روزہ رکھ لے اور رزق بھیجنے کو روزہ پر اعانت کا اشارہ سمجھے
ان دونوں ادبوں میں رزق آنے کے وقت جس ادب کو حال مقتضی ہو اس پر عمل
کرے) اور (اگر اس نے ادب افطار کو اختیار کیا تو) یہ شخص اس افطار میں اس شخص
(کے افطار) سے افضل ہوگا جس کی کوئی صورت معین ہے (جس کا تھوڑی دور پر ذکر
آئے گا) پھر اگر باوجود اس کے (دوسرے ادب پر عمل کر کے) روزہ رکھے تو اس نے
فضیلت کو کامل کر لیا (کہ جامع ہو گیا صوم کا اور ادب وقت کا حاصل یہ ہے کہ اس کا
افطار روزہ سے تو افضل نہ ہوگا لیکن صوفی معلوم الرزق کے افطار سے افضل ہوگا آگے
ایک قصہ بیان کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل مقتضا وضع صوفی کا اختیار کرنا
صوم ہی کا ہے جس سے تائید ہوگئی مضمون مذکور عنقریب کی کہ روزہ رکھے تو فضیلت کو

کامل کرلیا وہ قصہ یہ ہے کہ) حضرت رویم سے حکایت کی گئی وہ کہتے ہیں کہ میں (ایک روز) دوپہر کے وقت بغداد کے کسی کوچہ میں گذرا اور مجھ کو پیاس لگی میں ایک گھر کے دروازہ پر پہنچا اور میں نے پانی مانگا پس ایک لڑکی اس حالت سے باہر آئی کہ اس کے پاس ایک کوری صراحی ٹھنڈے پانی سے بھری ہوئی تھی جب میں نے اس کے ہاتھ سے لینے کا ارادہ کیا تو کہنے لگی کہ صوفی اور دن کو پانی پیتا ہے اور اس صراحی کو زمین پر پٹک دیا اور لوٹ گئی۔ رویم فرماتے ہیں کہ میں اس سے شرما گیا اور میں نے نذر کرلی کہ میں کبھی افطار نہ کروں گا۔ (ظاہر رویم رحمہ اللہ کی حالت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ غیر معلوم الرزق تھے ورنہ ان کو اس طرح پانی مانگنے کی حاجت نہ ہوتی اس سے معلوم ہوا کہ غیر معلوم الرزق کے لئے بھی افضل صوم ہی ہے یہی اوپر دعویٰ کیا تھا) اور جن حضرات نے دوام صوم کو ناپسند کیا ہے (جس سے تحقیق بالا میں کہ صوم مطلقاً افطار سے افضل ہے شبہ پڑتا ہے) تو اس وجہ سے ناپسند کیا ہے کہ نفس جب روزہ سے مالوف ہوجائے گا اور اس کا معتاد ہوجائے گا تو پھر اسپر افطار کرنا گراں ہوگا اور اسی طرح (اگر ہمیشہ افطار کیا کرے گا تو) اس کے افطار کے ساتھ معتاد ہوجانے سے وہ روزہ کو گراں سمجھے گا (اور شرعی مستحب یا مباح میں تنگی ہونا یہ ایک شعبہ ہے اتباع ہوا بمقابلہ سنت و تقدیم رائے علی الشرع کا بھی اور خلاف مجاہدہ بھی ہے کہ نفس کو ہمیشہ راحت میں رکھنا ہے لہٰذا دونوں امر نامناسب ہیں) پس وہ لوگ اس میں فضیلت سمجھتے ہیں کہ نفس کسی خاص حالت کی طرف مائل نہ ہو اور (اس لئے انہوں نے یہ رائے دی ہے کہ ایک روز کا افطار اور ایک روز کا صوم نفس پر اشد ہے (اور اس میں دونوں مذکورہ خرابیوں سے تحرز ہے) اور منجملہ ادب فقراء کے یہ ہے کہ جب ایک شخص کسی جماعت میں اور ان کی صحبت میں ہو تو وہ بدون ان لوگوں کے اذن کے روزہ نہ رکھے (مراد اس جماعت سے وہ ہیں جو غیر معلوم الرزق ہیں قرینہ اس کا سیاق بالموحدہ میں یہ ہے کہ اوپر سے صوفیہ کی اس قسم کا ذکر ہے اور سباق بالتحیتہ میں اس حکم کی دلیل ہے اور وہ یہ ہے یعنی) اور پر

اس ادب کی وجہ یہ ہے کہ اس جماعت کے قلوب اس کے سامان افطاری (فی القاموس فی مادة الفطر وكصبور مايفطر عليه ۱۲ منہ) کے ساتھ متعلق رہیں گے اور وہ لوگ غیر معلوم الرزق پر ہیں (یعنی اگر اس شخص کا روزہ نہ ہوتا تو جس وقت کوئی چیز آئی ہے اور سب نے کھائی ہے یہ بھی کھاتا اور وہ بے فکر رہتے اب ان کو خواہ مخواہ خیال رہے گا کہ اس کے لئے افطاری کا کیا سامان ہوگا اور اگر اذن سے رکھتا تو اس شخص کی حالت سے ضرورت سمجھ کر وہ کچھ بچالیتے چنانچہ آگے آتا ہے) پس اگر جماعت کے اذن سے روزہ رکھا ہو اور ان لوگوں پر کچھ فتوحات ہو تو جس حالت میں نہ معلوم ہو کہ روزہ نہ رکھنے والوں کی جماعت اس کی حاجت مند ہیں اس وقت صائم کے لئے اس کا اٹھا کر رکھنا ان کے ذمہ لازم نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ صائم کے لئے اس کا رزق آپ بھیجے گا مگر اس حالت میں اُٹھا کر رکھ لیا جائے کہ وہ صائم اس امداد کا محتاج ہو یا تو بوجہ ضعف حال (باطن) کے یا ضعف جثہ کے بڑھاپے کے سبب یا اور کسی سبب سے اور اسی طرح صائم کے لئے بھی زیبا نہیں کہ وہ اپنا حصہ اٹھا کر رکھ لے کیونکہ یہ ضعف حال کی بات ہے اور اگر ایسا ضعف ہے کہ اس کو اپنے حال کا اور اس حال کے ضعف کا اعتراف ہے تو اس کو اٹھا کر رکھ لے اور یہ جو کچھ مذکور ہوا ہے۔ یہ ان قوموں کے لئے ہے جو رزق غیر معلوم پر ہیں باقی جو صوفیہ خانقاہوں میں کسی رزق معلوم پر مقیم ہیں سو ان کے حال کے زیادہ لائق روزہ ہی رکھنا ہے اور ان کو جماعت کی موافقت افطار میں ضروری نہیں (یعنی اگر زیادہ خانقاہ والے افطار کریں تو بقیہ کو ان کی موافقت ضروری نہیں) اور یہ امر اس جماعت کے بارہ میں ظاہر ہوگا جو ان میں ایسے ہوں جن کا رزق معلوم ہے کہ ان کے پاس دن کو آتا ہے (یہ تقریر مذکور ان کے متعلق ہے کیونکہ جن کا رزق معلوم رات کو آتا ہے ان کے لئے تو افضلیت صوم ظاہری ہے) باقی جو لوگ رزق غیر معلوم پر ہیں (خواہ تمام جماعت یا مکان خانقاہ میں بعض جن کا طعام کسی مصلحت سے جاری نہیں ہوا) سو بعض نے فرمایا ہے کہ صائمین کا مفطرین کے ساتھ

موافقت کرنا یہ اس سے احسن ہے کہ مفطرین سے صائمین کے ساتھ موافقت کرنے کی استدعا کی جائے (شاید اس قول کی یہ وجہ ہو کہ اوّل صورت میں راضی بالتعب کی راحت ہے اور ثانی میں راضی مراحۃ کا تعب ہے یہ تو قول ہے بعض کا) اور (تحقیق یہ ہے کہ علی الاطلاق ایک کو دوسرے پر ترجیح نہ دی جائے بلکہ یوں کہا جائے کہ) اس قوم (صوفیہ) کے معاملہ کی بناء صدق پر ہے اور صدق کی بات یہ ہے کہ نیت کی اور احوال نفس کی دیکھ بھال کرنا پس جس امر میں نیت صحیح ہو خواہ صوم خواہ افطار خواہ موافقت خواہ ترک موافقت پس وہی افضل ہے (یہ تفصیل تو اُصول طریق سے تھی) باقی حدیث کی رو سے سو جو شخص صائم ہو اور وہ موافقت کی وجہ سے افطار کرلے اس کیلئے بھی ایک وجہ ہے اور اگر وہ صائم ہی رہے اور موافقت نہ کرے اس کے لئے بھی ایک وجہ ہے سو جو شخص افطار کرے اور (اس طرح) موافقت کرے تو اس کی وجہ تو وہ حدیث ہے جسکی خبر دی ہم کو ابوزرعہ ظاہر نے اپنے باپ ابو الفضل حافظ مقدسی سے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابو الفضل محمد بن عبداللہ نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو سید ابوالحسن محمد بن الحسین علوی نے انہوں نے کہا خبر دی ہم کو ابوبکر محمد بن حمدویہ نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ بن حماد نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عبداللہ بن صالح نے انہوں نے کہا حدیث بیان کی ہم سے عطا بن خالد نے حماد بن حمید سے انہوں نے روایت کی محمد بن المنکدر سے انہوں نے روایت کی ابوسعید خدری سے وہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے لئے کھانا تیار کیا جب کھانا ان صاحبوں کے سامنے لایا گیا تو قوم میں سے ایک شخص نے کہا میں روزہ سے ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے بھائی نے تمہاری دعوت کی اور تمہارے لئے تکلف کیا پھر تو کہتا ہے میں روزہ سے ہوں افطار کر اور ایک دن اس کی جگہ قضا کر (اس سے اوپر بھی جہاں افطار میں موافقت کرنے کا ذکر آیا ہے اگر بعد نیت صوم کے ہوگا قضا واجب ہوگی اور قبل نیت قضا واجب نہ ہوگی یاد رکھو) اور

باقی جو (افطار میں) موافقت نہ کرے اس کی وجہ سو (حدیث میں) وارد ہوا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اور آپ کے اصحاب نے کھانا کھایا اور بلال روزہ سے تھے تو آپ نے فرمایا ہم تو اپنا رزق کھا رہے ہیں اور بلال کا رزق جنت میں ہے غرض جب معلوم ہو جائے کہ (روزہ رکھنے سے) اس موقع پر کسی قلب کو اذیت ہوگی یا کسی ایسے شخص کی موافقت سے کہ جس کی موافقت (کسی وجہ شرعی سے) مغتنم سمجھی جاتی ہے کسی فضیلت کی امید ہو تو نیک نیتی سے افطار کرے۔ طبیعت کے حکم اور تقاضے سے نہ کرے۔ اور اگر اس وصف کو نہ پائے تو پھر یہ مناسب نہیں کہ اس شخص پر حرص اور داعیہ نفس نیت کے ساتھ مشتبہ ہو جائے سو اس کو چاہئے کہ اپنا روزہ پورا کرے اور (وجہ اس کی یہ ہے کہ) گاہے یہ منظوری (افطار کی) داعیہ نفس کے سبب ہوتی ہے نہ کہ اپنے بھائی کے اداء حق کیلئے اور فقیر طالب کے بہترین آداب سے یہ ہے کہ وہ جب افطار کرے اور طعام تناول کرے تو بعض اوقات اپنے باطن کو اس کی (پہلی) حالت سے بدلا ہوا اور اپنے نفس کو اداء وظائف عبادت سے ست پاتا ہے۔ تو وہ (یعنی فقیر طالب اس وقت) قلب متغیر کا بواسطہ ازالہ تغیر کے علاج کرتا ہے اور کچھ رکعتیں پڑھ کر یا کچھ آیات تلاوت کر کے یا کچھ اذکار و استغفار کو عمل میں لا کر اس طعام کو گداختہ (یعنی منہضم کہ ضعف اثر اس کے لوازم سے ہے) کر دیتا ہے چنانچہ خبر میں وارد ہوا ہے کہ گداختہ کر دیا کرو اپنے طعام کو ذکر سے اور منجملہ آداب ضرور یہ صوم کے اس کا حتی الامکان مخفی رکھنا ہے لیکن اگر اخلاص پر پورا قادر ہو تو کچھ پروانہ کرے خواہ ظاہر ہو جائے یا مخفی رہے۔

(باب چہل و یکم ختم ہوا)

تنبیہ: جلد اوّل کے باب پنجم کے شروع عنوان میں جو تنبیہ ہے وہی یہاں معروض ہے۔ (اشرف علی)

بیالیسواں باب

طعام اور اس چیز کے بیان میں ہے جو صلاح وفساد اُس میں ہے

صوفی کی عادات اس کے حسن نیت اور صحت مقصد اور وفور علم اور اس کے آداب بجالانے کے سبب سے عبادت ہو جاتی ہیں اور صوفی کا وقت اللہ کے واسطے ہبہ ہو جاتا ہے اور وہ اپنی زندگی کو اللہ کے واسطے چاہتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بطور امر کے فرمایا ہے **قل ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی لله رب العلمین** یعنی کہو اے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) ہر آئینہ میری نماز اور میری عبادت اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے واسطے ہے جو عالمین کا پروردگار ہے۔

سو صوفی پر عادت کی باتیں اس کی حاجت (یعنی وہ لذت نفس کے واسطے کوئی عادت اختیار نہیں کرتا ۱۲ منہ) کی وجہ سے اور اس کی بشریت کی ضرورت سے پہنچتی ہیں اور اس کی بیداری کا نور اور اس کی نیک نیتی اس کی عادات کو محیط ہو جاتا ہے تو اس کی عادات روشن اور متشکل بعبادات ہو جاتی ہیں اور اسی واسطے حدیث میں وارد ہوا ہے کہ عالم کی نیند عبادت ہے اور سانس اس کی تسبیح ہے باوجودیکہ نیند عین غفلت ہے لیکن ہر ایک چیز جس سے عبادت پر استعانت ہو وہ عبادت ہو جاتی ہے۔

پس تناول طعام ایک اصل عظیم ہے جو بہت علوم کا محتاج ہے اس وجہ سے کہ وہ مصالح دینی اور دنیاوی کو مشتمل ہے اور اس کے اثر کا تعلق قلب اور قالب دونوں سے

ہے اور اس کے ساتھ بدن کا قیام وقوام ہے کیونکہ سنت الٰہی اسی طرح جاری ہے اور قالب قلب کی سواری ہے اور ان دونوں سے دنیا وآخرت کی آبادی ہے اور ہر آئینہ حدیث میں وارد ہے کہ جنت کی زمین ہموار ہے اس کی روئیدگی تسبیح اور تقدیس ہے اور قالب بالانفراد حیوانات کی طبیعت پر ہے کہ اس سے آبادی دنیا کے لئے استعانت کی جاتی ہے اور روح اور قلب فرشتوں کی طبیعت پر ہے کہ ان دونوں سے آبادی آخرت میں مدد لی جاتی ہے اور ان دونوں کے جمع ہونے سے دونوں میں دارین کی آبادی کی صلاحیت ہو جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے آدمی کو اپنی لطیف حکمت سے خاص ترین جواہر جسمانیت اور روحانیت سے مرکب کیا ہے اور اس کو خلاصۂ زمین وآسمان کا مستودع اور قرارگاہ بنایا ہے اور آدمی کے بدن کے قائم رہنے کے لئے عالم شہادت کو اور ان چیزوں کو جو اس میں نباتات اور حیوانات کے قبیل سے ہے بنایا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے تمہارے واسطے سب ان چیزوں کو جو زمین میں ہیں پیدا کیا ہے پھر طبائع کو پیدا کیا اور وہ حرارت اور رطوبت اور برودت اور یبوست ہے اور اس کے واسطہ سے نباتات کی آفرینش کی اور نباتات کو حیوانات کے لئے قوام کروانا اور حیوانات کو آدمی کا مسخر و منقاد کیا کہ ان سے آدمی اپنے بدن کے قوام کے لئے امر معاش میں استعانت کرتا ہے سو طعام معدہ میں پہنچتا ہے اور معدہ میں بھی چار طبیعتیں ہیں اور طعام میں بھی چار طبیعت ہیں پھر جب اللہ تعالیٰ مزاج بدن کا اعتدال چاہتا ہے تو معدہ کے طبائع میں سے ہر ایک طبیعت طعام کی اس طبیعت کو لیتی ہے جو اس کی ضد ہے۔

چنانچہ حرارت تو برودت کو اور رطوبت یبوست کو لے لیتی ہے اور مزاج معتدل ہو جاتا ہے اور کجی سے امن اور حفظ رہتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ قالب کو فنا اور جسم کو خراب کرے تو ہر ایک طبیعت اپنی جنس کو ماکول میں سے لیتی ہے اور اس وقت طبائع مائل اور منحرف ہو جاتے ہیں اور مزاج میں اضطراب پیدا ہو جاتا ہے اور بدن سقیم بن جاتا ہے یہ تقدیر خدائے عزیز علیم کی ہے وہب بن منبہ سے روایت ہے کہا

میں نے توریت میں آدم علیہ السلام کی صفت پائی ہے کہ میں نے آدم کو پیدا کیا اور اس کے بدن کو چار اشیاء یعنی رطب و یابس اور بارد و حار سے مرکب کیا اور یہ اس واسطے کہ میں نے اس کو مٹی سے بنایا اور وہ خشک ہے اور اس کی تری پانی سے ہے اور حرارت اس کی نفس کی طرف سے اور برودت اس کی روح کی طرف سے ہے اور اس پیدائش کے بعد بدن میں چار انواع کی مخلوق پیدا کیں کہ وہ میرے حکم سے جسم کی اصل ہیں اور انہیں سے اس کا قوام ہے تو جسم بدون ان کے نہیں قائم رہ سکتا اور خود ان میں سے بھی ہر ایک دوسرے کے بغیر قائم نہیں رہ سکتے سودا صفرا اور خون اور بلغم پھر میں نے ان مخلوقات میں سے بعض کو بعض میں جگہ دی تو یبوست کا گھر سودا میں بنایا اور رطوبت کا گھر صفرا میں اور حرارت کا مسکن خون میں اور برودت کا مسکن بلغم میں کیا پس جس بدن میں یہ چاروں پیدائشی چیزیں جن کو میں نے اصل بنایا ہے معتدل ہوں یعنی اس میں ان چاروں میں سے ہر ایک چوتھائی نسبت سے ہوئی کہ اس سے نہ گھٹے اور نہ بڑھے اس کی صحت تو کامل ہوگی اور اس کی عمارت معتدل ہوگی اور اگر ان میں سے ایک ان دوسروں پر زیادہ ہوگئی تو وہ ایک دوسروں کو ہزیمت دے گی اور ان کے ساتھ میل اور جور کرے گی اور بدن پر اس کے گرد و پیش سے بیماری داخل ہوگی جس قدر کہ اس ایک کا غلبہ ہوگا حتیٰ کہ بدن ان کی طاقتوں سے ضعیف ہو جائے گا اور ان کی مقدار سے عاجز ہوگا (اور یہ صورت ہلاکت کی) پس طعام میں ضرور ترین امور سے یہ ہے کہ وہ حلال ہو اور ہر ایک شئے جس کی مذمت شرع نے نہ کی ہو وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور رخصت سے اس کے بندوں کے لئے حلال ہے اور اگر شرع کی رخصت نہ ہوتی تو بڑی مشکل ہوتی اور طلب حلال دشواری میں ڈال دیتا اور آداب صوفیہ سے یہ ہے کہ منعم کو یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت پر دیکھے اور یہ کہ کھانے سے میں نے پہلے ہاتھ دھوئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھونا فقر کو دور کرتا ہے اور یہ عمل نفی فقر کا موجب اس واسطے ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ کا دھونا ادب کے

ساتھ استعمال ہے نعمت کا اور یہ شکر نعمت ہے اور شکر زیادتی کا مستوجب ہے پس ہاتھ کا دھونا نعمت کا کھینچنے والا اور فقر کا دور کرنے والا ٹھہرا اور انس بن مالک نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص چاہے کہ اس کے گھر کی خیر و برکت زیادہ ہو تو چاہئے کہ وضو کرے جب کہ غذا اس کے سامنے آئے پھر اللہ تعالیٰ کا نام لے پس اللہ تعالیٰ کا قول ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ اس کی تفسیر تو اللہ تعالیٰ کا نام لینا حیوانات کے ذبح کے وقت ہے اور امام شافعی اور امام ابو حنیفہ رحمہما اللہ نے اس کے واجب ہونے میں اختلاف کیا ہے مگر صوفی کا فہم اس سے باوجودیکہ وہ ظاہر تفسیر پر بھی قائم ہوتا ہے یہ ہے کہ وہ کھانے کو کھاتا بھی نہیں مگر اس وقت کہ وہ مقرون بذکر ہو تو ذکر کے ساتھ مقرون کرنا اس کا فرض وقت اور فرض ادب ہے ملا دیا اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ کھانا کھانا اور پانی پینا ناشی ہوتا ہے نتیجہ نفس کی اقامت اور اس کی اتباع ہوئی سے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کو اس کی دوا اور تریاق سمجھتا ہے عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے تو ایک اعرابی آیا اور دو لقموں میں وہ سب کھانا نوش کر گیا جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ اعرابی اگر بسم اللہ کہتا تو یہ کھانا سب کو کفایت کرتا سو جب کوئی تم میں سے کھانا کھائے تو چاہئے کہ بسم اللہ کہے اور اگر وہ بھول گیا بسم اللہ کہنا تو کہنا چاہئے بسم اللہ اوّلہ و آخرہ اور مستحب ہے کہ پہلے لقمہ میں بسم اللہ کہے اور دوسرے لقمہ میں بسم اللہ الرحمن اور تیسرے لقمہ میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کہے اور تین سانس میں پانی پئے پہلے سانس میں الحمدللہ کہے جبکہ پانی پی چکے اور دوسرے میں الحمد للہ رب العالمین اور تیسرے میں الحمدللہ رب العالمین الرحمن الرحیم کہے اور جس طرح معدہ کے لئے طبائع مقدر اور مقرر ہیں جیسا کہ ہم نے ان کا ذکر کیا جو طعام کے طبائع کے موافق ہیں اسی طرح قلب کے لئے بھی مزاج اور طبیعتیں ہیں مگر انہیں کے واسطے جو ارباب

جستجو اور رعایت اور بیداری کے ہیں جو اس کو پہچانتے ہیں کہ تناول کئے ہوئے لقمہ سے مزاج قلب میں کیا انحراف ہوگیا ہے کیونکہ لقمہ سے کبھی تو فضول کی طرف جانے کے لئے حرارت سبکی عقل کی پیدا ہوتی ہے اور کبھی قلب میں سستی اور آلکسی کی برودت وظیفہ وقت کے باز رہنے کے طور پر حادث ہوتی ہے اور کبھی سہو اور غفلت کی رطوبت پیدا ہوتی ہے اور کبھی حظوظ دنیاوی کے سبب مکر اور رنج کی یبوست ظاہر ہوتی ہے۔

سو یہ سب عارضی اور بیماریاں ہیں جن کو بیدار دل آدمی تاڑ جاتا ہے اور ان عوارض کے سبب قلب کے متغیر ہو جانے سے وہ مزاج قلب کے تغیر عن الاعتدال کو جان لیتا ہے اور اعتدال جیسا کہ قالب کے لئے مطلوب ضروری ہے قلب کے لئے اس سے زیادہ ضروری تر اور اولیٰ تر ہے اور قلب کی طرف انحراف کا راستہ پانا قالب کی طرف اس کے راہ پانے سے اس سے زیادہ سریع ہے اور منجملہ انحراف کے وہ چیز یہی ہے کہ اس سے قلب بیمار ہو جاتا ہے پھر وہ مر جاتا ہے جیسے کہ قالب مر جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا اسم ایک دوائے نافع آزمودہ ہے کہ وہ برائی سے محفوظ رکھتا ہے اور بیماری کو دور کرتا ہے اور صحت کو کھینچتا ہے۔ حکایت ہے کہ شیخ محمد غزالی جب طوس کی طرف لوٹے تو ان کے سامنے ایک مرد صالح کی تعریف کی گئی جو بعض قریات میں ہے۔ تو انہوں نے زیارت کے لئے اس کے پاس جانے کا ارادہ کیا اور اس سے ملاقات کی اور وہ اس وقت ایک اپنے جنگل میں تھا کہ زمین میں گیہوں بوتا تھا سو جب اس نے شیخ محمد کو دیکھا تو ان کی طرف چلا اور انکی طرف متوجہ ہوا اتنے میں ایک شخص اس کے اصحاب سے آیا اور اس سے بیج مانگا تاکہ جب تک وہ غزالی کے ساتھ مشغول ہے اس وقت تک وہ شیخ کے عوض اس کام میں نیابت کرے تو اس نے انکار کر دیا۔

اور بیج اسے نہ دیا تو غزالی نے اس انکار کا سبب پوچھا اس نے کہا کہ وجہ اس کی یہ ہے کہ میں اس بیج کو قلب حاضر سے اور لسان ذاکر سے بوتا ہوں اس اُمید سے کہ ہر ایک شخص جو اس میں سے کچھ تناول کرے اس کے لئے برکت ہو تو میں

نہیں چاہتا کہ اس کو اس شخص کے سپرد کروں کہ وہ زبان غیر ذاکر اور قلب غیر حاضر سے ہوئے اور بعض فقراء کھانے کے وقت قرآن کی کوئی سورۃ شروع کرتے جس سے وقت کو حاضر کرتے تھے تاکہ اجزائے طعام انوار ذکر میں ڈوب جائیں اور کوئی مکروہ اور تغیر مزاج قلب کھانے کے بعد نہ آئے۔

ہمارے شیخ ابوالنجیب سہروردی کہا کرتے تھے کہ میں کھانا کھاتا ہوں اور میں نماز پڑھتا ہوں اس سے اشارہ مقصود تھا کہ کھانے میں حضور قلب رکھتے اور اکثر اوقات ان مشاغل کو جو اس کے کھانے کے وقت ہوتے چھوڑ دیتے تاکہ ان کا خیال کھانے کے وقت متفرق نہ ہو اور کھانے میں ذکر اور حضور قلب کے لئے ایک بڑا اثر سمجھتے تھے جس کی فروگذاشت میں گنجائش نہ سمجھتے تھے اور منجملہ ذکر کے کھانے کے وقت ان دانتوں میں فکر کرتا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے مہیا کیا ہے جو کھانے میں مدد دیتے ہیں۔

سوان میں سے بعضے ٹکڑے چورا کرنے والے ہیں اور بعضے کاٹنے والے اور بعضے پیسنے والے ہیں اور اس شیریں پانی میں فکر کرتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے منہ میں پیدا کیا ہے تاکہ ذائقہ متغیر نہ ہو جیسا کہ آنکھ کا پانی اس لئے نمکین بنایا ہے تاکہ وہ فاسد نہ ہو جائے اور یہ کہ کس طرح تری کو بنایا ہے جو زبان کے اطراف اور منہ میں سے پیدا ہوتی اور نکلتی ہے تاکہ اس سے چبانے نگلنے میں مدد پہنچے اور قوت ہاضمہ کو کیسا کھانے پر مسلط کیا ہے کہ اس کو الگ الگ اور ٹکڑے ٹکڑے کرتی ہے جس کی مدد جگر سے متعلق ہے اور جگر آگ کی مثال ہے اور معدہ ہانڈی کی مانند ہے اور بقدر فساد جگر کے قوت ہاضمہ کم ہوتی ہے اور غذا فاسد ہو جاتی ہے کہ وہ نہ علیحدہ ہوتی ہے اور نہ ہر ایک عضو تک وہ غذا پہنچتی ہے جو اس کا حصہ ہے اور ایسے ہی سب اعضا کی تاثیر ہے یعنی جگر اور تلی اور گردوں کی اور اس کی شرح دراز ہے سو جو کوئی اس میں خوض کرنا اور عبرت حاصل کرنا چاہے تو چاہئے کہ تشریح اعضاء کا مطالعہ کرے تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تماشا دیکھے کہ اعضاء میں سے ایک

دوسرے کی کس طرح مدد کرتے ہیں اور بعض کا تعلق بعض کے ساتھ غذا کی اصلاح میں اور اس سے اعضاء کے لئے قوت کھینچنے میں اور خون اور ثقل دودھ کی طرف اس کے منقسم ہونے میں تاکہ بچہ کی غذا بنے کس طرح ہے۔ **من بین فرث ودم لبناً خالصًا سائغًا للشاربین فتبارک اللہ احسن الخالقین** یعنی سرگین اور خون کے درمیان سے شیر خالص جو آسانی سے پینے والوں کے گلے سے نیچے اُتر جاتا ہے۔ پس **اللہ احسن الخالقین** بڑا برکت والا ہے تو کھانے کے وقت ان چیزوں کی فکر کرنا اور لطیف حکمتوں کا اور خاص انداز کا پہچاننا یہ سب داخل ذکر ہے اور ان امور میں سے جو کھانے کی اس خرابی کو دور کرے جو مزاج قلب کو متغیر کرتی ہے یہ ہے کہ شروع طعام میں دعا کرے اور اللہ تعالیٰ سے سوال کرے کہ اس غذا کو طاعت کا معین فرمایئے اور اس کی دعا میں یہ ہو **اللھم صل علی محمد وعلٰی اٰل محمد وما رزقتنا مما تحب اجعلہ عونا لنا علی ماتحب وما زویت عنا مما تحب اجعلہ فراغا لنا فیما تحب.**

❁❁❁

تینتالیسواں باب

کھانے کے آداب میں

اُن آداب میں سے یہ ہے کہ نمک کے ساتھ ابتدا اور اسی کے ساتھ ختم کرے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آنحضرت نے علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا کہ اے علی نمک سے اپنے طعام کی ابتدا کر اور نمک کے ساتھ ختم کر اس واسطے کہ نمک ستر بیماری کی شفا ہے ان میں سے جنون اور جذام اور برص اور درد شکم اور ڈاڑھوں کا درد بھی اور عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی کہا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں پاؤں کے انگوٹھے میں سانپ یا کژدم نے کاٹا۔ حضرت نے فرمایا کہ میرے پاس وہ سفید چیز لاؤ جو آٹے میں ہوتی ہے ہم نمک آپ کے پاس لے گئے تو آپ نے اسے ہتھیلی پر رکھا بعد ازاں آپ نے اس میں سے تین بار چاٹا پھر بقیہ اس کاٹی ہوئی جگہ پر رکھا تو اس سے تسکین ہوگئی اور کھانے پر جمع ہونا مستحب ہے اور وہ سنت ہے صوفیہ کی خانقاہ وغیرہ میں جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک محبوب ترین کھانا وہ ہے جس پر بہت سے ہاتھ پڑیں اور روایت ہے کہ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ہم کھاتے ہیں اور پیٹ ہمارا نہیں بھرتا آپ نے فرمایا شاید کہ تم لوگ اپنے کھانے پر الگ الگ بیٹھتے ہو اکٹھے ہو کر کھایا کرو اور اللہ تعالیٰ کا نام اس پر لیا کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے اس میں برکت دے گا اور صوفیہ کی عادت سے ہے کہ دستر خوان پر کھانا کھاتے ہیں اور وہ سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ انس بن مالک رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی چوکی پر کھانا کھایا اور نہ طشتری میں راوی نے کہا پھر کس چیز پر کھانا کھاتے تھے تو اس نے کہا سفرہ یعنی دسترخواں پر اور لقمہ چھوٹا بنا دے اور کھانے کو اچھی طرح چبا دے اور اپنے سامنے نظر رکھے اور کھانے والوں کا منہ نہ دیکھے اور اپنے بائیں پاؤں کے اوپر بیٹھے اور داہنے پاؤں کو کھڑا رکھے اور تواضع کا بیٹھنا بیٹھے نہ تکیہ لگائے اور نہ متکبرانہ بیٹھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہی فرمائی ہے اس سے کہ آدمی تکیہ لگا کر کھانا کھائے اور روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک بکری (یعنی پکی ہوئی) ہدیہ بھیجی گئی۔ تو آپ زانوؤں پر دوزانو بیٹھے ہوئے کھانے لگے۔

ایک اعرابی بولا کہ یہ کیسی نشست ہے یا رسول اللہ تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بندہ بنایا ہے حبار عنید (یعنی متکبر سرکش اور حق سے پھرنے والا) نہیں بنایا اور کھانے کی ابتداء نہ کرے جب تک کہ (اس مجلس کا) مقدم یا شیخ ابتدا نہ کرے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ ہم جب کبھی حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھانے بیٹھتے تو ہم سے کوئی ہاتھ نہ ڈالتا جب تک کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شروع نہ کرتے اور داہنے ہاتھ سے کھائے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے چاہئے کہ ہر ایک تم میں سے کھانا داہنے ہاتھ سے کھائے اور داہنے ہی ہاتھ سے پانی پئے اور داہنے ہی ہاتھ لے اور داہنے ہی ہاتھ سے دے اس واسطے کہ شیطان ہر آئینہ اپنے بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ سے پیتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ سے لیتا ہے اور اپنے بائیں ہاتھ سے دیتا ہے اور اگر کھانے کی چیز چھوارے ہیں یا ایسی چیز جس میں گٹھلی ہو تو اس میں سے جو چیز پھینکی جاتی ہے اور جو چیز کھائی جاتی ہے (ان دونوں کو) نہ تو طبق (مطلب یہ ہے کہ رکابی میں گٹھلی جمع نہ کرے کیونکہ اس سے وہ اور کھانے کی چیز ایک جگہ ہو جائے

گی جو خلاف نظافت ہے واللہ اعلم ۱۲ منہ) اور رکابی میں جمع کرے اور نہ اپنے ہاتھ میں بلکہ اسے اپنے منہ سے اپنے ہاتھ کی پشت پر رکھے۔ اور اس کو پھینک دے اور ثرید یعنی چوری ہوئی روٹی کی چوٹی (یعنی وسط) سے نہ کھائے۔

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب کھانا سامنے رکھا جائے تو اس کے حاشیہ یعنی اردگرد سے لو اور اس کے درمیان چھوڑ دو اس واسطے کہ برکت بیچ میں نازل ہوتی ہے اور طعام کو عیب نہ لگائے ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہا کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کو ہرگز عیب نہیں لگایا۔ اگر چاہا تو اسے کھایا نہیں تو اسے چھوڑ دیا اور جب لقمہ گر پڑے تو اسے کھالے۔ اس واسطے کہ انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کا لقمہ گر پڑے تو چاہئے کہ جو کچھ اسے لگ گیا ہو اس کو صاف کر ڈالے اور اس کو کھا جائے اور اسکو شیطان کے لئے نہ چھوڑ دے اور اپنی انگلیوں کو چاٹ لے کہ ہر آئینہ جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ فرمایا جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو چاہئے کہ اپنی انگلیوں کو چوس لے اور اس واسطے کہ اس کو نہیں معلوم کہ اس کے اس کھانے کے کس حصہ میں برکت ہو اور اسی طرح حضرت علیہ السلام نے حکم دیا ہے کہ پیالہ کو صاف کرے مراد لگے ہوئے کھانے سے اس کا صاف کرنا ہے انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیالہ کو صاف کرنے کا امر فرمایا ہے۔

اور کھانے میں پھونک نہ مارے اس واسطے کہ عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ کھانے میں پھونکنا برکت کو دور کرتا ہے اور عبداللہ بن عباس نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی نہ کھانے میں پھونکتے تھے اور نہ پینے کی چیز میں اور نہ آپ کبھی برتن میں سانس لیتے

تھے۔ پس یہ ادب میں سے نہیں ہے اور سرکہ اور ساگ سبزی دسترخوان پر سنت ہے کہا گیا ہے کہ ملائکہ دسترخوان پر نازل ہوتے ہیں جب کہ اس پر سبزی ہوتی ہے ام سعد رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس آئے اور میں ان کے پاس تھی سو آپ نے فرمایا کہ کچھ صبح کا ناشتا ہے انہوں نے جواب دیا کہ ہمارے پاس روٹی اور چھوارے ہیں اور سرکہ ہے۔

حضرت علیہ السلام نے فرمایا سرکہ بہت اچھا لگاون ہے الٰہی سرکہ میں برکت دے کہ وہ انبیاء کا جو مجھ سے پہلے ہوئے ہیں لگاون تھا اور جس گھر میں سرکہ ہو وہ محتاج (یعنی آسانی سے ہر وقت اس میں سالن موجود ہے ۱۲ منہ) نہیں اور کھانے پر چپ نہ بیٹھے کہ یہ عجمیوں کی سیرت ہے اور گوشت اور روٹی کو چھری سے نہ کاٹے کہ اس میں نہی اور ممانعت آئی ہے اور کھانے سے اپنے ہاتھ کو نہ روکے جب تک کہ تمام جماعت نہ کھا چکے کہ ہر آئینہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب دسترخوان بچھایا جائے تو کوئی شخص نہ اُٹھے جب تک کہ دسترخوان نہ اٹھایا جائے اور نہ کوئی اپنا ہاتھ کھینچے، اگرچہ پیٹ بھر گیا ہو یہاں تک کہ قوم فارغ ہو جائے اور چاہئے کہ بہلانے کے طور پر کھاتا رہے۔ اس واسطے کہ بعض آدمی اپنے پاس کے بیٹھنے (یعنی اس کے ہاتھ کھینچ لینے سے ۱۲) والے سے شرما جاتا ہے اور اپنا ہاتھ روک لیتا ہے اور ممکن ہے کہ ابھی اس کو کھانے کی حاجت ہو اور جب روٹی رکھی جائے تو دوسری چیز کا انتظار نہ کرے اس واسطے کہ ہر آئینہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ روٹی کی تعظیم کرو اس واسطے کہ اللہ تعالیٰ نے (روٹی دینے میں) تمہارے لئے برکات آسمان اور زمین اور لوہے اور میل اور بنی آدم کو مسخر اور تابع (مطلب یہ ہے کہ یہ سب چیزیں کام میں لگائی گئی ہیں تب روٹی حاصل ہوتی ہے تو ایسی چیز کی بہت قدر کرو اور یہ بے قدری ہے کہ روٹی آوے اور اس کے کھانے میں بلا ضرورت توقف کرو اور سالن کا نہ ہونا کوئی ضرورت نہیں ۱۲ منہ) کر دیا ہے

اور احسن ادب اور اہم ادب سے یہ ہے کہ کھانا نہ کھائے مگر جبکہ بھوک لگے اور کھانا کھانا بند کر دے پہلے اس سے کہ پیٹ بھرے کہ ہر آئینہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آدمی نے کوئی برتن ایسا نہیں بھرا جو اس کے پیٹ سے زیادہ بدتر ہو اور صوفیہ کی عادت سے ہے کہ خادم کو لقمہ دے جبکہ وہ مجلس میں قوم کے ساتھ نہ بیٹھا ہو اور یہ سنت ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہا کہ حضرت ابوالقاسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کسی کے پاس اسکا خادم کھانا لائے تو اگر اس کو ساتھ نہ بٹھائے تو اس کو ایک یا دو لقمے ہی دے دے، اس واسطے کہ اس نے اس کی گرمی اور دھوئیں کو برداشت کیا ہے۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے۔ ابوسعید رحمۃ اللہ علیہ نے روایت کی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا کھا چکتے تو کہتے **الحمدللہ الذی اطعمنا وسقانا وجعلنا من المسلمین** اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ جس شخص نے کھانا کھایا اور کہا **الحمدللہ الذی اطعمنی ھذا ورزقنیہ من غیر حول منی ولا قوۃ** تو اس کے گزشتہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور خلال کرے کہ ہر آئینہ روایت ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے **تخللوا فانہ نظافۃ والنظافۃ تدعوا الی الایمان والایمان مع صاحبہ فی الجنۃ** یعنی رسول علیہ السلام نے فرمایا خلال کرو تم اس واسطے کہ وہ نظافت ہے اور نظافت یعنی صفائی ایمان کی طرف بلاتی ہے اور ایمان صاحب ایمان کے ساتھ بہشت میں ہے اور اپنا ہاتھ دھوئے اس واسطے کہ ابو ہریرہ نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو کوئی سوئے اور اس کے ہاتھ میں چکنائی لگی ہو جس کو نہ دھویا ہو پھر اس کو کچھ اذیت پہنچے (یعنی کوئی جانور وغیرہ کاٹ لے ۱۲ منہ) پس وہ ملامت نہ کرے مگر اپنے نفس کو۔ اور ایک طشت میں سب ہاتھوں کا دھونا سنت ہے ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ طاسوں کو لبریز کرو اور چھلکاؤ اور مجوس کی مخالفت کرو۔ اور آنکھوں کا مسح ہاتھ کی تری (یعنی تر ہاتھ آنکھوں پر

پھیرے ۱۲ منہ) سے مستحب ہے ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم وضو کرو تو اپنی آنکھوں کو پانی پلاؤ یعنی تر کرو اور اپنے ہاتھوں کو نہ جھاڑو اس واسطے کہ وہ شیطان کی مورچھل ہیں ابو ہریرہ سے پوچھا گیا کہ وضو اور غیر وضو میں کہا ہاں وضو میں اور غیر وضو میں اور ہاتھ کے دھونے میں داہنے ہاتھ کے اندر اشنان اور صابون لے اور خلال کرنے میں جو کچھ دانتوں سے خلال کے ساتھ نکلے گلے کے نیچے نہ اُتارے لیکن جو کچھ زبان کے سہارے سے نکلے اس کا مضائقہ نہیں کہ نگل جائے اور کھانا کھانے میں تصنع اور بناوٹ سے پرہیز کرے اور اس کا کھانا جماعت کے اندر ایسا ہی ہو جیسا کہ وہ تنہائی میں کھاتا ہے اس واسطے کہ ریا اور دکھلاوٹ بندہ پر ہر شئے میں داخل ہوتی ہے۔ بعض علماء کے سامنے بعض عابد کا وصف کیا گیا تو عالم نے اس کی ثناء نہیں کی اس سے کہا گیا کہ آپ اس میں کوئی ناجائز بات جانتے ہیں کہا ہاں میں نے اسے دیکھا کہ کھانے میں تصنع کرتا ہے اور جس نے کھانے میں تصنع کیا تو عمل میں تصنع کرنے سے اس پر ایمنی نہیں یعنی ممکن ہے کہ عمل میں بھی تصنع کرے اور اگر اکل حلال ہو تو چاہیے کہ کہے **الحمدللہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات وتنزل البرکات اللھم صل علی محمد وعلیٰ اٰل محمد اللھم اطعمنا طیبا واستعملنا صالحًا** اور اگر کھانا شبہ کا ہو تو کہے **الحمدللہ علی کل حال اللھم صل علی محمد ولا تجعلہ عونا علی معصیتک** اور (اگر شبہ کا کھانا کھانے کا اتفاق ہو جائے تو) چاہئے کہ کثرت سے استغفار اور حزن کرے اور (اس) اکل شبہ پر گریہ کرے اور ہنسے نہیں اس واسطے کہ جو شخص کھاتا ہے اور روتا ہے وہ اس کے برابر (جرم میں) نہیں ہے جو کھائے اور ہنسے اور کھانا کھانے کے بعد پڑھے **قل ھو اللہ احد** اور **لایلاف قریش** اور کسی قوم کے پاس کھانا کھانے کے وقت نہ جائے اس واسطے کہ ہر آئینہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ جو شخص ایسے کھانے کی طرف جائے جس کے لئے وہ نہ بلایا گیا ہو تو وہ شخص فاسق ہو گیا اور حرام کھانا کھایا اور ہم نے دوسرے لفظ سنے ہیں **دخل سارقا وخرج مغیرا** یعنی وہ سارق بن کر

داخل ہوا اور لوٹیرا ہو کر خارج ہوا۔ مگر اس صورت میں کچھ حرج نہیں کہ اس کا آنا ایسی قوم کے پاس ہو جن کے ساتھ کھانا کھانے سے ان کی فرحت معلوم ہو اور آدمی کا اپنے مہمان کے ساتھ گھر کے دروازہ تک جانا مستحب ہے اور مہمان بلا اجازت صاحب خانہ کے نہ جائے اور میزبان تکلف سے اجتناب کرے مگر اس وقت مضائقہ نہیں کہ اس کی نیت کھانے میں زیادہ خرچ کرنے کی ہو اور شرم اور تکلف سے یہ بات نہ ہو اور جب کسی جماعت کے پاس مہمان ہو کر کھانا کھائے تو اگر نماز مغرب کے بعد کھانا ہو تو (بحالت روزہ) یہ کہے **افطر عندکم الصائمون واکل طعامکم الابرار وصلت علیکم الملائکۃ** یعنی خدا کرے روزہ دار تمہارے یہاں روزہ افطار کیا کریں اور ابرار لوگ تمہارا کھانا کھایا کریں اور فرشتے تمہارے اوپر درود بھیجیں اور یہ بھی روایت ہے **علیکم صلوٰۃ قوم ابرار لیسوا بآثمین ولافجار یصلون باللیل ویصومون بالنھار** یعنی تمہارے اوپر دعا ہو اس قوم ابرار کی جو گنہگار نہیں ہیں اور نہ فاجر ہیں رات کو نماز پڑھتے ہیں اور دن کو روزہ رکھتے ہیں بعضے صحابہ یہ کہا کرتے تھے اور منجملہ ادب کے یہ بات ہے کہ اس کے لئے جو کھانا پیش کیا جائے اس کا استحقار نہ کرے یعنی حقیر نہ سمجھے اور بعض اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے کہ ہم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون شخص زیادہ گنہگار ہے آیا وہ شخص جو اس کی حقارت کرے جب اس کے سامنے کھانے کے لئے لایا جائے یا وہ شخص جو اس چیز کی حقارت کرے جو اس کے پاس ہے کہ اسے پیش (مطلب یہ کہ میزبان اگر کسی کھانے کو حقیر سمجھ کر پیش نہ کرے یا مہمان کسی پیش کئے ہوئے کھانے کو حقیر سمجھے دونوں گنہگار ہیں خواہ یہ زیادہ ہو یا وہ زیادہ ہو ۱۲) اور طعام مباہات ونمود کا کھانا مکروہ ہے اور اسی طرح جو کھانا بیاہ شادی اور غمی میں بتکلف پکایا جاتا ہے پس جو کھانا نوحہ کرنے والوں کے لئے تیار ہوتا ہے نہ کھایا جائے اور جو اہل ماتم پرسی کے لئے تیار ہو اس کا کھانا (اہل تعزیت کے لئے جب وہ پردیسی ہوں) مضائقہ نہیں ہے اور اسی طرح جو اس کے قائم مقام (شاید یہ مطلب ہو کہ جو چیز کھانے کے قائم مقام ہو مثلاً استعمال کی چیزیں یا یہ

مطلب ہو کہ اہل ماتم کے قائم مقام ہو مثلاً ان کے چولہے کا شریک ہے گو وہ اہل غم میں سے نہیں ۱۲ منہ) اور جب ایک شخص اپنے بھائی کے حال کو جانتا ہو کہ وہ اس بے تکلفی سے خوش ہوتا ہے کہ کسی کھانے کی چیز میں تصرف کرے تو کچھ حرج نہیں ہے کہ اس کے کھانے میں سے بغیر اس کی اجازت کے کھائے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے او صدیقکم روایت ہے کہ سفیان ثوری کے پاس ایک جماعت آئی اور ان کو موجود نہ پایا تو انہوں نے دروازہ کھولا اور دسترخوان بچھایا اور کھانا کھایا پھر سفیان آئے اور خوش ہوئے اور کہا کہ تم نے مجھ کو سلف کے اخلاق یاد دلا دیئے کہ وہ ایسے ہی تھے اور جو شخص کھانے کے لئے بلایا جائے تو اجابت اس کی سنت ہے اور اس میں زیادہ تاکید والا ولیمہ ہے اور کبھی بعض لوگ دعوت سے غرور کے سبب تخلف کرتے ہیں اور یہ خطا ہے اور جو یہ بات بناوٹ اور ریا سے ہو تو وہ تکبر سے کم ہے۔ روایت ہے کہ حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایک ایسی مساکین کی قوم پر گزر ہوا جو راستوں پر لوگوں سے سوال کرتے ہیں اور انہوں نے زمین پر ٹکڑے روٹیوں کے پھیلا رکھے تھے اور آپ ایک خچر پر سوار تھے سو جب آپ ان پر گزرے تو ان سے سلام علیک کی اور انہوں نے وعلیکم السلام کہا اور عرض کی اے فرزند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آیئے کھانا حاضر ہے آپ نے فرمایا اچھا اللہ تعالیٰ متکبروں کو دوست نہیں رکھتا پھر اپنی ران کو پھیرا اور اپنی سواری سے اتر پڑے اور زمین پر ان کے ساتھ بیٹھے اور آکر کھانے لگے پھر ان کو سلام کیا اور سوار ہو گئے اور کہا جاتا ہے کہ بھائیوں کے ساتھ کھانا کھانا کنبے کے ساتھ کھانا کھانے سے افضل ہے۔ روایت ہے کہ ہارون رشید نے ابی معاویہ نابینا کو بلایا اور حکم دیا کہ ان کے لئے کھانا لایا جائے پھر جب وہ کھانا کھا چکے تو رشید نے ان کے ہاتھوں پر طشت میں پانی ڈالا پھر جب وہ فارغ ہوئے تو کہا یا ابا معاویہ تم جانتے ہو کہ تمہارے ہاتھ پر کس نے پانی ڈالا کہا نہیں کہا کہ امیر المومنین نے کہا اے امیر المومنین صرف بات یہ ہے کہ تم نے علم کا اکرام و اعزاز و اجلال کیا اللہ تعالیٰ تمہارا اجلال کرے اور تمہارا اکرام کرے جیسا کہ تم نے علم کا اکرام کیا۔

چوالیسواں باب

صوفیہ کے آداب لباس اور اُس میں اُن کی نیات اور مقاصد کے بیان میں

(اس باب سے ترجمۂ قدیمہ کی اِصلاح احقر نے کی ہے اور جو مضمون محتاج توضیح تھا اُس کی توضیح حاشیہ پر کردی ہے اور جو مقام میری سمجھ میں نہیں آیا اُس کو حضرت مولانا سے سمجھ لیا ہے اور پھر حضرت مولانا کو سنا دیا ہے۔۱۲، انوار الحق)

لباس نفس کی حاجات اور ضروریات سے ہے کیونکہ وہ گرمی اور سردی کو دفع کرتا ہے جیسے کہ طعام حاجات نفس سے ہے کیونکہ وہ بھوک کو دفع کرتا ہے اور جیسا کہ نفس طعام سے مقدار حاجت پر قانع نہیں ہوتا بلکہ زیادات اور خواہش کی چیزیں طلب کرتا ہے۔ سو اسی طرح لباس میں انواع اقسام کی پوشاک مانگتا ہے اور نفس کی اُس میں طرح طرح کی خواہش اور قسم قسم کی حاجتیں ہوتی ہیں۔ پس صوفی نفس کو لباس میں صریح علم کی متابعت پر مجبور کرتا ہے۔ ایک صوفی سے کہا گیا کہ تمہارا کپڑا پھٹا ہوا ہے، جواب دیا کہ (گو میلا ہے) لیکن پاک ہے تو صادق کی نظرِ اپنی پوشاک میں اس پر ہوتی ہے کہ حلال طریقہ سے ہو کیونکہ حدیث شریف میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے وارد ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جس نے ایک کپڑا دس درم کو خریدا اور اُس کی قیمت میں ایک درم حرام کا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس سے نہ صرف قبول کرتا ہے اور نہ عدل یعنی نہ فرض نہ نفل، پھر اس کے بعد لباس میں صادق کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ پاک ہو کیونکہ لباس کی طہارت نماز کی صحت کیلئے شرط ہے اور ان دونوں باتوں کے علاوہ اُس کی نظر اس پر ہوتی ہے کہ

وہ گرمی اور سردی کو دفع کرتا ہے اس لیے کہ یہ نفس کی مصلحت ہے اور اس کے بعد جو نفس چاہتا ہے وہ سب فضول اور زیادت ہے اور مخلوق پر نظر ہے اور صادق کو صرف حق اللہ کے لیے لباس پہننا چاہیے کہ وہ ستر عورت ہے یا حق نفس کے لیے پہننا چاہیے کہ گرمی اور سردی کا دفع کرنا ہے۔ حکایت ہے کہ سفیان ثوری رضی اللہ عنہ ایک روز باہر نکلے اور آپ کے بدن میں ایک کپڑا تھا جس کو اُلٹا پہن رکھا تھا۔ پس آپ کو خبر کی گئی اور آپ کو اس کا علم نہ تھا۔ پس آپ نے ارادہ کیا کہ اسے اتاریں اور سیدھا کریں پھر اس کو ویسا ہی چھوڑ دیا اور فرمایا کہ جب میں نے پہنا تھا تو یہ نیت کی تھی کہ میں اسے اللہ کے واسطے پہنتا ہوں اور اس وقت صرف خلق کی نظر کے لئے بدلتا ہوں سو میں ایسا کر کے پہلی نیت کو نہیں توڑتا اور صوفیہ طہارت اخلاق کے ساتھ مخصوص ہیں اور طہارت اخلاق جو انہیں حاصل ہوئی ہے تو صرف اس لئے کہ ان میں صلاحیت اور اہلیت اور استعداد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے نفوس کے لئے مہیا کر دیا ہے اور چونکہ ہیئت نفس میں تناسب ہے اس وجہ سے اخلاق کی طہارت اور ان کی باہمی معاونت (یعنی ہر ایک خلق کی طہارت معین ہوتی ہے باقی اخلاق کی طہارت میں ۱۲) میں بھی ایک قسم کا تناسب واقع ہوا ہے اور اس آیت میں ہیئت نفس کے تناسب ہی کی طرف اشارہ ہے۔ **فاذا سویته ونفخت فیه من روحی** یعنی پس جس وقت کہ میں اس کو مستوی (اور تسویہ کامل یہ ہے کہ صورت اور سیرت دونوں میں ہو ۱۲) اور ہموار کر دوں اور اپنی روح اس میں پھونک دوں الخ پس تناسب سے مراد یہی تسویہ ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ ان کا لباس ان کے طعام کے مشابہ ہو اور ان کا طعام ان کے کلام کے مشابہ ہو اور ان کا کلام ان کے سونے کے مشابہ ہو اس واسطے کہ تناسب جو نفس میں واقع ہے علم کے ساتھ مقید ہے (یعنی اقتضاء علم کے موافق ہے) اور احوال میں تشابہ اور تماثل کا حکم علم (یعنی جو تناسب اقتضاء علم کے موافق ہو اس کی ضرورت کا خود علم حکم کرتا ہے ۱۲) ہی کرتا ہے اور زمانہ حال کے متصوف کسی قدر تناسب کا التزام آمیزش ہویٰ کے ساتھ کرتے ہیں اور ان کے پاس

جو کچھ واقفیت تناسب ہے وہ ان کے سلف کے حال کی تراوش ہے وجود تناسب میں ابو سلیمان دارانیؒ نے فرمایا ہے کہ بعض صوفی تین درم کی عبا پہنتے ہیں اور ان کے پیٹ کی خواہش پانچ درم کی ہے تناسب نہ ہونے کی وجہ سے انہوں نے اس پر اعتراض کیا پس جس کے کپڑے موٹے ہوں تو مناسب یہ ہے کہ اس کا کھانا بھی اسی کی جنس سے ہو اور جبکہ لباس اور طعام میں اختلاف ہو تو یہ اختلاف دلالت کرتا ہے (حال مناسب سے) انحراف پر جس کا منشاء کسی ایک جانب میں ایک پوشیدہ ہوائے نفسانی ہے خواہ وہ کپڑے کی جانب ہو کیونکہ وہ محل نظر خلق ہے (یعنی پہننے والے کی غرض ریا ہو) اور خواہ وہ کھانے کی جانب ہو بوجہ خواہش زیادتی طعام کی (یعنی اچھے کھانے کا منشاء زیادتی حرص طعام ہو) اور یہ دونوں امر (یعنی ریا و زیادتی حرص طعام) مرض ہیں جس کے لئے ضرورت ہے علاج کی تا کہ حد اعتدال پر آ جائے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کپڑا دھلا ہوا پہنا تو ان سے احمد رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کاش آپ اس سے اچھا کپڑا پہنتے تو آپ نے جواب دیا کاش قلوب میں میرا قلب (ایسا ممتاز) ہوتا جیسا کہ کپڑوں میں میرا قمیص (ممتاز ہے) سو فقراء گدڑی پہنا کرتے اور اکثر گھوروں (بعض جگہ گھورہ کو کوڑی کہتے ہیں ۱۲) پر سے چیتھڑے اٹھالیا کرتے اور اپنے کپڑوں میں ان سے پیوند لگاتے ہر آئینہ یہ کام اہل صلاح کی ایک جماعت نے کیا ہے اور یہ وہ لوگ تھے جن کے پاس کچھ مال نہ تھا جس کی طرف رجوع (یعنی جس سے اپنی حوائج پوری کرتے ۱۲) کرتے سو جیسے ان کے پیوند کوڑیوں کے چیتھڑوں سے تھے اسی طرح ان کے لقمے گداگری سے تھے ابوعبداللہ رفاعی رحمۃ اللہ علیہ تیس برس فقر اور توکل پر قائم رہے اور حالت آپ کی یہ تھی کہ جب فقراء کے لئے کھانا آتا تو آپ ان کے ساتھ نہ کھاتے اس کے بارہ میں ان سے کہا جاتا تو جواب (توکل دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو محض اسباب کو ترک کرنا دوسرے یہ کہ اس کے ساتھ فناء کا اختیار کرنا کہ جیسا اس کے لئے تجویز ہوا وہی طریقہ اختیار کرلیا ابوعبداللہ رفاعیؒ کا توکل دوسری قسم کا تھا اور آپ کے لئے گداگری

تجویز کی گئی ہوگی۔۱۲) دیتے کہ تم حق توکل کے ساتھ کھاتے ہو اور میں حق مسکنت کے ساتھ کھاتا ہوں پھر مغرب اور عشاء کے درمیان دروازوں سے بھیک (چونکہ مجموعہ احوال کے اعتبار سے آپ کسب پر قادر نہ تھے کماقال اللہ تعالیٰ لایستطیعون ضربا فی الارض الآیہ اس لئے آپ کو سوال کرنا جائز تھا۔۱۲) مانگنے کے لئے نکلتے اور یہ اس شخص کی شان ہے جو مال کی طرف رجوع نہ کرے اور کسی کے زیر احسان نہ ہو حکایت ہے کہ خرقہ پوشوں کی ایک جماعت بشر بن الحارث کے پاس گئی تو ان سے آپ نے فرمایا کہ اے قوم خدا سے ڈرو اور اس لباس کو ظاہر مت کرو اس واسطے کہ تم اس سے پہچانے جاتے ہو اور اس کی وجہ سے اکرام کئے جاتے ہو سو سب کے سب خاموش ہو رہے پس ایک لڑکے نے ان میں سے آپ کو جواب دیا (مطلب یہ کہ قصد شہرت سے پہنے تو مذموم ہے اور جب بلا قصد خدا تعالیٰ تعظیم کرائیں تو کیا حرج ہے۔۱۲) کہ شکر ہے اللہ کا جس نے ہم کو ان لوگوں میں سے کیا جو اس لباس سے پہچانے جاتے ہیں اور اس کی وجہ سے اکرام کئے جاتے ہیں اللہ کی قسم البتہ یہ لباس غالب ہوگا یہاں تک کہ دین (یعنی اس کی عظمت تمام لوگوں میں ظاہر ہو جائے۔۱۲) سب کے لئے ہو جائے تب بشرؒ نے اس سے فرمایا اے لڑکے! خوب کہا جو کوئی تمہاری مثل ہو وہ (شوق سے) گدڑی پہنے تو ان میں سے بعض کی یہ حالت تھی کہ عمر بھر نہ کوئی کپڑا خرید کر کے رکھتے اور نہ سوائے اس کپڑے کے جو بدن پر ہوتا اور کسی کپڑے کے مالک ہوتے اور روایت ہے کہ امیر المومنین حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک کرتہ پہنا جو تین درم میں خریدا تھا پھر انگلیوں کی طرف سے اس کی آستینیں کاٹ ڈالیں اور انہیں سے روایت ہے کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ اگر آپ اپنے صاحب (جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) سے ملنا چاہتے ہیں تو اپنے قمیص میں پیوند لگائیے اور اپنا جوتا گانٹھیے اور اپنی آرزو کوتاہ کیجئے اور پیٹ بھر کر نہ کھائیے اور جریری سے حکایت ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بغداد کی جامع مسجد میں ایک شخص تھے کہ انہیں جاڑے ہوتے یا گرمی ہمیشہ

ایک کپڑا اپہنے ہوئے دیکھتے ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے پہلے زیادہ کپڑے پہننے کا شوق تھا سو ایک رات میں نے خواب میں دیکھا گویا کہ میں جنت میں داخل ہوا۔ پس میں نے دیکھا کہ فقراء کی ایک جماعت میرے دوستوں میں سے دسترخوان پر بیٹھی ہوئی ہے سو میں نے ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ یکا یک فرشتوں کی ایک جماعت آئی اور میرا ہاتھ پکڑ کر اٹھا دیا اور مجھ سے کہا کہ یہ ایک کپڑا رکھتے ہیں اور تم دو کپڑے رکھتے ہو پس تم ان کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تب میں جاگ پڑا۔ اور عہد کیا کہ ایک کپڑے سے زیادہ نہ پہنوں گا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے جاملوں اور کہا گیا ہے کہ حضرت ابو یزید رحمۃ اللہ علیہ نے وفات پائی اور جو کُرتا آپ کے بدن پر تھا اس کے سوا اور کچھ نہ چھوڑا اور وہ بھی مانگا ہوا تھا سوا سے اس کے مالک کو واپس کر دیا اور شیخ حماد جو کہ ہمارے شیخ کے شیخ تھے ان کی ہمیں حکایت پہنچی ہے کہ انہوں نے بڑا زمانہ اس حالت پر بسر کیا کہ صرف اُجرت پر لیا ہوا کپڑا اپہنتے یہاں تک کہ اپنا ذاتی کوئی کپڑا انہیں پہنا اور حضرت ابو حفص عدادؒ نے فرمایا ہے کہ جب تم کسی فقیر کی آرائش اس کے کپڑوں میں دیکھو تو اس میں خیر کی اُمید نہ رکھو اور حکایت کی گئی ہے کہ ابن کرینی نے جو کہ حضرت جنید رحمہ اللہ کے اُستاد تھے۔ اس حالت میں وفات پائی کہ ان کے بدن پر ان کی گدڑی تھی کہا گیا ہے کہ ان کی گدڑی کی ایک آستین اور اس کی کلیوں کا وزن تیرہ رطل تھا تو صالحین کی ایک جماعت تو ایسے موٹے چھوٹے لباس میں ہوتی ہے ایک جماعت گدڑی اور لباس فقراء کے بجائے مکلف کپڑے پہنتی ہے اور اس میں ان کی نیت یا تو اخفاء حال ہوتا ہے یا اس کا خوف ہوتا ہے کہ (ہم سے) گدڑی کے حقوق واجبہ ادا نہ ہوں گے۔

اور اس کے اندر مراتب کے تفاوت کی شرح طویل ہے اور شیخ ابو المسعو د رحمۃ اللہ علیہ کا حال اللہ تعالیٰ کے ساتھ ترک اختیار تھا آپ کے پاس نازک کپڑے لائے جاتے (پس آپ ان کو قبول کر لیتے) اور پہن لیتے اور آپ سے کہا جاتا کہ اکثر اوقات ان کپڑوں کے پہننے کی وجہ سے بعض لوگوں کے دلوں میں آپ پر اعتراض

آتے میں پس آپ فرماتے کہ ہماری ملاقات صرف دو ہی قسم کے شخصوں میں سے کسی شخص سے ہوتی ہے ایک تو وہ شخص جو ہم سے شرع کے ظاہری حکم کا مطالبہ کرتا ہے پس اس کو تو ہم یہ جواب دیتے ہیں کہ شرع کی رُو سے ہمارے یہ کپڑے مکروہ ہیں یا حرام ہیں پس اسے کہنا پڑتا ہے کہ نہیں اور ایک وہ شخص جو ہم سے اہل عزیمت کی جماعت کے حقائق کا مطالبہ کرتا ہے پس اس کو ہم یہ جواب دیدیتے ہیں کہ کیا تم اس لباس کے پہننے میں ہمارا کچھ اختیار دیکھتے ہو (کہ ہم نے اسے خود حاصل کیا ہو) یا ہمارے اندر اس کی خواہش پاتے ہو پس وہ کہتا ہے کہ نہیں (سو اس طرح وہ بھی لاجواب ہوجاتا ہے پس اعتراض کی کوئی گنجائش نہیں رہی) اور بعض اہل اللہ ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو نرم و نازک کپڑے کا بھی مقدور ہوتا ہے اور موٹے جھوٹے کا بھی ولیکن وہ (اپنی رائے سے کسی وضع کو اختیار کرنا پسند نہیں کرتے بلکہ یہ) چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی خود ان کے لئے کوئی خاص وضع تجویز کردیں پس وہ کثرت سے اللہ تعالیٰ کی طرف التجا اور عاجزی کرتے ہیں اور ان سے دعاء کرتے ہیں کہ جو وضع آپ کو زیادہ پسند ہو اور ہمارے دین اور دنیا کے لئے زیادہ مصلحت ہو وہ ہمیں دکھلا دیجئے کیونکہ انہیں کسی خاص لباس کی طلب اور خواہش نہیں ہوتی (اس واسطے وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ جو وضع خدا تعالیٰ کو پسند ہے وہ معلوم ہوجائے) پس اللہ تعالیٰ ان پر اس کو مکشوف کردیتے ہیں اور ایک خاص وضع ان کو بتلا دیتے ہیں پس وہ اس وضع کو لازم کرلیتے ہیں پس ان کا لباس باللہ (یعنی اللہ تعالیٰ کی تجویز سے) ہوتا ہے اور یہ اس سے اتم اور اکمل ہے جس کا لباس للہ ہو (یعنی اپنے اجتہاد سے کسی لباس کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی کے لئے یعنی اچھی نیت سے پہنا ہو) اور بعضے آدمی ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو علم میں کامل حصہ ہوتا ہے اور جو کچھ خدا تعالیٰ ان پر وسعت کرتے ہیں وہ اس وسعت کے موافق بسر کرتے ہیں پس وہ لباس علم ویقین سے پہنتے ہیں اور خواہ کیسا ہی لباس پہنیں وہ اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے نرم و نازک ہو یا موٹا جھوٹا ہو اور بعض اوقات وہ لطیف

کپڑا پہنتے ہیں اور اس میں ان کے نفس کو اختیار اور حظ بھی ہوتا ہے اور اس کے اندر جو ان کو حظ ہوتا ہے وہ ان کے تابع (فی الاصل مکفر اله قال القاموس والتکفیر فی المعاصی کالاحباط فی الثواب وان یخضع الانسان لغیره وتتویج الملک بتاج اذاراى کفرله ۱۲) ہوتا ہے (ان پر غالب نہیں ہوتا جیسا کہ ابوالحال کی حالت ہوتی ہے) انہیں (بعد فنا (ابتداء میں غلبہ حال کی وجہ سے حظوظ نفسانی فنا ہوجاتے ہیں اور منتہی ہونے کے بعد وہ غلبہ نہیں رہتا اس لئے حظوظ پھر عود کرآتے ہیں ۱۲) ہونے کے) از سرِ نو دیا ہوا اور عطا کیا ہوا ہوتا ہے خدا تعالیٰ ان کے نفس کے ارادہ میں ان کی موافقت فرماتے ہیں اور یہ حضرات طہارت (اخلاق) میں کامل اور محبوب اور مراد ہوتے ہیں کہ خدا تعالیٰ ان کی مرادیں اور خواہشیں بہت جلد پوری کر دیتے ہیں لیکن اس جگہ اکثر مدعیوں کو لغزش (یعنی وہ اپنے کو تام التزکیہ سمجھ کر حظوظ حاصل کرنے لگتے ہیں جس سے ان کو ضرر پہنچتا ہے ۱۲) ہوجاتی ہے یحییٰ بن معاذ رازی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت ہے کہ وہ پہلے ابتدائی حالت میں پرانے اور بالوں کے بنے ہوئے کپڑے پہنا کرتے تھے پھر آخر عمر میں لطیف کپڑے پہننے لگے یہ حال بایزید سے ذکر کیا گیا تو انہوں نے کہا جب مسکین یحییٰ موٹے جھوٹے کپڑوں (کی مضرتوں) پر صبر نہ کرسکا تو نرم و نازک کپڑوں (کی مضرتوں) پر کیسے صبر کرے گا اور بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو لباس ان کے پاس آنے والا ہوتا ہے انہیں پہلے سے اس کا علم ہوجاتا ہے پس (جب وہ لباس ان کے پاس آتا ہے تو) وہ اس کو پہن لیتے ہیں۔ اور وہ اس میں محمود ہوتے ہیں (اس کی وجہ سے ان پر کوئی ملامت نہیں ہوتی) اور صادقین کے احوال گو مختلف قسم کے ہیں مگر سب مستحسن ہیں قل کل یعمل علی شاکلته فربکم اعلم بمن هو اهدیٰ سبیلا (یعنی آپ فرمادیجئے کہ ہر شخص اپنے طریقہ پر کام کر رہا ہے سو تمہارا رب خوب جانتا ہے جو زیادہ ٹھیک راستہ پر ہے اور (گو یہ تمام احوال مستحسن ہیں لیکن) موٹے جھوٹے کپڑوں کا پہننا بندہ کے لئے زیادہ

پسندیدہ اور بہتر ہے اور (مضرتوں سے) خالی اور آفات سے دور ہے مسلمہ بن عبدالملک نے کہا ہے کہ میں عمر بن عبدالعزیز کی بیماری میں عیادت کرنے کے لئے ان کے پاس گیا پس میں نے دیکھا کہ ان کا کرتہ میلا ہو رہا ہے میں نے ان کی زوجہ فاطمہ سے کہا کہ امیر المومنین کے کپڑے دھو دینا اس نے کہا کہ ان شاء اللہ ایسا ہی کریں گے کہا پھر (جب) دوبارہ عیادت کرنے گیا تو دیکھا کُرتا ویسا ہی (میلا) ہے پس میں نے کہا کہ اے فاطمہ کیا میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ اسے دھو دینا اس نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! اس کے سوا ان کے پاس کوئی اور کُرتا نہیں اور سالم نے کہا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ قبل اس کے کہ ان کو خلافت سپرد کی جائے آدمیوں میں سب سے زیادہ نرم و نازک کپڑے پہننے والے تھے پس جب کہ ان کو خلافت سپرد کی گئی تو گھٹنوں کے درمیان سر دے کر روئے پھر انہوں نے پُرانے کپڑے منگائے اور انہیں پہنا منقول ہے کہ جب ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انتقال کیا تو ان کے کپڑے میں چالیس پیوند پائے حالانکہ آپ کی تنخواہ چار ہزار (درہم) تھی اور زید بن وہب نے کہا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک قمیص (ملک رے کا بنا ہوا ۱۲) رازی پہنا اور وہ ایسا تھا کہ جب اس کی آستین کھینچی جاتی تو انگلیوں کے سرے تک پہنچتی پس خارجیوں نے (آستینوں کے لمبے نہ ہونے کی وجہ سے) آپ پر اعتراض کیا آپ نے فرمایا کیا تم ایسے لباس کی وجہ سے مجھ پر اعتراض کرتے ہو۔ جو تکبر سے بہت دور ہے اور اس لائق ہے کہ مسلمان (اس میں) میری اقتداء کریں اور منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب کسی (آدمی کے بدن) پر باریک کپڑے دیکھتے تو دُرّہ لے کر اس پر چڑھ جاتے اور فرماتے یہ باریک کپڑے عورتوں کے لئے رہنے دو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اپنے قلوب کو بالوں کے لباس سے نورانی کرو وہ دنیا میں ذلت ہے اور آخرت میں نور ہے اور کہیں ایسا نہ کرنا کہ تم اپنے دین کو لوگوں کی تعریفوں سے خراب کر ڈالو اور روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جوتا پہنا پھر جب آپ نے اس کی طرف نظر کی تو آپ کو اچھا معلوم ہوا پس آپ نے اللہ تعالیٰ کے لئے سجدہ کیا آپ سے اس کے متعلق پوچھا گیا آپ نے فرمایا کہ مجھے اس کا خوف ہوا کہ کہیں میرا رب مجھ سے خفا نہ ہو جائے اس لئے میں نے ان کے سامنے عاجزی کی (پس) ضرور ہے کہ یہ رات کو میرے گھر نہ رہے کیونکہ اس کی وجہ سے مجھ کو خدا تعالیٰ کی خفگی کا اندیشہ ہوا پس آپ نے اس کو اُتار ڈالا اور جو مسکین آپ کو اول ملا اس کو دے دیا پھر آپ نے حکم دیا (تاکہ اور جوتا خریدا جائے) پس آپ کے لئے (پرانا) گٹھا ہوا جوتا خریدا گیا اور روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اکثر اوقات) بالوں کا بنا ہوا کپڑا اور گٹھا ہوا جوتا پہنا ہے اور غلاموں کے ساتھ کھانا کھایا ہے اور جبکہ نفس محل آفات ٹھہرا پس اس کے پوشیدہ حیلوں اور مخفی شہوتوں اور چھپی ہوئی خواہشوں پر اطلاع پانا نہایت دشوار ہوا پس لائق اور سزاوار اور اولیٰ یہ ہے کہ جس میں احتیاط ہو اس کو اختیار کرے اور تردد کی شق کو چھوڑ کر اس شق کی طرف مائل ہو جس میں کچھ تردد نہ ہو اور بندہ کے لئے یہ جائز نہیں ہے کہ گنجائش میں داخل ہو مگر جبکہ گنجائش کا پورا علم ہو اور نفس کی طہارت کامل ہو۔

اور یہ اس وقت ہوتا ہے جبکہ نفس اپنی اس خواہش کے فناء کے ساتھ جس کا وہ اتباع کرتا تھا فانی (اور مضمحل) ہو جائے اور نیت خالص ہو جائے اور علم صریح واضح کے ساتھ تصرف اس کا موقع سے ہونے لگے اور عزیمت کی اختیار کرنے والی ایسی جماعتیں ہیں کہ وہ عزیمت پر قائم رہتی ہیں اور (ہر بات میں) اس کی رعایت کرتی ہیں اور رخصتوں کی طرف نزول کرنے کو پسند نہیں کرتیں اس خوف سے کہ دنیا کے اندر زہد کرنے کی فضیلت فوت نہ ہو جائے اور نازک کپڑا ابھی دنیا کی چیزوں سے ہے (اس لئے وہ نازک کپڑے بھی نہیں پہنتے) اور البتہ کہا گیا ہے کہ جس شخص کا کپڑا باریک ہے اس کا دین بھی باریک ہے اور کبھی نرم و نازک کپڑے پہننے کی ایسے شخص کو رخصت دے دی جاتی ہے جو زہد کا پابند نہ ہو اور شرع

کی رُخصت پر ٹھہر جاتا ہو علقمہ نے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ جنت میں وہ شخص داخل نہ ہوگا جس کے دل میں ایک ذرّہ کے برابر تکبر ہوگا۔ پس ایک شخص نے عرض کیا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کے کپڑے اچھے ہوں اور اس کا جوتا اچھا ہو (پس کیا یہ بھی تکبر ہے) پس نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ البتہ اللہ تعالیٰ جمیل ہیں اور جمال کو دوست رکھتے ہیں پس یہ رخصت اس شخص کے حق میں ہوگی جو اس کو اس طرح پہنے کہ نہ تو اس کے نفس کو اس کے اندر خواہش ہو اور نہ اس کے ساتھ فخر اور غرور کرتا ہو لیکن جو (عمدہ) کپڑے اس لئے پہنے تا کہ (سامان) دنیا کے ساتھ شیخی اور فخر کرے پس اس کے حق میں تو وعید آئی ہے (لہٰذا اس کے لئے یہ رخصت نہیں ہوسکتی) ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی ازار آدھی پنڈلی تک ہے اس کے اور ٹخنوں کے درمیان اور جو ٹخنوں سے نیچے ہو پس وہ دوزخ میں ہے جو شخص اترانے کے لئے اپنی ازار (ٹخنوں سے نیچی رکھے گا اور اسے) گھسیٹ کر چلے گا خدا تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف توجہ نہ کریں گے تم سے پہلی اُمتوں میں کا ایک شخص اپنی چادر میں اتراتا ہوا جارہا تھا جبکہ اس کی چادر اس کو اچھی معلوم ہورہی تھی وہ اسی حالت میں تھا کہ خدا تعالیٰ نے اس کو زمین میں دھنسا دیا۔

پس وہ اس میں قیامت کے دن تک حرکت کرتا چلے جائے گا۔ اور احوال (لوگوں کے) مختلف ہوتے ہیں اور جس شخص کا کہ علم کے ساتھ حال صحیح ہوتا ہے (اس کی نیت کھانے اور لباس اور تمام کاروبار میں صحیح ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ باطن کے مستقیم ہونے کی وجہ سے تمام احوال میں وہ مستقیم اور راہ راست پر رہتا ہے اور جیسی کہ باطن میں استقامت ہوتی ہے خدا تعالیٰ کی حسن توفیق سے اس کے موافق بندہ کے تمام تصرفات بھی مستقیم ہوجاتے ہیں۔

پینتالیسواں باب

قیام لیل کی فضیلت کے ذکر میں

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اذیغشیکم النعاس امنة منه وینزل علیکم من السماء ماء لیطهرکم به ویذهب عنکم رجز الشیطان (ترجمہ اس وقت کو یاد کرو جبکہ اللہ تعالیٰ تم پر اونگھ کو طاری کر رہا تھا اپنی طرف سے چین دینے کے لئے اور تم پر آسمانوں سے پانی برسا رہا تھا تاکہ اس پانی کے ذریعہ سے تم کو پاک کر دے اور تم سے شیطانی وسوسہ کو دفع کر دے) یہ آیت جنگ بدر کے دن مسلمانوں کے بارہ میں نازل ہوئی تھی جبکہ وہ ایک ریت کے ٹیلہ پر (جاکر) اُترے تھے جس میں (آدمیوں کے) قدم اور گھوڑوں کے سم دھنسے جاتے تھے اور مشرکین بدر عظمیٰ کے پانی پر ان سے پہلے پہنچ گئے تھے اور اس پر (قبضہ کرنے میں) مسلمانوں سے غالب ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی صبح اس حال میں ہوئی کہ کسی کو وضوء کی حاجت تھی اور کسی کو غسل کی اور (پھر) پیاس کا بھی تقاضا ہوا پس شیطان نے ان کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کہ تم گمان کرتے ہو کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارے اندر اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں حالانکہ پانی پر مشرکین غالب ہو گئے ہیں اور تم (کو وضو اور غسل کے لئے بھی پانی نہیں ملتا حتیٰ کہ) بے وضو اور بے غسل ہی نماز پڑھ رہے ہو پس تم ان پر فتح پانے کی امید کیسے رکھتے ہو پس اللہ تعالیٰ نے آسمان سے ایسی بارش فرمائی کہ نالے بہنے لگے پس مسلمانوں نے اس سے پانی پیا اور نہائے اور وضو کیا اور گھوڑوں کو پانی پلایا مشکیں بھر لیں اور (بارش سے) زمین (کا ریتا) جم گیا یہاں تک کہ قدم اس پر ٹھہرنے لگے۔ (چنانچہ) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ویثبت به الا قدام اذیوحی ربک الی الملئکة انی معکم

(ترجمہ: اور تا کہ بذریعہ اس بارش کے تمہارے قدموں کو ٹھہرائے جبکہ تمہارا رب فرشتوں کی طرف یہ حکم بھیج رہا تھا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں) سو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے ان کی مدد کی حتیٰ کہ وہ مشرکین پر غالب ہوگئے (سو اس آیت کا شانِ نزول تو یہ ہے مگر) قرآن کی ہر آیت کا ایک ظہر ہے اور ایک بطن ہے اور حد اور مطلع ہے پس جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے اس واقعہ کے اندر اونگھ کو صحابہ کے لئے خاص کر رحمت اور اطمینان کر دیا تھا۔ اسی طرح یہ تمام مؤمنین کے حق میں بھی رحمت ہے اور اونگھ ایک عمدہ قسم ہے ان رحمتوں میں سے جو طالبین کو دنیا میں حاصل ہوتی ہیں اور وہ ان کے قلوب کے لئے ایک امن ہے نفس کے منازعات سے اس واسطے کہ سونے سے نفس کو راحت مل جاتی ہے پھر وہ تعب اور تھکن کی شکایت نہیں کرتا (پس نفس کی استراحت سے قلب کو بھی امن ہوتی ہے) کیونکہ نفس کی شکایت اور تعب سے قلب کو کدورت ہوتی ہے اور سونے کے ساتھ اس کی رعایت کرنے سے بشرطیکہ علم اور اعتدال ہو قلب کو راحت ہوتی ہے اس واسطے کہ جب نفس کو اطمینان ہوتا ہے تو اس وقت (عبادت کے اندر) طالبین سالکین کے لئے نفس اور قلب دونوں متفق ہو جاتے ہیں پس (چونکہ مناسب انداز کے ساتھ سونا قلب کے لئے راحت ہے اس لئے) کہا گیا ہے کہ رات اور دن (کے اوقات) کا تہائی حصہ سونے کے لئے رکھنا چاہئے تا کہ بدن مضطرب نہ ہو پس سونے کے لئے آٹھ گھنٹے ہوئے طالب کو چاہئے کہ ان میں سے دو گھنٹہ تو دن میں مقرر کر لے اور چھ گھنٹہ رات میں (مگر یہ تعیین ہر موسم کے لئے نہیں ہے بلکہ) جیسے کہ سردیوں اور گرمیوں میں رات کے اندر کمی بیشی ہو، اسی کے موافق ایک میں سے کم کر کے دوسرے میں زائد کر دے (جب رات بڑی ہو تو اس میں سونے کا وقت چھ گھنٹہ سے زیادہ کر دے اور دن میں دو گھنٹہ سے اسی قدر کم کر دے اسی طرح جب رات چھوٹی ہو تو چھ گھنٹہ سے کم کر دے اور دن میں اسی قدر زیادہ کر دے) اور کبھی حسن ارادہ اور صدق طلب کی وجہ سے ایسا ہوتا ہے کہ سونے کا وقت

(رات اور دن کے) ثلث سے کم کر دیا جاتا ہے اور کچھ مضر نہیں ہوتا اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جبکہ رفتہ رفتہ اس کی عادت ہو جائے اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ (عبادت کے اندر) اُنس اور راحت کا ہونا بیداری کی گرانی اور نیند کی قلت کی برداشت کر لیتا ہے (اول تو) اس واسطے کہ نیند کی طبیعت (چونکہ) بارد رطب ہے (اس لئے) بدن اور دماغ کو نفع دیتی ہے اور جو حرارت اور خشکی بدن میں پیدا ہوتی ہے اس کو تسکین بخشتی ہے پس اگر (رات دن کے) ثلث سے کم کر دی جاتی ہے تو دماغ کو مضر ہوتی ہے اور اس سے جسم کے مضطرب ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے پس جبکہ قلب کی راحت اور انس اس کے قائم مقام ہو جاتی ہے تو اس کی کمی مضر نہیں ہوتی اس واسطے کہ جیسے نیند کی طبیعت بارد رطب ہے ایسے ہی راحت اور انس کی بھی طبیعت بارد رطب ہے اور (دوسرے اس لئے کہ) راحت اور انس کی وجہ سے رات کی درازی کم ہو جاتی ہے پس راحت کی وجہ سے لمبی رات کی مدت چھوٹی رات کی مثل ہو جاتی ہے جیسے کہ مشہور ہے کہ وصل (اصل العبادة **هكذا سنة الوصل سنة وسنت الهجر سنة** اس کے یہی معنی ہم کو عمدہ معلوم ہوئے اگر کسی صاحب کو اس سے عمدہ معنی معلوم ہوں وہ اس کے ساتھ لاحق کر دیں ۱۲) کا سال ایک اونگھ ہے اور ہجر کی اونگھ ایک سال ہے۔

علی بن بکار سے منقول ہے کہ چالیس برس سے مجھے کوئی بات ایسی پیش نہیں آئی جو مجھ کو رنجیدہ کرے بجز اس کے کہ (ابھی رات سے سیری نہیں ہونے پاتی ہے کہ جلدی سے) صبح نمودار ہو جاتی ہے اور بعض صوفیہ سے کہا گیا کہ رات کے ساتھ تمہارا کیا ماجرا ہے فرمایا کہ میں رات کو کبھی اچھی طرح نہیں دیکھنے پایا بس اتنا ہوتا ہے کہ وہ اپنی صورت دکھلاتی ہے اور (فوراً) لوٹ جاتی ہے حالانکہ ابھی میں نے اس کو نگاہ بھر کے بھی نہیں دیکھا ہوتا ہے اور ابو سلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ جتنا مزہ کھیل کود کے شوقینوں کو اپنے کھیل تماشہ میں آتا ہے شب بیداروں کو اپنی رات میں اس سے زیادہ مزہ آتا ہے اور صوفیہ نے کہا ہے کہ دنیا میں کوئی لذت ایسی نہیں ہے جو

اہل جنت کی لذت کے مشابہ ہو بجز مناجات کی حلاوت کے جس کو اہل نیاز شب میں اپنے قلوب کے اندر پاتے ہیں پس مناجات کی حلاوت شب بیداروں کے لئے ایک قسم کا انعام ہے جو دنیا ہی کے اندر ان کو مل جاتا ہے اور بعض عارفین نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ آخر شب میں جاگنے والوں کے دلوں پر نظر کرتے ہیں پس ان کو نور سے بھر دیتے ہیں پس ان کے قلوب پر فیوض نازل ہوتے ہیں پس وہ منور ہو جاتے ہیں پھر وہ فیوض ان کے قلوب سے غافلین کے قلوب کی طرف پھیلتے ہیں اور البتہ حدیث میں وارد ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کی طرف جن باتوں کی وحی کی تھی ان میں اس بات کی بھی وحی کی تھی کہ میرے کچھ ایسے بندے ہیں جو مجھ کو دوست رکھتے ہیں اور میں ان کو دوست رکھتا ہوں اور وہ میرے مشتاق ہیں اور میں ان کا مشتاق ہوں اور وہ مجھے یاد کرتے ہیں اور میں ان کو یاد کرتا ہوں اور وہ میری طرف نظر کرتے ہیں اور میں ان کی طرف نظر کرتا ہوں پس اگر تم ان کے طریقہ پر چلو گے تو میرے محبوب ہو گے اور اگر اس سے ہٹو گے تو میرے مبغوض ہو گے انہوں نے عرض کیا کہ اے رب ان کی علامت کیا ہے فرمایا کہ وہ دن میں سایہ کی ایسی دیکھ بھال (کیونکہ اکثر نماز کے وقت سایہ ہی سے معلوم ہوتا ہے ۱۲) کرتے ہیں جیسے کہ چرواہا اپنی بکریوں کی دیکھ بھال کرتا ہے اور وہ آفتاب کے غروب کے ایسے مشتاق ہوتے ہیں جیسے کہ پرندا اپنے آشیانے کے مشتاق ہوتے ہیں پس جبکہ رات ان پر چھا جاتی ہے اور خوب تاریکی ہو جاتی ہے اور ہر محب اپنے محبوب کے ساتھ تخلیہ کرتا ہے تو وہ میرے لئے اپنے قدموں کو نصب کر دیتے ہیں اور اپنے چہروں کو میرے سامنے زمین پر رکھ دیتے ہیں اور میرے کلام کے ساتھ مجھ سے مناجات کرتے ہیں اور میرے انعام کی وجہ سے مجھ سے نیاز کرتے ہیں پس بعض تو روتے چلاتے ہیں اور بعضے آہیں کھینچتے ہیں اور فریاد کرتے ہیں اور میری نظر میں ہے جو وہ میری وجہ سے برداشت کرتے ہیں اور میری سماعت میں جو وہ میری محبت کی وجہ سے فریاد کرتے ہیں اول شی جو میں ان کو عطا کرتا ہوں یہ ہے کہ اپنا

نور ان کے قلوب میں ڈالتا ہوں پس وہ میرے اسرار (عبارۃ الاصل ھکذا فیجزون عنی کما اخبر عنھم ہم اس کو متعدی سمجھیں ہیں ۱۲) بتلاتے ہیں جیسے میں ان کے اسرار بتلاتا ہوں اور دوسری (عطاء) یہ ہے کہ اگر ساتوں آسمان اور ساتوں زمینیں اور جو کچھ کہ ان کے اندر ہے سب کے سب ان کے میزان (عمل) میں (ہوں جزاء کے لئے) تب بھی میں ان سب کو ان کے لئے کم سمجھوں اور تیسری (عطاء) یہ ہے کہ پس اپنے رخ کو ان کی طرف متوجہ کرتا ہوں۔

پس اب تم خیال کرلو کہ جس کیطرف میں اپنے رخ کو متوجہ کرلوں کیا کوئی جان سکتا ہے کہ میں اس کو کیا دینا چاہتا ہوں پس طالب صادق جبکہ اپنی رات میں اپنے رب کی مناجات کے ساتھ تخلیہ کرتا ہے تو اس کی رات کے انوار اس کے دن کے اجزاء پر پھیل جاتے ہیں اور اس کا دن اس کی رات کی حمایت میں آجاتا ہے اور یہ اس لئے کہ اس کا قلب (رات میں) انوار سے بھر جاتا ہے پس اس کے تمام حرکات اور تصرفات دن میں ان انوار کے منبع سے صادر ہوتے ہیں جو کہ رات کے اندر (اس کے قلب میں) جمع ہو جاتے ہیں پس اس کا قالب خدائی قبوں سے ایک قبہ میں ہو جاتا ہے اور اس کے تمام حرکات درست ہوتے ہیں اور تمام سکنات کامل ہوتے ہیں اور البتہ حدیث (اس حدیث میں کلام ہے صواب یہ ہے کہ یہ ایک محدث کا قول ہے سامع کی غلطی سے حدیث سمجھی گئی ۱۲) میں وارد ہوا ہے کہ من صلی باللیل حسن وجھہ بالنھار جو رات میں نمازیں پڑھتا ہے اس کا چہرہ دن میں خوشنما نورانی ہو جاتا ہے ممکن ہے کہ حضور کے اس ارشاد کے دو معنی ہوں ایک تو یہ کہ (وجہ سے مراد چہرہ ہو پس مطلب حدیث کا یہ ہوگا کہ جو شخص رات میں نمازیں پڑھتا ہے اس کا چہرہ دن میں خوشنما ہو جاتا ہے جس کی لم یہ ہے کہ) چراغ سے طاق روشن ہو جاتا ہے پس جبکہ یقین کا چراغ روغن عمل کی کثرت سے جو کہ شب میں (طاعات کے اثر سے) حاصل ہوا ہے قلب میں چمکنے لگتا ہے تو چراغ کی روشنی اور زیادہ ہو جاتی ہے اور قالب کا طاق بھی

(اُس سے) نور اور روشنی حاصل کر لیتا ہے سہل بن عبداللہ فرمایا کرتے تھے کہ یقین آگ ہے اور اقرار بتی ہے اور عمل تیل ہے اور البتہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

سیماهم فی وجوههم من اثر السجود یعنی ان کے آثار (انوار کے) بوجہ تاثیر سجدہ کے ان کے چہروں پر نمایاں ہیں اور (دوسری جگہ) فرمایا ہے **مثل نورہ کمشکاۃ فیها مصباح** یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی حالت عجیبہ مثل اس طاق (کی حالت) کے ہے جس کے اندر چراغ ہو پس اللہ تعالیٰ کے نور سے جو نور یقین قلب کی قندیل میں ہے وہ عمل کے تیل سے اور زیادہ روشن ہو جاتا ہے پس قلب کی قندیل چمکدار ستارہ کی مثل ہو جاتی ہے اور قندیل کے انوار کا عکس قالب کے طاق پر پڑتا ہے (جس سے وہ خود بھی روشن ہو جاتا ہے) اور نیز قلب نور کی آنچ سے نرم ہو جاتا ہے اور اس کی نرمی قالب کی طرف سرایت کرتی ہے۔

پس قلب کی نرمی سے قالب بھی نرم ہو جاتا ہے پس اس نرمی کی وجہ سے جو دونوں کو شامل ہو گئی ہے دونوں ایک دوسرے کے مشابہ ہو جاتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں **ثم تلین جلودهم وقلوبهم الی ذکر الله** یعنی پھر ان کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو جیسے کہ قلوب کو نرمی کے ساتھ موصوف کیا اسی طرح بدن کو بھی نرمی کے ساتھ موصوف کیا پس جبکہ قلب نور سے بھر جاتا ہے اور قالب بوجہ اس کے کہ انس اور سرور اس کی طرف سرایت کرتا ہے نرم ہو جاتا ہے تو زمان اور مکان نور قلب میں داخل ہو جاتے ہیں اور اسی نور میں کلام اور آیتیں اور سورتیں بھی داخل ہو جاتی ہیں اور قالب کی زمین رب کے نور سے روشن ہو جاتی ہے اس واسطے کہ قلب آسمان ہو جاتا ہے اور قالب زمین ہو جاتا ہے اور کلام اللہ کی تلاوت کی لذت مناجات کے وقت تمام کائنات کے وجود کو (اس کی نظر سے) چھپا دیتی ہے اور کلام مجید اپنے وجود سے صفا شہود کی مزاحمت کے بارہ میں تمام اشیاء موجودہ کا مقاوم (یعنی ماسوی اللہ کا وجود جو کہ صفاء شہود میں مزاحم ہو رہا تھا قرآن شریف کے وجود کے

سامنے فنا ہوجاتا ہے پس صفاء شہود میسر ہوجاتی ہے ۱۲) ہوجاتا ہے۔

پس اس وقت نہ حدیث نفس رہتی ہے اور نہ کسی وسوسہ کی آہٹ سنی جاتی ہے اور قرآن کی تلاوت شروع سے اخیر تک......کی ایسی ہی حالت میں متصور ہوسکتی ہے اور یہ (خدا تعالیٰ کا) فضل عظیم ہے اور دوسرے معنی اس حدیث کے کہ من صلے باللیل حسن وجھه بالنھار یہ ہیں (کہ وجہ سے مراد جہت ہو نہ چہرہ پس مطلب یہ ہوگا) کہ جن امور کی طرف یہ متوجہ ہوتا ہے اس کی جہات (اور کیفیات) خوشنما اور شائستہ ہوجاتی ہیں اور تمام تصرفات میں خدا کریم کی جانب سے اس کو مدد پہنچتی رہتی ہے اور ہر کام کی انتہا اور ابتداء میں اس کی اعانت کی جاتی ہے پس اس کے مقاصد اور افعال کے جہات (اور کیفیات) شائستہ اور خوشنما ہوجاتے ہیں اور اس کے اقوال درست ہوکر راستی کی لڑی میں داخل ہوجاتے ہیں اس واسطے کہ جب قلب درست ہوتا ہے تو اس کی درستی سے اقوال بھی درست ہوجاتے ہیں۔

چھیالیسواں باب

آداب نوم اوران اسباب کے ذکر میں جو قیام شب میں معین ہیں

ان میں سے ایک یہ ہے کہ بندہ غروب آفتاب کے نزدیک تجدید وضو کر کے شب کے لئے آمادگی کرے اور قبلہ رو ہو کر نماز مغرب اور شب کے آنے کا منتظر بیٹھے بایں طور کہ اس حالت میں اقسام ذکر میں مشغول ہو اور ان میں سے اولیٰ تسبیح اور استغفار ہے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ارشاد فرماتے ہیں **واستغفر لذنبک وسبح بحمد ربک بالعشی والا بکار** یعنی اپنے گناہوں کے لئے استغفار کیجئے اور شام اور صبح اپنے رب کی تعریف کے ساتھ تسبیح کیجئے اور انہیں اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ نماز یا تلاوت یا ذکر کے ساتھ مغرب وعشا کو باہم ملا دے اور وہ ان سب میں افضل نماز ہے اس واسطے کہ جب مغرب کو عشاء سے ملا دے گا تو اس کے باطن سے اس کدورت کے آثار ڈھل جائیں گے جو دن کے اوقات میں مخلوق کے دیکھنے اور ان کے کلام کے سننے اور ان کے میل جول سے پیدا ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن کا قلوب میں بہت اثر اور خراش ہوتا ہے حتیٰ کہ ان کی طرف دیکھنا بھی فوراً قلب میں کدورت پیدا کر دیتا ہے جس کو صفاء قلب نصیب ہوتی ہے وہ اس کدورت کا ادراک کرتا ہے پس مخلوق کی طرف نظر کرنے کا اثر بصیرت کے لئے ایسا ہوتا ہے جیسا کہ آنکھ میں تنکا پڑ جانے کا اثر قوت بصر کے لئے اور مغرب وعشاء کے باہم ملا دینے سے اس اثر کے جاتے رہنے کی امید ہے اور انہیں اسباب میں سے

ایک یہ ہے کہ عشاء کے بعد بات چیت نہ کیا کرے اس واسطے کہ اس وقت بات کرنا اس نور کی رونق کو زائل کر دیتا ہے جو مغرب و عشاء کے ملانے سے قلب میں پیدا ہوتا ہے اور قیام شب سے روکتا ہے خاص کر جبکہ یہ شخص قلب کی بیداری سے معرا ہو پھر (یہ بات بھی ہے کہ) عشاء کے بعد تازہ وضو کرنا بھی قیام شب پر اعانت کرتا ہے بعض فقرا نے اپنے شیخ کا جو خراسان میں تھے مجھ سے ذکر کیا کہ وہ رات میں تین بار غسل کیا کرتے تھے ایک بار عشاء کے بعد اور ایکبار درمیان رات کے جبکہ سونے سے جاگتے اور ایک بار صبح کے قبل پس عشاء کے بعد وضو اور غسل کرنے کا قیام شب کی سہولت میں بین اثر ہے اور انہیں اسباب میں سے ایک یہ ہے کہ (ہمیشہ سونے سے قبل) نیند غالب ہو جانے تک ذکر یا ادائے نماز کی عادت کر لے اس واسطے کہ اس کا عادی ہونا۔ جلد بیدار ہونے کا معین و مددگار ہوتا ہے۔

ہاں جبکہ اپنے نفس اور عادت پر اس کو پورا بھروسہ ہو تو وہ بہ تکلف سونے کا اہتمام کرے اور نیند کے لانے کی کوشش کرے تاکہ وقت مقررہ پر اٹھ کھڑا ہو ورنہ (اگر اپنے نفس پر اٹھنے کا بھروسہ نہ ہو تو بہ تکلف نہ سوئے کیونکہ) نیند غالب ہونے کے بعد ہی سونا مریدین اور طالبین کے لئے مناسب ہے اور یہی محبین کی صفت بیان کی گئی ہے (چنانچہ) کہا گیا ہے کہ نیند ان کی ڈوبنے والوں کی سی نیند ہے اور کھانا ان کا بیماروں کا سا کھانا ہے اور کلام ان کا ضرورت سے ہوتا ہے پس جو شخص نیند سے مغلوب ہو کر سوئے گا اور اس کو قیام لیل کی ہمہ تن فکر لگی ہوگی اس کو قیام لیل کی (ضرور) توفیق ہوگی باقی جب نفس کو نیند کی طمع دلائی جائے گی اور نیند پر اس کو برقرار دیا جائے گا تو وہ اس میں خوب آزاد ہو جائے گا اور جب اس کو صدق عزیمت کے ساتھ جنبش دی جائے گی تو استغراق فی النوم میں اس کو آزادی نہ ہوگی اور یہ جو نفس میں صدق عزیمت کے ساتھ جنبش ہوتی ہے یہی وہ تجافی ہے جس کی نسبت حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ان کی کروٹیں خوابگاہوں سے علیحدہ ہوتی ہیں کیونکہ قیام لیل کی فکر

اور صدق عزیمت پہلو اور خوابگاہ کے درمیان میں دوری اور علیحدگی کر دیتی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ نفس کی دو طرف نظر ہوتی ہے ایک نظر اسفل کی طرف ہے حظوظ بدنیہ کے پورا کرنے کے لئے اور ایک نظر اعلیٰ کی طرف حظوظ روحانیہ کے پورا کرنے کے لئے سو اہل عزیمت کے پہلو جو خوابگاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں تو وجہ یہ ہے کہ ان کی نظر اعلیٰ کی طرف یعنی حظوظ علویہ رحمانیہ کی طرف رہتی ہے سو انہوں نے نفوس کو نوم میں جو اس کا حق تھا وہ تو دیا اور اس میں جو اس کا حظ تھا وہ نہیں دیا پس نفس بوجہ اس ترابیت و جمادیت کے جو کہ اس میں مرکوز ہے اسفل کی طرف مائل ہوتا ہے اور کپڑے کی تہہ ہو کر پڑ جاتا ہے اور نیند کو لذیذ سمجھتا ہے (چنانچہ) حق تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ ایسا ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے اور آدمی کے لئے اس کے اصول خلقت میں سے ہر اصل کے اعتبار سے ایک خاص طبیعت ہے جو اس کے لئے لازم ہے اور اسفل کی طرف مائل ہونا یہ صفت تراب کی ہے اور اس کے سبب کی وجہ کسل اور تقاعد اور نیند کا اہتمام انسان میں ایک امر طبعی ہے پس اہل ہمت وہ اہل علم ہیں جن کے لئے اللہ تعالیٰ نے علم کے ساتھ اس قول میں حکم فرمایا ہے کیا ایسا شخص جو ساعات لیل میں سجدہ کرتا ہوا اور قیام کرتا ہوا فروتنی اختیار کرتا ہے۔

یہاں تک کہ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ آپ فرما دیجئے کیا علم والے اور بے علم والے برابر ہیں تو انہوں نے اپنے علم کے مقام سے نفوس کو جنبش ان کی قرارگاہ طبیعت سے دی ہے اور لذات روحانی کی طرف نظر کرنے کے سبب ان کو ترقی ان کی حقیقت کی بلندیوں تک دی ہے اس واسطے ان لوگوں کی پسلیاں خوابگاہوں سے علیحدہ ہو گئیں اور غافل سونے والے کی صفت سے باہر نکل آئے اور منجملہ اس کی ایک عادت کا بدلنا سو اگر تکیہ لگانے کی عادت ہو تو تکیہ کو ترک کرے اور اگر بچھونے کی عادت ہو تو بچھونے کو چھوڑ دے۔

اور بعضے صوفیہ کا قول ہے کہ اگر میں گھر میں شیطان کو دیکھوں تو وہ مجھے اس سے

زیادہ محبوب ہے کہ میں تکیہ دیکھوں اس واسطے کہ وہ مجھے سونے کی طرف بلاتا ہے اور تکیہ اور لحاف بچھونے کے متعلق عادت بدلنے کو اس میں ایک تاثیر ہے اور جس نے ان چیزوں میں سے کوئی چیز چھوڑ دی اور اللہ کو اس کی نیت اور عزیمت کا علم ہے اس کا عوض اس کو یہ دیتا ہے کہ اس نے جس امر کا قصد کیا ہے اس کو سہل فرما دیتا ہے اور منجملہ اس کے معدہ کا کھانے سے سبک رکھنا ہے پھر جو کھانا بھی کھائے جب وہ ذکر الٰہی اور بیداری باطنی سے مقرون ہو تو قیام...... شب پر وہ مددگار ہوتا ہے اس واسطے کہ ذکر سے اس کی علت دور ہوتی ہے، سو اگر کھانے کا تحقق معدہ میں پائے تو یہ جاننا چاہئے کہ اس کی گرانی قلب پر زیادہ ہوگی تو ایسی حالت میں جب تک ذکر اور تلاوت اور استغفار سے کھانے کو پگھلا نہ دے یعنی ہلکا نہ کر لے سوئے نہیں۔

بعض صوفیہ نے کہا ہے کہ اگر میں اپنے غذائے شب سے ایک لقمہ کم کروں تو یہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہے کہ میں رات بھر قیام کروں اور احوط یہ ہے کہ سونے سے پہلے وتر پڑھ لے اس واسطے کہ وہ نہیں جانتا کہ کیا اتفاق پیش آئے اور وضو کا پانی اور مسواک اپنے پاس تیار رکھے اور ایسی حالت میں سوئے کہ باوضو ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بندہ جب سوئے اور وضو سے ہو تو اس کی روح عرش پر عروج کرتی ہے اور اس کے خواب صادق ہوتے ہیں اور جو بلا وضو سو رہے تو وہاں پہنچنے سے روح قاصر رہتی ہے اور خواب اضغاث احلام اور خیال ہوتے ہیں کہ وہ صادق نہیں ہوتے اور بی بی والا مرید جب بچھونے پر زوجہ کے ساتھ سوتا ہے اس کا وضو اس سے ٹوٹ جاتا ہے (یہ شافعی کا مذہب ہے ۱۲ منہ) مگر باوجود اس کے اس سے باوضو سونے کا فائدہ فوت نہ ہوگا جب تک کہ وہ اس لمس سے خاص لذت نفس حاصل نہ کرے اور بیدار دلی کو ضائع نہ کر دے البتہ جس وقت لذت حاصل کرنے میں مطلق العنان ہو جائے اور غافل ہو جائے تو روح بھی صاحب حجاب ہو جاتی ہے اس حالت کی بے برکتی کے سبب اور منجملہ اس طہارت کے جو کہ مثمر صدق

خواب ہوتی ہے طہارت باطن کی ہے خدشہ ہوائے اور کدورت محبت دنیا سے اور منزہ ہونا ہے نجاست بغض وحسد وکینہ سے اور ہر آئینہ حدیث میں وارد ہے کہ جو شخص اپنے بچھونے میں اس حال میں جائے کہ اس وقت نہ کسی پر ظلم کی نیت ہو اور نہ کسی سے بغض ہو اس کے جتنے گناہ ہیں بخش دیئے جائیں گے اور رزائل سے نفس پاک ہوا تو دل کا آئینہ روشن ہو جاتا ہے اور نیند میں لوح محفوظ کے مقابل ہوتا ہے اور اس میں عجائبات غیب اور غرائب واقعات منتشر ہوتے ہیں اور صدیقین میں بعضے وہ ہوتے ہیں جن کو خواب میں بات چیت اور مکالمہ اور محادثہ نصیب ہوتا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ اس کو امر کرتا ہے اور نہی کرتا ہے وراس کو خواب میں سمجھاتا ہے اور بتلاتا ہے اور مرتبہ ان چیزوں کا جو کہ اس کے لئے خواب میں امر و نہی کی قبیل سے مفتوح ہوتا ہے ایسا ہی ہے جیسا کہ امر و نہی ظاہر کا ہے کہ خدائے تعالیٰ کا گنہگار ہوتا ہے جو اس امر و نہی میں خلل ڈالے (مراد طریقت کا گناہ ہے) بلکہ یہ امر اور احکام (بعض آثار باطنہ کے اعتبار سے) وقعت میں زیادہ تاکید اور عظمت کے ہیں اس واسطے کہ مخالفات ظاہری کو توبہ محو کر دیتی ہے اور گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ اس کا کوئی گناہ ہی نہیں اور یہ اوامر خاص ہیں اور تعلق اس حال سے رکھتے ہیں جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ہے تو جب اس میں خلل ڈالے تو اس بات کا ڈر ہے کہ اس کا طریق ارادت منقطع ہو جائے اور یہ اللہ کی طرف سے رجعت القہقری اور ناخوشی کے مقام کا مستحق ہو جاتا ہے۔ پھر اگر یہ شخص بعض اوقات سستی اور فتور عزیمت میں مبتلا ہو جائے تو سوتے وقت بعد حدث کے تازہ وضو کرنے سے مانع ہو تو اپنے اعضاء کو پانی سے مسح ہی کر لے تا کہ اس قدر کرنے سے وہ زمرہ غافلین سے تو باہر ہو جائے اگر بیدار ہوشیار لوگوں کے فعل کے درجہ سے عاجز رہا ہے۔

اسی طرح اگر جاگنے کے بعد قیام سے الکسالی سے تو اسی کی کوشش کرے کہ مسواک کرے اور اپنے اعضاء کو پانی سے مسح کرے تا کہ وہ اس الٹ پلٹ اور بیداری

میں غافلین کے گروہ سے تو خارج ہو جائے سو اس میں اس شخص کے لئے بہت فضیلت ہے جسے نیند زیادہ آتی ہے اور قیام اس کا تھوڑا ہو۔

روایت ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک شب کئی مرتبہ مسواک کیا کرتے جب آپ سوتے اور جب جاگتے اور سونے میں قبلہ رو ہوتے اور یہ دو قسم ہے یا تو داہنے پہلو اور کروٹ پر رہے جس طرح کہ قبر میں میت رکھی جاتی ہے یا پیٹھ پر کہ منہ قبلہ کی جانب ہو جیسے میت کہ وہ ڈھکا ہوا ہوتا ہے اور کہے **باسمک اللہ اللھم وضعت جنبی وبک ارفعه اللھم ان امسکت نفسی فاغفرلھا وارحمھا وان ارسلتھا فاحفظھا بما تحفظ به عبادک الصالحین اللھم انی اسلمت نفسی الیک ووجھت وجھی وفوضت امری الیک والجات ظھری الیک رھبة منک ورغبةً الیک لاملجاء ولا منجا منک الا الیک آمنت بکتابک الذی انزلت ونبیک الذی ارسلت اللھم قنی عذابک یوم تبعث عبادک الحمدللہ الذی حکم فقھر الحمدللہ الذی بطن فخبر الحمدللہ الذی ملک فقدر الحمدللہ الذی ھو یحیی الموتی وھو علٰے کل شیءٍ قدیر اللھم انی اعوذ بک من غضبک وسوء عقابک وشر عبادک وشر الشیطان وشرکه** اور پانچ آیتیں سورۂ بقر کی چار اول اور پانچویں۔ **ان فی خلق السمٰوٰت والارض** اور آیت الکرسی اور **آمن الرسول** اور **ان ربکم اللہ** اور **قل ادعوا اللہ**۔ اور اول **سورة الحدید** اور آخر **سورہ الحشر** اور **قل یایھا الکافرون** اور **قل ھو اللہ احد** اور **معوذتین** اور ان کو اپنے دونوں ہاتھ پر دم کرے اور اپنے منہ اور بدن کو ملے اور اگر اس پر اضافہ کرے دس آیت اوّل **سورة الکھف** کی اور دس اس کے آخر کی تو اور بھی اچھا ہے اور کہے **اللھم ایقضنی فی احب الساعات**

الیک واستعمنی باحب الاعمال الیک التی تقربنی الیک زلفی وتبعدنی من سخطک بعد اسالک فتعطینی واستغفرک فتغفرلی وادعوک فستجیب لی اللھم لاتؤمنی مکرک ولا تولنی غیرک ولا ترفع عنی سترک ولا تنسنی ذکرک ولا تجعلنی عن الغافلین حدیث میں آیا ہے کہ جس شخص نے یہ کلمات کہے تو اللہ تعالیٰ اس کے پاس تین فرشتے بھیجتا ہے کہ وہ نماز کے واسطے اسے جگاتے ہیں پھر اگر اس نے نماز پڑھی تو اس کی دعا پر آمین کہتے ہیں اور اگر وہ نہیں اٹھتا تو وہ فرشتے ہوا میں عبادت کرتے ہیں اور ان کی عبادت کا ثواب اس شخص کے نام لکھا جاتا ہے اور تسبیح وتحمید وتکبیر کہے ہر ایک کو تینتیس بار اور سو کے عدد کو پورا اس سے کرلے۔ لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم.

الحمدللہ حصہ اوّل جلد دوم معارف العوارف کا ختم ہوا۔

(الحمدللہ! مقالات حکیم الامت جلد 84 اختتام کو پہنچی)۔